بانی
سہام مرزا

ماہنامہ دوشیزہ کراچی

مُدیرِ اعلیٰ ـــ منزہ سہام

مُدیر ـــ زین شمسی

قانونی مُشیر ـــ جی ایم بھٹہ (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

انکم ٹیکس ایڈوائزر ـــ مخدوم اینڈ کمپنی (ایڈووکیٹ)

MEMBER
APNS
CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز

خط وکتابت کا پتا

88-C II۔ فرسٹ فلور۔ خیابان
جامی کمرشل۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7۔ کراچی
فون نمبر: 35893122 - 021-35893121
ای میل: pearlpublications@hotmail.com

ستمبر 2016ء
جلد:44 ☆ شمارہ:09
قیمت:60 روپے

☆ منیجر سرکولیشن: محمد اقبال زمان ☆ عکاس: موسیٰ رضا/مرزا احمد یاسر

باتیں ملاقاتیں

سلسلے وار ناول

ناولٹ

منی ناول

مکمل ناول

افسانے

دوشیزہ میگزین

افسانے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
پاکستان (سالانہ)......890 روپے
ایشیا' افریقہ' یورپ......5000 روپے
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا......6000 روپے

پبلشر منزہ سہام نے سٹی پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام ڈی سی OB-7 ناظم آباد روڈ۔ کراچی
Phone : 021-35893121 - 35893122
Email : pearlpublications@hotmail.com

سچی کہانیاں کے چرچے نہیں

اِس لیے کہ "سچی کہانیاں" کے مصنّفین پیشہ ور لکھنے والے نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو زندگی کی حقیقتوں اور سچائیوں کو برتتے، دیکھتے محسوس کرتے اور ہمیں لکھ بھیجتے ہیں۔ "سچی کہانیاں" کے قارئین وہ ہیں جو سچائیوں کے متلاشی اور انھیں قبول کرنے والے ہیں

یہی وجہ ہے کہ "سچی کہانیاں" پاکستان کا سب سے زیادہ پسند کیا جانے والا اپنی نوعیت کا واحد ڈائجسٹ ہے "سچی کہانیاں" میں آپ بیتیاں جگ بیتیاں اعترافات جرم و سزا کی کہانیاں، ناقابلِ یقین کہانیاں، دلچسپ و سنسنی خیز سلسلوں کے علاوہ مسئلہ یہ ہے اور قارئین و مُدیر کے درمیان دلچسپ نوک جھونک احوال۔ سب کچھ جو زندگی میں ہے وہ "سچی کہانیاں" میں ہے۔

پاکستان کا سب سے زیادہ پسند کیا جانے والا — اپنی نوعیت کا واحد جریدہ

ماہنامہ سچی کہانیاں۔ پرل پبلی کیشنز: II 88-C فرسٹ فلور۔ خیابانِ جامی کمرشل۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز۔7، کراچی فون نمبرز: 021-35893121-35893122
ای میل: pearlpublications@hotmail.com

زندگی کی علامت

بارش کے بعد ہر منظر کس قدر واضح ہو جاتا ہے۔ چمکتی ہوئی تارکول کی لمبی سڑک، جس کے دونوں جانب خوب گھنے درخت، درمیان میں سڑک کو بانٹتے قطار در قطار ننھے منے پھولوں سے لدے درخت...... یہ حسین منظر میں اپنی کھڑکی سے تب دیکھتی ہوں، جب اللہ کی رحمت برس رہی ہوتی ہے۔ دھلے دھلائے درخت یوں ہولے ہولے لہلہا رہے ہوتے ہیں۔ جیسے اللہ کا شکر ادا کر رہے ہوں۔ سورج کی کرنیں جب ان درختوں کی چمکتی ٹہنیوں پر پڑتی ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے قوس و قزح زمین پر اُتر آئی ہو۔ خوش گلو پرندوں کا چہچہانا موڈ کو ایک دم بہت اچھا کر دیتا ہے۔ ہم لوگ کس قدر خوش نصیب ہیں کہ اللہ نے ہمیں یہ سارے منظر عطا کیے۔ سبزہ اور پانی دونوں زندگی کی علامت ہیں۔ پودے اور درختوں سے نہ صرف ہم اپنے گھر اور شہر سجاتے ہیں بلکہ یہ موسموں کی تبدیلی کی بھی بڑی وجہ ہیں۔ مہمان پرندوں کا بہترین ٹھکانہ بھی ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ اپنی زمین کو حسین تر بنائیں۔ اُسے سر سبز درختوں سے سجائیں اور اُن کی حفاظت انسانوں کی طرح کریں کیونکہ یہ بھی جاندار ہیں اور ہم سے کچھ نہیں مانگتے بس دیتے ہی دیتے ہیں۔ یاد رکھیے بلند و بالا عمارتیں بنانے کے لیے جو درخت کاٹے جا رہے ہیں یہ بہت بڑا نقصان ہے۔ جس کا اندازہ شاید ہمیں ابھی نہ ہو مگر ہماری آنے والی نسلیں اس کا خمیازہ بھگتیں گی۔ اگر ہمیں اپنے بچوں سے پیار ہے تو اُن کا مستقبل محفوظ کرنا ہوگا۔ فطرت کی خوبصورتی کے ساتھ جینا سیکھیے۔

میری اور میرے ادارے کی جانب سے تمام پڑھنے والوں کو عیدالاضحیٰ مبارک

منزہ سہام

قارئین کے نام کھلا خط

محترم قارئین!

"مسئلہ یہ ہے" کا سلسلہ میں نے خلقِ خدا کی بھلائی اور روحانی معاملات میں ان کی رہنمائی کے جذبے کے تحت شروع کیا تھا۔ سچی کہانیاں کے اوّلین شمارے سے یہ سلسلہ شاملِ اشاعت ہے۔ گزشتہ برسوں میں ان صفحات پر تحریر و تجویز کردہ وظائف اور دعاؤں سے بلاشبہ لاکھوں افراد نے نا صرف استفادہ کیا بلکہ اس مادی دنیا میں آیاتِ قرآنی اور ان کی روحانی طاقت نے حیران کر دینے والے معجزے بھی دیکھے۔

ساتھیو! عمر کی جس سیڑھی پر میں ہوں خدائے بزرگ و برتر سے ہر پل یہی دعا کرتا ہوں کہ اُس کے حضور پیش ہونے سے پیشتر کچھ ایسا کر جاؤں کہ میرے دُکھی بچے، بچیاں میرے بعد کسی بھی ذریعۂ روزگار کو بروئے کار لاتے ہوئے عزت کے ساتھ رزقِ حلال کما سکیں۔

اتنے برس بیت گئے۔ آپ سے کچھ سوال نہ کیا۔ وہ کون سی پیشکش تھی جو نہ ٹھکرائی۔ کیسے کیسے دولت کے انبار ایک طرف کر دیے۔ مگر اب...... وقت چونکہ ریت کی طرح ہاتھوں سے پھسلتا جا رہا ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک ایسا ٹرسٹ، اپنی موجودگی میں قائم کر جاؤں جس سے نیکی اور بھلائی کا یہ سلسلہ جاری و ساری رہے۔

مجھے آپ کا تعاون درکار ہے۔

دکھی انسانیت کی فلاح کے لیے...... آیئے اور اپنے باباجی کا ساتھ دیجیے......

ٹرسٹ میں اپنے عطیات جمع کرائیے۔

مجھے امید ہے۔ اپنے دکھی بھائی بہنوں کا درد محسوس کرتے ہوئے آپ کا اگلا قدم...... ٹرسٹ میں اپنے تعاون کے لیے ہی اٹھے گا۔

دوشیزہ کی محفل

محبتوں کا طلسم کدہ' خوب صورت

رابطوں کی دلفریب محفل

مدیر اعلیٰ

جب شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہوگا تب عیدالاضحیٰ کی تیاریاں اپنے عروج پر ہوں گی۔ میں اپنے تمام پڑھنے والوں کو دل کی گہرائی سے 'عید مبارک' کہتی ہوں اور آپ سب کو محفل میں خوش آمدید کہتی ہوں...... آپ آئے بہار آئی کے مصداق یہ رنگ یہ خوشبو سب آپ تمام لوگوں کے دم سے ہے...... جو لوگ دنیا سے چلے گئے ہم اُن کے لواحقین کے دکھ میں برابر کے شریک ہیں۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اپنی خوشیوں میں ہمیں بھول گئے۔ ہم میں سے کوئی بھی بے مروت نہیں، اتنا تو میں جانتی ہوں...... اس بار بھی محفل میں چاندنی کی چمک ہے، پھولوں کی مہک ہے تو چلیں بڑھتے ہیں محبت کی خوشبو سے معطر پہلے خط کی طرف...... لاہور سے تشریف لائی ہیں زمر نعیم لکھتی ہیں، بہت پیاری منزہ سہام' السلام علیکم! اللہ آپ پر ہمیشہ مہربان رہے، آمین۔ اللہ تعالیٰ سے آپ کی ادارے کے تمام اراکین و وابستگین کی خیریت و عافیت کے لیے دعا گو رہتی ہوں۔ اللہ سبھی کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین ثم آمین۔ منزہ جی! سب سے پہلے تو اگست کے شمارے پر کچھ اظہار خیال کرلوں۔ آپ کا اداریہ 'ہجوم' پڑھ کر آپ کی تھکن نے اپنے اندر اترتی تھکن کو مزید بڑھا دیا ہے۔ عجب بے بسی کا عالم ہے۔ ایک کے بعد ایک ستم عوام پر آزمایا جارہا ہے۔ یہاں لاہور میں سر عام ماؤں کے جگر گوشے اُن کی آغوش سے چھینے جارہے ہیں نوخیز بچے بچیوں کی آنکھیں نوچ کر پہلو چھیدنے کے بعد نشانِ عبرت بنا کر گلیوں بازاروں میں کچرے کی طرح پھینکا جارہا ہے۔ عجب تماشہ ہے۔ جسے روکنے کا کوئی سدباب ہی نہیں۔

سلمیٰ یونس کی والدہ کو اللہ تعالیٰ اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور سلمیٰ کے ساتھ اُس کی بہن بھائیوں کو صبر جمیل عطا کرے آمین ثم آمین۔ رضوانہ پرنس کے بھائی کے انتقال کی خبر پڑھی۔ بے حد افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ بھائی کو جنت میں جگہ دے اور انہیں صبر و حوصلے سے نوازے، آمین۔ شگفتہ شفیق اور کنزل کو اتنی اہم خوشی مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ مزید کامیابی دے محفل کے سبھی خطوط اچھے تھے۔ رضوانہ آپی کا خط دیکھ کر اور پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ اُن کی اور ہماری چھوٹی بہن شبانہ 11 اگست کو ہارٹ اٹیک

ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب

اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں

ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر L-5/79 ڈاکخانہ L.5/78 تحصیل و ضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر: 03225494228

ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

سے وفات پا گئیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔ مرحومہ بہت معصوم اور بے ضرر سی تھیں رضوانہ آپی اور اُن کے بھائی بہنوں کو اللہ صبر و حوصلہ عطا فرمائے ۔ خولہ عرفان کا تبصرہ بھرپور تھا۔ اُن کی تحریروں کی طرح، افسانوں میں چند ایک پڑھ سکی ہوں۔ خولہ عرفان اور فصیحہ آصف کے افسانے بہترین لگے۔ غزالہ رشید کو کافی عرصے کے بعد پڑھا بہت اچھا لگا۔ یقیناً باقی تحریریں بھی بہترین ہوں گی اور میں فرصت میں سارا دوشیزہ پڑھوں گی۔ میرے ساتھی رائٹر خفا نہ ہوں۔ ناول 'دام دل' کو پڑھ کر ہر بار سحر بڑھ جاتا ہے آئندہ کا انتظار بے کل رکھتا ہے۔ رفعت سراج کی تحریروں کا یہی تو خاصہ ہے کہ قاری پڑھ کر مزید پڑھنے کی تشنگی محسوس کرتا رہتا ہے۔ اللہ کرے زورِ قلم بلکہ سحرِ قلم اور زیادہ......

منزہ جی، ناول ابھی امکان باقی ہے کی چھٹی قسط ارسال کر رہی ہوں۔ امید ہے آپ میری رہنمائی فرماتی رہیں گی۔ اور میں بھی انشاء اللہ بروقت اقساط ارسال کرتی رہوں گی۔ اپنی رائے سے ضرور آگاہ کیجیے گا۔

ایک بات کمپوزنگ کے حوالے سے کہنا تھی تقریباً ہر تحریر میں کچھ نہ کچھ غلطی تھی۔ آپ جانتی ہیں جملہ بدلنے سے مفہوم بدل جاتا ہے۔ امید ہے آپ توجہ بھی دیں گی اور میری بات گراں بھی نہیں گزری ہوگی۔ ہمیں مل جل کر دوشیزہ کو سنوارنا ہے انشاء اللہ رابطہ رہے گا سب کو میرا اسلام پہنچے۔ اللہ حافظ

✎: اچھی سی زمر ادارہ یہ دل سے پڑھنے کا شکریہ واقعی میں ماؤں سے ان کے لختِ جگر چھیننے والے کسی نرمی کے مستحق نہیں ایسے گناہ گاروں کو تو سرِعام عبرت کا نمونہ بنانا چاہیے زمر کوشش ہے کہ پروف کی غلطیاں بالکل نہ ہوں مگر'' ہزاروں خواہشیں ایسی...... تم سمجھ گئی ہوگی میرا مطلب اور ہاں جھیل جیسی آنکھوں والی لڑکی اگر تم مجھے ایک ساتھ تین سے چار قسطیں بھجواؤ گی تو میں تم سے ڈسکس کر سکوں گی۔ فی الحال ناول بہت اچھا جا رہا ہے۔ اس کا اندازہ تمہیں خود بھی محفل پڑھ کر ہو رہا ہوگا۔ اپنی شرکت محفل میں یقینی بنایا کرو دوشیزہ پڑھنے والے اپنے پسندیدہ رائٹرز کو محفل میں پا کر بہت خوش ہوتے ہیں۔

✉: یہ ہیں ہماری پیاری فرح اسلم قریشی، لکھتی ہیں۔ تمام اہلیانِ وطن نے ہمیشہ کی طرح یوم آزادی یمن حیث القوم متحد ہو کر منایا۔ سبز ہلالی پرچموں سے سجے شہر کراچی میں صرف پاکستانی قومیت کا جذبہ نظر آ رہا تھا۔ یہ سب دیکھ کر دل سجدۂ شکر بجالایا کہ کم از کم اس دن ہم 'ہجوم' کی بجائے 'قوم' نظر آئے...... مگر...... پھر کیا ہوا؟ ایک ہجوم نے سجدے میں پڑے قلب و نظر کو آئینہ دیکھنے کے قابل بھی نہ چھوڑا پاکستان سے پہچان پانے والے، پاکستان کے ذریعے اپنی جڑیں بنانے والے، وزارتیں لے کر بلٹ پروف گاڑیوں تلے عوام کے ارمانوں کو کچلنے والے اور سیاسی قائدین کی حیثیت سے تمام تر مراعات حاصل کرنے والے چند لوگوں نے کتنی سفاکی، بے رحمی اور بے غیرتی سے لفظ پاکستان کی بے حرمتی کر ڈالی، اسے زندہ سے مردہ بنا دیا، پاکستان کے وجود کو اپنی ناسور زدہ زبانوں سے ناسور قرار دیا اور یہ سب بھی ہمارے کانوں نے سنا اور سہہ گئے۔ تب مجھے اندازہ ہوا کہ آپ نے ٹھیک لکھا تھا ہم

دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ

اگست 2016 کا نتیجہ: قارئین نے مندرجہ ذیل تحریر کو پسند کیا ہے

'بند دروازے' غزالہ رشید

آپ کی نظر میں اس ماہ "دوشیزہ" کی بہترین تحریر کون سی ہے؟

دوشیزہ | ستمبر 2016

عنوان: ____________

قلم کار: ____________

نام: ____________

پتا: ____________

ماہنامہ دوشیزہ کراچی

صرف ایک ہجوم ہیں، صرف تماشہ دیکھنے والا ہجوم...... لیکن یہ بات طے ہے کہ فلک پر تھوکا حلق میں آ کے گرتا ہے۔ سا ارضِ پاک کی عزت و ناموس کو چند بے ضمیر لوگوں کی ہرزئی سرائی سے کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔

سب سے پہلے رضوانہ کوثر سے ان کی چھوٹی بہن شبانہ کی وفات پر دلی تعزیت کا اظہار اللہ پاک ان کی ہمشیرہ کو جنت مکین کرے، سلمیٰ یونس سے اُن کی والدہ کے انتقال پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اُن کے لیے دعائے مغفرت کہ پروردگار سلمیٰ کی والدہ کے درجات کو بلند فرمائے، رضوانہ پرنس کے بھائی کے لیے بھی دعائے مغفرت اور بلندی درجات کی دعا، پروردگار عالم ان تمام لوگوں کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے (آمین) اس ماہ کے رسالے کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں ہے۔ غزالہ رشید نسرین اختر' زمر نعیم احمد سجاد اور روحیلہ خان کے ناموں کو دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی کہ یہ وہ نام ہیں جن کی تحریروں کا انتظار رہتا ہے۔ دیر آید درست آید کی مانند ان کی تحروں نے حسب سابق کمال کر ڈالا۔ 'بند دروازے' مشال اور شنو، سنہری بٹوا، تی اور دشتِ عطش نے بے حد متاثر کیا۔ دشتِ عطش تو اپنے عنوان کی طرح زبردست نکلا۔ ریمل آرزو کو اتنا خوبصورت اور حقیقت پسند تحریر لکھنے پر مبارکباد۔ ابھی امکان باقی ہے زمر نعیم کا نام ہی کافی ہے۔ پہلی قسط نے ہی اپنے حصار میں لے لیا۔ اسی طرح نسرین اختر نینا کے 'سپنے سہانے' کے اگلے حصے کا شدت سے انتظار ہے۔ خولہ عرفان کی تحریر ہجرت کے دکھ بہت سے زخموں کو ہرا کر گیا۔ آج کے حالات اور معاشرتی طور طریقے دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ ہمارے صرف وجود ہی ہجرت کر کے پاکستان کے آئے ہماری سوچ اور ارادے آج بھی غلامی کے زیر اثر ہیں۔ دیا شیرازی کا دکھاوا قول و فعل کے تضاد کو واضح کرتا زبردست افسانہ تھا۔ فصیحہ آصف کا 'مقتل' دل دہلا دینے والی تحریر تھی اور ایک برہنہ سچ کہ غریب کی عزت شاید مال غنیمت ہوتی ہے۔ صائمہ راحت کی بھورانی ایک سبق آموز کہانی تھی اچھی تحریر تھی۔ لڑکیوں کو ایسے ہی کھلے دل و دماغ کا ہونا چاہیے تاکہ دوسروں کے گھر اُن کے وجود کے اضافے سے جنت بنیں۔ دوزخ نہیں۔ حنا اشرف کا احساس رشتوں کے احساس کو اجاگر کرتا افسانہ تھا۔ فسانہ ہے زندگی نعمان اسحٰق کی بہترین کوشش تھی۔ پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ خانہ بدوش بنتِ حوا کی متاثر کن کاوش رہی۔ سچ تو یہ ہے منزہ کہ اس ماہ کا رسالہ زبردست رہا ہر تحریر قابلِ تحسین اور ہر مصنف کی سوچ قابلِ تقلید لگی۔ اتنے پیارے رسالے کے لیے مبارکباد اور شکریہ، اور شکریہ اُن لوگوں کا بھی جنھوں نے میری تحریر اندھی کو پسند کیا۔ شگفتہ شفیق کی غزل اُن کی مسکراہٹ کی طرح پیاری لگی۔ مسز نگہت غفار نے 'الوداع ایدھی صاحب' لکھ کر اپنے اور قوم کے جذبات کو زبان دی بہت اچھی لگی۔ اور فصیحہ آصف کی غزل نے بڑا مزہ دیا۔ ہوسکتا ہے خط تھوڑا دیر سے پہنچے، لیکن پھر بھی امید ہے کہ اتنی دیر نہیں ہوئی کہ شائع نہ ہو۔ پھر بھی اگر شائع کرنا ممکن نہ ہو تو معذرت، باقی باتیں اگلے خط میں انشاء اللہ۔

ج: بہت ہی پیاری فرح...... یہ سوچنا چھوڑ دو کہ 'دیر کر دیتا ہوں' تم وقت پر ہو اور ہمیشہ اسی طرح محفل میں شرکت کرتی رہنا مجھے بہت اچھا لگتا ہے تمہاری تعریف حق داروں تک پہنچا دی ہے۔ یقیناً

مبارک باد

ہماری ہردل عزیز ساتھی شگفتہ شفیق کی صاحبزادی کنزل تابش لندن میں ایک پیاری سی بیٹی کی امی جان بن گئی ہیں۔ادارہ ان کی دائمی خوشیوں کی مبارک باد کے ساتھ ساتھ نومولود کی صحت اور درازی عمر کے لیے بھی دعا گو ہے۔

انہیں بھی تمہاری سوغات تعریف کی شکل میں بہت اچھی لگے گی۔

اور جناب یہ نکلا چاند یعنی عقیلہ حق، لکھتی ہیں۔ اگست کا دوشیزہ ایک دوشیزہ کے ہاتھوں میں جگمگا رہا ہے۔ کوشش کرتی ہوں ہر ماہ خط لکھوں، اور مہینے میں دو بار افسانہ بھیجوں، لیکن افسوس میری کوشش کامیاب کیوں نہیں ہوتی؟ یہ ایک بڑا سوالیہ نشان ہے۔ اس مسئلے کی قرار داد اقوام متحدہ میں زیر غور ہے آخر میں اتنا مصروف کیوں اور کیسے رہنے لگی ہوں؟ یا میں اتنی کاہل کیسے ہوگئی، لیکن کاہل تو پیدائشی ہوتے ہیں تو میں...... نہیں میں کچھ سوچنا نہیں چاہتی۔

خیر ایک طویل غیر حاضری کی وجہ یہ بھی ہے کہ شمیم آج کل ننھے سے بچے بنے ہوئے ہیں مجھ سے خوب لاڈ اٹھوائے جا رہے ہیں یعنی تھوڑا سا بیمار ہوگئے ہیں وہ تھوڑے بیمار کیا ہوئے؟ میری تو دوڑیں لگ گئیں اور اب تو دوڑنے کی اس قدر عادت پڑ گئی ہے کہ بستر پر لیٹے لیٹے اور صوفے پر بیٹھے بیٹھے دوڑنے لگتی ہوں، چند دن سے ایک چاند سے چہرے والی لڑکی کا MSG آیا تھا چاند کہاں ہے؟ سوچا چاند پوچھ رہا ہے کہ چاند کہاں ہے؟ یہ کیا ساحرہ ہے پھر خیال آیا کہیں مجھے تو چاند کہہ کر مخاطب نہیں کیا؟ یہ سوچا ہی تھا کہ اندر سے کوئی قہقہے مار کر ہنسنے لگا اور آئینہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ کوئی اندر سے کہہ رہا تھا بہن شکل دیکھی ہے اور جب آئینہ میں شکل دیکھی تو آئینہ نے روتے ہوئے سوال کیا۔ ارے شکل دیکھی ہے؟ یقین کرو میری بہن آج پہلی دفعہ میں نے اپنی شکل غور سے دیکھی تو یقین ہو گیا کہ میسج غلطی سے آ گیا کسی اور کا سندیہ تھا وہ کس کے لیے تھا؟ سوال برقرار ہے۔ خیر میری باتیں تو جاری رہیں گی چلتے ہیں اب رسالے کی طرف۔ بہنوں کی محفل میں زندگی سے بھرپور رضوانہ پرنس کے بھائی کے بارے میں پڑھا، دلی افسوس ہوا اللہ رحم کرے کیا ہوا تھا اُن کے بھائی کو؟ اللہ مرحوم کی مغفرت فرمائے آمین۔ ناصر رضا بھائی اور شگفتہ شفیق کو بچوں کی خوشیاں مبارک ہوں۔ سلمیٰ یونس کی والدہ کو اللہ پاک اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے آمین۔ آہ! امجد صابری...... امجد صابری کی موت کا ایسا صدمہ ہوا ہے جیسے کوئی بہت اپنا چلا گیا۔ اللہ پاک مرحوم کی مغفرت فرمائے آمین۔ عائشہ خان سے گفتگو اچھی لگی۔ کیا واقعی کامیابی لائف بوئے کے ساتھ ہے تو پھر آئندہ سال بچوں کو محنت کروانے کے بجائے ایک ایک نکیہ لائف بوائے کی دلوا دیتے ہیں۔ اور زیادہ کامیابی چاہیے تو ٹکیا گلے میں لٹکا دیتے ہیں...... کیا خیال ہے...... بہت عرصہ بعد غزالہ رشید کا افسانہ پڑھا۔ افسانے کی پہلی لائن نے ہی احساس دلا دیا تھا کہ یہ غزالہ کی تحریر تھی۔ بہت خوبصورت تحریر رہی...... اور جناب غزالہ رشید صاحبہ تو ویسے بھی ہمارے استادوں میں شمار ہوتی ہیں۔ بیوٹی گائیڈ پڑھتی بہن شاہانہ احمد چاند چہرہ ستارہ آنکھوں کا تو ہم کو بہت شوق ہے لیکن آپ نے یہ نہیں بتایا مٹی کے کھردرے برتن میں بادام کون رگڑے گا اگر رگڑنے کی

عادت ہوتی تو بچپن سے منہ ہاتھ رگڑ رگڑ کر دھوتے ، اور جب منہ ہاتھ اچھی طرح دھوتے تو پھر آج غور غور سے بیوٹی گائیڈ کے مشورے نہ پڑھ رہے ہوتے...... ہائے رے کاہلی...... رفعت سراج صاحبہ کا ناول اُن ہی کی طرح زبردست اور جاندار، زمر نعیم میری بہن آپ کے ناول کی قسط ابھی پڑھی نہیں انشاء اللہ بھرپور تبصرے کے ساتھ اگلے ماہ حاضر ہوں گی۔ روحیلہ خان کی تحریر اچھی رہی۔ بہورانی صائمہ راحت کی تحریر مناسب رہی، واقعی جیسی کرنی ویسی بھرنی جب ہم نے اپنا نیا گھر لیا تو میں بہت محنت سے گھر کو ڈیکوریٹ رکھتی تھی تو ایک رشتہ دار خاتون نے کہا۔ ارے کیا بھاوجوں کے لیے گھر سجا رہی ہو تم کو تو جلد چلے جانا ہے تو میں نے بہت اطمینان سے جواب دیا۔ جی ہاں ہم اپنی بھابیوں کے لیے گھر سجا رہے ہیں اور کہیں ہمارے لیے سج رہا ہوگا اور الحمدللہ صرف دو ماہ بعد میری شادی ہوگئی اور شمیم کا گھر لاس ویگاس میں میرے خوابوں اور خیالوں سے زیادہ حسین مجھے ملا...... الحمدللہ فصیحہ آصف کی تحریر ہمیشہ اچھی ہوتی ہے۔ اور بھائی نعمان اسحٰق آپ کی تحریر ہمیشہ اتنی جاندار ہوتی ہے کہ اس کے لیے میرے پاس...... لفظ کم پڑ جاتے ہیں۔ ابھی باقی رسالہ پڑھ نہیں سکی ایک سرسری سی نگاہ ڈالی ہے انشاء اللہ جب پڑھ لوں گی تو باقی رسالہ کا تبصرہ اگلے ماہ کے ساتھ ہوگا۔ لیکن مجھے امید ہے کہ باقی تحریریں اور مستقل سلسلے یقیناً ہمیشہ کی طرح بہت متاثر کن اور دلکش ہوں گے بھائی کاشی چوہان کو بہت سی دعائیں اور منزہ ڈیئر موو ان پک سے فون آرہا ہے کہ دوشیزہ کی اگلی Hi.Tea کی ڈیٹ کنفرم کردیں تو میں نے کہا جلد ہی ایک حسین دوشیزہ سے پوچھ کر کنفرم کردوں گی تو کیا ڈیٹ دوں......؟ منزہ اپنا بے حد خیال رکھیے گا۔ دفتر میں سب کو درجہ بدرجہ سلام۔

✉: سوئٹ عقیلہ! اب چاند کو چاند نہ کہوں تو کیا کہوں اتنی محبت سے سوال پوچھا تھا اور جواب نہ پاکر دل ٹوٹ گیا لیکن خط پاکر ٹوٹا ہوا دل جڑ گیا...... اللہ دونوں دوشیزاؤں کی دوشیزگی تاحیات برقرار رکھے۔ اپنی شبیہہ آئینے میں دیکھیے اور موو ان پک والوں کو ہاں کردیجیے اب یہ ہاں تو بنتی ہے۔ عقیلہ میری اور آپ کی باتیں پڑھ کر لوگ یہ نہ کہیں ہیں دیوانی ہوگئیں ہیں ایک دوسرے کو چاند ستارہ کہہ رہی ہیں۔ خیر بڑے بڑے شہروں میں ایسی باتیں ہوتی ہیں یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اگلے ماہ وعدہ وفا ہوتا ہے یا نہیں محفل میں شرکت کا، ویسے میں نے کہیں سنا تھا حسین لوگ وعدہ نہیں توڑتے...... تو پھر آرہی ہیں نا اگلے ماہ......

✉: اور جناب یہ محبت نامہ آیا ہے لندن کی فضاؤں سے، شگفتہ شفیق لکھتی ہیں۔ پیاری منزہ، اسلام وعلیکم! یہ خط تمہاری پیاری کنزل کے ساتھ لکھ رہی ہوں۔ کنزل اور زویا دونوں اپنی آنٹی کو سلام کہہ رہی ہیں۔ منزہ تم نے بہترین اداریہ لکھا ہے۔ ہم بھی یہی سوچتے ہیں کہ کاش کبھی تو ہم میں غیرت، حمیت پیدا ہو اور ہم ایک قوم ہونے کا ثبوت دیں۔ سلمٰی یوسف اور رضوانہ پرنس سے دلی تعزیت کہ اُن کا دکھ بہت بڑا ہے۔ میری پیاری منزہ کنزل کی کامیابی کی خبر پڑھ کر یوں لگا کہ جیسے ابھی ابھی رزلٹ آیا ہے اور کنزل لندن میں اور ہم کراچی میں خوشی سے جھوم اُٹھے ہیں خوش رہو پیاری سدا۔ ناصر رضا کو نانا جان بننے پر مبارک باد۔ 'دمِ دل' کی قسط نمبر ۱۹ زبردست رہی۔ کیا جمے ہوئے ڈائیلاگ لکھے ہیں رفعت

اٹھائیسواں دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ

وہ تقریب جس کا انتظار کیا جاتا ہے۔

وہ تقریب جس میں ملک بھر سے قلم کاروں کا کارواں، اپنے محبت کرنے والوں کے روبرو ہوتا ہے۔

قلم کاروں کے قلم کا حق ادا کرنے کی ایک ادنیٰ سی کوشش۔

بہت جلد......

اٹھائیسویں دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ کی تقریب اپنے روایتی رنگ میں جلوہ گر ہوگی۔

"بس تھوڑا سا انتظار......"

سراج جی نے بہت پسند آیا غزالہ رشید کا 'بند دروازے' بھی پیارا لگا۔ فصیحہ آصف خان کا 'مقتل' 'حقیقت پر مبنی ہے۔ زمر نعیم کا 'ابھی امکان باقی ہے' پہلی قسط میں رنگ جما گیا۔ میری غزل لگانے کیلئے شکریہ۔ تمام اسٹاف اور قارئین کو میرا سلام۔

ھ: میری شگفتہ! میری طرف سے کنزل اور بیٹی زویا دونوں کو بہت سارا پیار...... زویا کی تصویریں دیکھیں دل سے دعائیں نکلیں تھیں پری کے لیے...... اللہ اس کے والدین کو اُس کی بے حساب خوشیاں دکھائے۔ ویسے مجھے لگتا ہے کہ زویا تانی پر گئی ہے کہ زبردست سائیڈ پوز دیا ہے...... ادارے اور پرچے کی پسندیدگی کا بہت شکریہ۔

✉: یہ آمد ہے مومنہ بتول کی لکھتی ہیں۔ پیاری منزہ آداب، عرض کرتی ہوں کہ ابھی شکریہ نامے کے طور لکھے خط کو پوسٹ بھی نہ کر پائی تھی کہ ماہ اگست کا شمارہ آ گیا ابھی افسانوں کی خیریت تو معلوم نہ کر سکی مگر محفل دوشیزہ میں دوستوں سے ملاقات ضرور کر لی۔ پیاری بہن دردانہ صاحبہ کا شکوہ پڑھا اب جواب شکوہ حاضر ہے عرض ہے کہ میری ہی غزل کا اک مصرعہ ہے کہ 'جاں کی اماں پاؤں تو عرض کروں' آنگن میں بارات کے توسط سے بقول آپ کے قاری بہنوں کا بی پی ہائی اور بیٹوں کا بی پی لو ہوا۔ معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ میں بھی ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھتی ہوں اور اپنی بیٹی کی شادی کی تیاریوں میں بہت اپنا کہنے والے اور بہت چاہت کا دعویٰ کرنے والوں کے چہروں سے اترتے نقاب نے خود مجھے بی پی ہائی کا پیشنٹ بنا دیا ہے اب جس پل رات میں آنکھ کھلتی ہوں دونوں ہاتھ اُٹھا کر تمام بیٹیوں کے حق میں دعائے خیر کرتی ہوں...... یہ میرا اور میرے رب کا معاملہ ہے جیسے آپ کی غلط فہمی کی وجہ سے طشت از بام کر رہی ہوں۔ نیز یہ کہ کھانوں کی فہرست میں...... جوش خطابت میں لکھ گئی کسی کی دل آزاری کے لیے نہیں پھر اک وجہ یہ ہے کہ یہ کھانے ہماری طرف کے نہیں۔ بلکہ ولیمے میں دولہا والوں کی جانب سے تھے وہ الحمدللہ اس پوزیشن میں ہے کہ سب کچھ کر سکتے ہیں اور پھر اس میں کچھ جھوٹ بھی نہیں ہے لہٰذا میں لکھ گئی سوئم...... الگ الگ دن کی تزئین بالکل عام شادیوں کی طرح تھی صرف اِس کو سجانے کے لیے گھر کی متروک اشیاء کو لے کر خود اپنے ہاتھوں محنت کر کے سجایا گیا تھا جس پر خرچ نہ ہونے کے برابر تھا سو یہ بھی اعتراض دور ہو گیا ہو گا اب آیئے میری دعوت قبول کیجیے میں دیدہ فرش راہ ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ مجھ سے مل کر میری عادت میری فطرت اور پھر میرے گھریلو حالات دیکھ کر آپ کا یہ اعتراض بھی دور ہو جائے گا۔ یہ ہری بھری شادی اور شادی کی ہریالی تو مجھ گناہگار پر قدرت کا عظیم احسان ہے جو جانے کسی نیکی کے عوض مجھے عطا کیا گیا۔ (زخم دل زخم جگر سہتے سہتے 27 سال ہو رہے ہیں) لہٰذا اب آپ کی غلط فہمی دور ہو گئی ہو گی یہ سب کچھ ایک ماہ کے جذبات تھے جس پر اعتراض کرنے کا کسی کو بھی حق نہیں...... مگر پھر بھی تمام قاری بہنوں سے درخواست ہے کہ اگر میری ذات سے کسی کی دل آزاری ہوئی ہے تو دوشیزہ کی محفل میں لکھیں میں معذرت کرتی ہوں۔

ھ: ارے ارے پیاری مومنہ! اتنی صفائیاں کیوں دے رہی ہو بیٹیاں تو والدین کی شہزادیاں

مبارک باد

ہماری ساتھی لکھاری اور شاعرہ پروفیسر صفیہ سلطانہ مغل گزشتہ ماہ میں ماشاء اللہ ایک پیارے سے پوتے کی دادی جان بن گئی ہے۔ ادارہ ان کو دائمی خوشیوں کی مبارک باد کے ساتھ ساتھ نومولود کی صحت اور درازی عمر کے لیے بھی دعا گو ہے۔

ہوتی ہیں اور محفل میں تو ہم سب ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کرتے ہیں۔ اپنا جو سمجھتے ہیں بلکہ میں تو کہوں گی کہ شاید تم نے کسی بات کو بہت سیریسلی لے لیا ایسا کچھ نہیں ہے اللہ سب کی بچیوں کو اسی طرح خوش باش رخصت کرے آمین۔

یہ آمد ہے فصیحہ آصف خان کی، لکھتی ہیں۔ مزاج اچھے ہوں گے رب کریم کے فضل وکرم سے میں بھی عافیت میں ہوں۔ ساون اس بار ٹوٹ کے برس رہا ہے۔ بارشوں کے خوبصورت سے موسم میں دوشیزہ کا ہاتھ میں آنا دلفریبی کی حدوں کو چھو جاتا ہے۔ دل خوشی سے جھوم اٹھتا ہے۔ بادلوں کے سنگ ہی حسب معمول دوشیزہ ملا، ارے یہ کیا 26 اگست کو میری سالگرہ ہوتی ہے۔ اور آپ نے میرا افسانہ مقبل شائع کر کے مجھے گویا تحفہ بھجوا دیا بے حد شکریہ۔ سیلاب کی تباہ کاریوں پر آپ کا اداریہ لفظ لفظ سچائی پر مبنی لگا۔ کشمیریوں کے ساتھ یک جا ہونے کی ایک صورت یہی ہے کہ بھارتی فلموں اور مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے۔ سچ بتاؤں میں نے آج تک کوئی بھارتی ڈرامہ نہیں دیکھا۔ اور ایک عرصہ ہو گیا۔ فلموں سے بھی دوری ہے۔ بلکہ جو ہمارے پاکستانی فنکار بھارت جا کر خود کو 'معزز' اور 'معتبر' سمجھتے ہیں میں ان سب پر لعنت بھیجتی ہوں کہ مسلمان کنواری لڑکیاں ہندوئں کی بانہوں میں سوئی پڑی ہیں۔ نہیں اصل میں ان کی غیرت مر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو ہدایت دے، چند روپوں کی خاطر یہ اپنی عزتوں کو بیچ ڈالتی ہیں۔ اور تو اور جشن آزادی پر بھی انڈین گانے زور وشور سے بج رہے ہیں۔ کیا ہم سچے پاکستانی ہیں؟ صحیح العقیدہ مسلمان ہیں؟ ہرگز نہیں اپنا اپنا احساب کیجیے۔ دوشیزہ کی محفل آپس کے میل جول بڑھانے میں معاون ثابت ہو رہی ہے، دردانہ نوشین کا جامع تبصرہ زبردست رہا۔ میں بھی یہی کہوں گی کہ مرنے کے بعد مجھے بہت اچھے الفاظ میں یاد کیا جائے۔ اس بار تمام خطوط میں زمر نعیم کا خط بازی لے گیا۔ انہوں نے یادیں تازہ کیں۔ ویل ڈن زمر...... فرح اسلم' شگفتہ شفیق' تحسین انجم' خولہ عرفان' باجی نگہت غفار اور بہت محترم رضوانہ کوثر آپی (رضوانہ آپی آپ کی بہن کے لیے دعائے مغفرت کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں جگہ دے اور آپ سب کو صبر جمیل ...... اور اللہ آپ کو کلی صحت سے نوازے آمین۔) رفعت سراج دام دل کو بہت دلکشی سے آگے بڑھا رہی ہیں۔ تمام کردار اپنی اپنی جگہ بہترین ہیں۔ ثمر کو چمن کو طلاق نہیں دینی چاہیے۔ ندا کی معصومانہ حرکتیں دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ جیسے وہ بالکل ہی چھوٹی سی بچی ہو۔ دیکھیے آب آگے کیا ہوتا ہے۔ غزالہ رشید کی بند دروازے بس گزارے لائق تحریر لگی۔ سنہری بٹوا معاشرتی رویوں کی عکاسی رہی۔ خالہ بدو کی زندگی کا بالکل صحیح خاکہ کھینچا گیا۔ ان کی تکلیف وہ زندگی پر دل کڑھتا رہا کہ یہ لوگ بنیادی سہولیات سے بھی محروم ہوتے ہیں۔ آخر کار بھورانی کو بھی عقل آ گئی۔ نعمان اسحٰق نے میرے پیارے شہر ملتان کے پس منظر میں اچھی

تحریر لکھی اور ساتھ ہی سبق بھی دیا کہ

جائے گا جب جہاں سے کچھ بھی نہ پاس ہوگا
دو گز کفن کا ٹکڑا تیرا لباس ہوگا

سنی غزالہ عزیز نے خوب لکھی۔ زندہ یا مردہ بہر حال ہندوؤں کو جلنا تو آگ میں ہی ہے۔ ہجرت کے دکھ اب تو ہر سمت یہی دکھ دکھائی دیتا ہے۔ صرف محسن ہی نہیں آپ کسی بھی فنکشن یا پارٹی میں چلے جائیں لڑکے لڑکیاں اسی طرح ناچتے تھرکتے نظر آئیں گے۔ یہ سب دین سے دوری کا نتیجہ ہے۔ بہترین شروعات کرتا زمر نعیم کا ناول ابھی امکان باقی ہے پہلی ہی قسط سے دل میں جگہ بنا گیا۔ اروی کا اصل امتحان تو اب سسرال میں شروع ہوگا۔ جہاں آثار خوشگوار دکھائی نہیں دیتے۔ ارے یاد آیا بینا عالیہ توانہ اپنے ناول کے اختتام کے بعد کہاں جا چھپی ہے۔ پلیز انہیں آواز دیجیے ناں...... جلد کسی اچھی سی تحریر کے ساتھ خود آئیں۔ ماریہ یاسر، ریمل آرزو اور نسرین اختر کی تحاریر اچھی لگیں اور سب سے اعلیٰ تحریر اس ماہ احمد سجاد بابر کی رہی۔ موذی نیٹ کے تناظر میں لکھی گئی تحریر بلاشبہ حقیقت پر مبنی رہی۔ اس میں والدین اساتذہ دوست اور حکومت سب مل کر نئی نسل کو تباہی کے دہانے پر لے آئے ہیں۔ جس کا تدارک ہوتا نظر نہیں آیا۔ بلکہ مزید بگاڑ پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ پورا معاشرہ اس کی گندگی سے آلودہ ہو رہا ہے۔ مسیحا کون اور کہاں ہے؟ اللہ تعالیٰ جسے عوام ویسے حکمران مسلط کر دیتا ہے ایسے میں کثرت سے استغفار پڑھنا لازمی ہے۔ جی تبصرہ تو مکمل ہوا۔ حسب معمول تمام سلاسل بھی توجہ طلب رہے۔ مشورہ ہے کہ سلاسل اور خطوط پر انعامی سلسلہ شروع کیا جائے (کیوں بہنو میری تجویز سے اتفاق ہے کہ نہیں؟) بقر عید نمبر میں میرا افسانہ امید ہے کہ شامل ہوگا، شگفتہ شفیق صاحبہ آپ کے فون کا انتظار ہے۔ فریدہ فری جی غائب نہ ہوا کریں صحت کی دولت پائیں۔ رضوانہ پرنس صاحبہ بہت افسوس ہوا آپ کے پیارے بھائی کی دائمی جدائی اللہ آپ سب کو صبر دے آمین۔ اجازت مطلوب ہے۔

ج: اچھی سی فصیحہ! میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس عید بکرا آئے نہ آئے فصیحہ کا افسانہ ضرور چھپے گا تو دیکھو وعدہ پورا کر دیا اب تم جلدی سے ایک روسٹ ٹانگ بھجوا دو رشوت کے طور پر...... بہت مفصل تبصرہ بھیجا اچھا لگا ایسے ہی آتی رہا کرو۔

✉: یہ آمد ہے مسز احمد کی، لکھتی ہیں۔ پیاری منزہ امید کرتی ہوں اللہ کے فضل و کرم آپ سب بخیریت ہوں گے۔ جولائی کا دوشیزہ میرے سامنے ہے۔ بالکل پرفیکٹ دوشیزہ اور سچی کہانیاں ڈائجسٹ میرا فیورٹ ہے۔ ام مریم کا ناول رحمٰن رحیم سدا سائیں میرا فیورٹ ناول اختتام پذیر ہوا۔ موضوع بہت ہی اچھا تھا۔ رفعت سراج ہمیشہ کی طرح عمدہ تحریر دام دم ہمارے معاشرے کی دل کو چھوتی ہوئی، اسماء اعوان، لائف بوائے کچھ نیا کر دکھائے، اچھا لگا۔ ماسک، نگہت اعظمی ہمارے معاشرے کی حقیقی مطلبی کہانی...... اہتمام رمضان سعدی سیٹھی کی تحریر اچھی کوشش تھی۔ منزہ میں 14 سال کی عمر سے ڈائجسٹ شوق سے پڑھتی ہوں ہمیشہ اس سے اصلاح ملتی ہے اب میری بیٹی 11 سال کی اور بیٹا 14 سال کا، وقت کے گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلتا کس تیزی سے گزر جاتا ہے۔ میری

ہمیشہ اپنے شوہر سے بس ایک ہی فرمائش ہوتی ہے دوشیزہ سچی کہانیاں آ گیا ہے تو لا دیں۔ احسن کے کہنے پر اور اپنے شوق سے ایک کہانی، کہانیاں تو ہمارے ارد گرد بہت ہوتی ہیں۔ لکھ کر بھیج رہی ہوں میں نے بہت محنت سے لکھی ہے پلیز ضرور دوشیزہ میں جگہ دیں۔ پہلی بار لکھ رہی ہوں نوک پلک سنوار کر پلیز دوشیزہ میں جگہ دے دیں۔ میں اپنی کہانی اپنے نک نیم زیب سے لکھ رہی ہوں۔ میرے ابو مجھے زیب کہتے تھے۔

ﷺ: پیاری سی زیب! جو تمہارے ابو تمہں کہتے تھے ہم بھی وہی کہیں گے تا کہ تمہیں اس محفل سے اپنے میکے کی خوشبو آتی رہے۔ تمہاری کہانی سچی کہانیاں والوں کے حوالے کر دی ہے وہ جلد تم سے رابطہ کریں گے...... بچوں کو میری طرف سے پیار، محفل میں اب تو آتی رہو گی نا......؟

✉: یہ کوئی اور نہیں وہ ہیں جن کا نام ہی کافی ہے خولہ عرفان، لکھتی ہیں۔ مدعو کرنے کے لیے خوبصورت کارڈ کی نہیں محبت اور خلوص سے لبریز خوبصورت لب و لہجے کی ضرورت ہوتی ہے جس سے اوپر والے نے آپ کو پوری فیاضی سے نوازا ہے۔ اسی عظیم ہستی سے آپ کے لیے نیک خواہشات اور دعاؤں کے ساتھ حاضر محفل ہوں۔ پہلے تو آداب تسلیمات' نوازش شکریہ، سارے ممنونیت کے القاب آپ کی نظر کہ زہے نصیب ہمارا افسانہ دوشیزہ کے آنچل پر لہراتا نظر آیا۔ پھر آپ کا جواب جو مہینے بھر کا فاصلہ طے کر کے ملتا ہے۔ انتظار کی کلفت دور کر کے ہمیں ہواؤں میں اڑانے لگا۔ اُس پر زمر صاحبہ کے حوصلہ مند جملوں نے تو سمجھیں ہیں آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیا وہ تو بھلا ہو اپنی ذریات کا کہ جھگڑوں کی صورت میں احساس دلایا کہ ابھی ہم روئے زمین پر ہی جلوہ افروز ہیں۔ یقین کریں زمر نے ہمیں چونکا دیا کہ کیا ہمارا خط بھی قابل توجہ اور لائق تحسین ہے اور پھر عقیلہ حق صاحبہ کے خط سے کیا برابری۔ پھر بھی ذرہ نوازی کا بہت بہت شکریہ زمر...... خیر تبصرہ کی طرف آتے ہیں سب سے پہلے نسیم آمنہ صاحبہ اور فرح کو دوشیزہ ایوارڈ بہت بہت مبارک ہو، فرح نظم کی پسندیدگی کا شکریہ لیکن تم ہر مقام آگے ہو اور آگے رہو گی یہ اس دل کی گہرائیوں سے دعا ہے۔ دوسرا فصیحہ نظم پسند کرنے کا شکریہ اور اتنا خوبصورت افسانہ تحریر کرنے پر آفرین ہے یقین کرو جملے تھے کہ لفظوں کے نشتر دل میں جا کر ایسے پیوست ہوئے کہ اذیت سے رونگٹے کھڑے ہو گئے بہت خوبصورت اندازِ تحریر کے ساتھ مقتل حقیقت میں اس زخمی اور بے بس معاشرے کی بہترین عکاسی کر کے رُلا گیا۔ بہت اچھے فصیحہ، نگہت غفار پسندیدگی پر شکریہ کہہ کر کیوں شرمندہ کرتی ہیں احسان میں نہیں آپ کرتی ہیں۔ افسانوں میں لفظوں کا جادو جگاتی ہیں اور رضوانہ شرمندہ ہوں کہ آخر میں نظر گئی آپ کے بھائی کے واصل کی خبر پر صرف اتنا کہوں گی کہ

جو تم اشکوں میں ڈھلتے ہو میں وہ دکھ لکھ نہیں سکتی
دکھی ہو تم تو اب بھی میرے ہنسنا بھول جاتے ہیں

اللہ آپ کو اس صدمے کو جھیلنے کی ہمت اور بھائی کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے آمین۔ اتنے طویل خط میں صرف محفل سے ہی فارغ ہوئی ہوں یا الٰہی ابھی تو پورا تبصرہ رہتا ہے۔ ویسے منزہ

سانحہ ارتحال

ہماری ہر دل عزیز قاری اور لکھاری ساتھی رضوانہ کوثر کی ہمشیرہ، شبانہ گزشتہ ماہ اپنے خالق حقیقی سے جاملیں۔ ادارہ دکھ کی اِن گھڑیوں میں اُن کے ساتھ ہے اور مرحومہ کے درجات کی بلندی کے لیے دعا گو ہے۔

کوئی شک نہیں آپ کی اس محفل کا مزہ ہی الگ ہے۔ اپنے کمرے میں لگتا ہے سارے مصنفین موجود ہوتے ہیں۔ لاہور، مظفر گڑھ ملتان غرض پورا پاکستان سمٹ کر شہر کراچی کے اس کمرے میں آسماتا ہے اور ذہن میں یہ شعر فی الفور آتا ہے

وہ آئے ہمارے گھر خدا کی قدرت
کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

اب آتے ہیں اصلی متن یعنی تبصرہ کی طرف، امجد صابری کو دیکھ کر اور پڑھ کر پھر دکھ کی لہر رگ وپے میں سرائیت کر گئی اللہ اُن کی مغفرت فرمائے آمین عائشہ خان کا انٹرویو اُن کی شخصیت سے میچ کرتا نہیں لگا۔ انڈین فلموں میں کام کرنے سے انکار تو ان کی طرح کا لباس پہننے سے انکار کیوں نہیں؟ اسماء اعوان اتنی تیزی سے لائف بوائے سے مسائل حل کرواتی ہیں کہ لگتا کہ وہ عمران خان کے نئے پاکستان میں اُن کے شانہ بشانہ ہوں گی مسائل حل کروانے میں......ہی ہی ہی...... اسماء پلیز غصہ نہیں تمہاری کہانیاں لاجواب ہوتی ہیں حیران ہوتی ہوں کہ ماشاء اللہ کیا زرخیز ذہن پایا ہے۔ رفعت سراج جذبات وتاثرات سے بھرپور جملوں کی بارش سے دل کو سیراب کرتی ہیں۔ کیا اندازِ بیاں ہے۔ تجسس بڑھ گیا ہے چمن اور ثمر کا سامنا کیا گل کھلاتا ہے۔ غزالہ رشید کا بند دروازے اور روحیلہ خان کا سنہری بٹوا دونوں اچھی تحریریں تھیں لیکن روحیلہ خان کی کہانی کا مفہوم واضح نہیں ہوسکا کہ رانی بھابی کا بٹوا دینے کے پیچھے کیا مقصد تھا بنت حوا کا خانہ بدوش، صائمہ راحت کا بہورانی دونوں تحریریں قابل تعریف ہیں خاص طور پر خانہ بدو بالکل نیا موضوع تھا۔ نعمان اسحق کا ایک افسانہ ہے۔ اندازِ تحریر کمال ہے۔ جذبات کی عکاسی اور لفظوں کے برمحل استعمال نے افسانے میں چار چاند لگا دیے۔ زندگی میں جو لوگ خدا بن کر اپنے اولاد کے حقوق و فرائض اپنی جھوٹی انا اور تصنع کے بھینٹ چڑھا دیتے ہیں وہ بھول جاتے ہیں کہ وہ بھی کسی کے آگے جوابدہ ہیں۔ غزالہ عزیز کا افسانہ ستی اور زمر نعیم کا ناول دونوں نے اپنے اسلوب نگارش سے اپنا گرویدہ کرلیا۔ غزالہ کا موضوع منفرد ہے تو زمر کے جملے اور جذبات نگاری کمال، بہت اچھے زمر اور ماریہ یاسر کا پیارا سا افسانہ پیارا ایک بار بہت اچھے ماریہ، ریمل آرزو کا دشتِ عطش ریگستانوں کے دکھ دلوں کو خاکستر کردیتے ہیں لیکن حکمران طبقہ ہمارے مصنفات کی اتنی خوبصورت کاوشوں سے بھی اپنے دل میں درد محسوس نہیں کرتے۔ حنا اشرف اور نسرین اختر نینا کا احساس اور منی ناول دونوں موضوع کے اعتبار سے روایتی ہیں لیکن قلم سے انصاف کرنے لگے۔ احمد سجاد بابر کا مشال اور شنو بہترین ناولٹ موضوع بھی دورِ حاضر میں موجود بڑھتی بے راہ روی سے متعلق مسائل اور

حل کی عکاسی کرتا بالکل جدا تھا اور اندازِ بیان تو احمد سجاد صاحب کا ہمیشہ بہترین ہوتا ہے۔ اپنے افسانے کے بارے میں مہر بہ لب ہوں افسانے کا ٹائٹل جس نے بھی تبدیل کیا اسے شکریہ کہیے گا لیکن پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ اپنی تحریر اور اپنی اولاد کس کو عزیز نہیں ہوتی۔ یہ دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے رب کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے اور آپ جیسے قدرداں اور حوصلہ افزائی کرنے والے مل جائیں تو یہ سب سے بڑی خوش بختی ہے۔ آپ کا اداریہ ہجوم تو رہ گیا منزہ حالانکہ سب سے پہلے میرے ذہن و دل کو جس تحریر نے متاثر کیا تھا وہ آپ کا اداریہ ہی تھا۔ حقیقت کی عکاسی کرتا ہم واقعی قوم کی جگہ ایسا ہجوم بن گئے جس میں ہر کوئی اپنے ذاتی مفادات کے ساتھ تنہا ہے۔ خط بہت طوالت اختیار کر چکا ہے اس لیے سلسلہ خط و کتابت نہ چاہتے ہوئے بھی اختتام پذیر کرتی ہوں اپنی اپنی سی منزہ سہام دوشیزہ اور اراکین دوشیزہ کے لیے ہر پل کامیابیوں کے لیے دعاگو۔

☚ : بہت ہی اچھی خولہ...... زندگی کے بیش قیمت ماہ وسال گزارنے کے بعد یہی راز تو ہاتھ آیا کہ سب فانی ہے سوائے محبت کے...... ایک دوسرے کو محبت سے یاد کرنا...... تادم آخر انسان کو دعاؤں کے حصار میں رکھتا ہے۔ کتنے سارے لوگ چلے گئے۔ جانا تو اٹل ٹھہرا لیکن اگر اس مختصر سے قیام میں ایک دوسرے سے محبت کریں تو واپسی کا سفر سہل ہو جاتا ہے اوہ بہت جذباتی باتیں ہو گئیں۔ پرچے کی پسندیدگی کا خولہ دل سے شکریہ تم سب کی توجہ اور محبت ہی نے تو اس محفل کو چار چاند لگا دیے ہیں۔

✉ : کراچی سے بہت دنوں بعد ڈاکٹر اقبال ہاشمانی تشریف لائے ہیں، لکھتے ہیں۔ جناب مدیر ماہنامہ دوشیزہ، کچھ عرصے کی غیر حاضری کے بعد 'ایک کہانی، بہت پرانی' ارسال کر رہا ہوں۔ امید ہے حسبِ سابقہ پسند آئے گی۔ کوشش رہے گی کہ ہر ماہ پابندی سے حاضر ہوتا رہوں۔

☚ : ڈاکٹر صاحب خوش آمدید! بہت دنوں بعد حاضری لگائی آپ نے آپ کے پڑھنے والے یقیناً آپ کی کمی محسوس کر رہے تھے لیکن یہ اچھی خبر ہے کہ اب آپ پابندی سے اچھی تحریر ارسال کریں گے۔

✉ : کراچی سے سکینہ فرخ کی سواری آئی ہے، لکھتی ہیں۔ امید ہے آپ بخیریت ہوں گی اور اپنے معمولات میں مشغول ہوں گی۔ دوشیزہ کا اگست کا شمارہ وقت مقررہ پر موصول ہو گیا۔ وقت کی پابندی آپ اور آپ کے ادارے کی بہترین کارکردگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اداریہ بہت جاندار تھا اور آپ کا سوال ذہنوں کو جھنجھوڑنے والا...... منزہ میں بھی اسی سوال کے جواب کے لیے برسوں سے سرگرداں ہوں۔ اور میرے خیال کے مطابق اس سوال کا کوئی ایک جواب نہیں بلکہ بہت ساری وجوہات ہیں جس نے اس قوم کو ہجوم میں تبدیل کر دیا ہے۔ بے حسی، خود غرضی، کم عملی اور کم فہمی نے لوگوں کو انفرادی طور پر شکار کرنے کے بعد ایک اجتماعی شکل اختیار کر لی ہے۔ جس کا انجام 'بے عملی' کی صورت میں سامنے آیا ہے۔ لوگ تعلیم' ہنر' سہولیات کے موجود ہونے کے باوجود عضو معطل بن کے رہ گئے ہیں اور جو لوگ تعلیم' ہنر اور سہولیات سے محروم ہیں وہ الگ فرسٹریشن کا شکار ہیں کہ کوئی بھی اب، میں، میرا فائدہ اور میرا تحفظ سے آگے کا سوچنے کو تیار نہیں۔

میں کیوں کروں اور میں کیا کروں ہمارا معاشرتی سلوگن بن چکا ہے۔ سو جب سب کی سوچ ایسی ہو جائے تو اس سے فرق نہیں پڑتا کہ کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے۔ ایمانداری کی بات ہے کہ ہمارے ہاں اچھے لوگوں کی کمی نہیں ...... ٹیلنٹ اور ذہانت کی بھی کمی نہیں۔ بس ضرورت ایک ایسے سسٹم کی ہے جو اپنے لوگوں کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھا سکے اور پاکستانی قوم کو پہچان دے سکے۔ انشاء اللہ ایک نہ ایک دن ایسا ضرور ہوگا۔ افسانوں میں ہجرت کے دکھ کا مرکزی خیال بھی ایسی تکلیف کی نشاندہی کر رہا ہے کہ پاکستان بنانے والوں نے سوچا کیا تھا اور یہ چل کس سمت میں پڑا ہے۔ دل بوجھل ہو گیا، اقبال کا شاہین مداری کا طوطا کیوں بن گیا ہے؟ مصنفہ کی اچھی کاوش تھی۔ فسانہ ہے زندگی نے تو ملتان میں گزارے ماہ و سال کی یاد دلا دی۔ پرانا ملتان' ملتان کینٹ' ملتانی سوہن حلوہ ملتانی کڑھائیاں سب کی یادیں تازہ ہو گئیں۔ افسانے کا پیغام بھی خوبصورت تھا۔ کون کب چلا جائے نہیں پتا، مگر لوگ چلے جاتے ہیں اور افسوس رہ جاتا ہے۔ باقی سب نے بھی اچھا لکھا۔ رسالے کی ترتیب' تزئین اور آرائش پر آپ اور آپ کی ٹیم قابل تعریف ہے۔ میں دوشیزہ کے لیے خوب سے خوب تر اور پھر خوب ترین ہونے کی دعا اور تمنا کرتی ہوں۔ خوش رہیے۔

: بہت ہی پیاری سکینہ! تمہارا جدید ٹیکنالوجی کا سہارا لے کر وقت پر محفل میں شرکت کرنا بہت اچھا لگا۔ ادار یہ پسند کرنے کا شکریہ۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہم لوگ بھی اس ہجوم کا حصہ ہیں بس ادراک ہونے کی دیر ہے پھر سب اچھا ہو جائے گا انشاء اللہ۔ شمارے کی پسندیدگی کا بھی شکریہ اب ایک اچھا سا ناول لکھ ہی ڈالو میں منتظر ہوں۔

: بالکل آخری لمحوں میں تشریف لائی ہیں فرح انیس، لکھتی ہے، امید ہے سب خیریت سے ہوں گے۔ اور دعا ہے رب کائنات سے کہ وہ سب پر اپنا کرم کرے، منزہ آپ کیسی ہیں؟ اگست کا شمارہ 20 تاریخ کو موصول ہوا۔ محفل میں سب کے تبصرے اچھے لگے۔ غزالہ رشید کا بند دروازے پسند آیا۔ غزالہ عزیز کا افسانہ اچھا تھا زندگی واقعی بڑی عجیب شے ہے۔ موت سے پہلے بھی آزماتی ہے اور موت کے بعد بھی امتحان لیتی ہے۔ افسانے کی آخری لائن بہت پیاری لگی۔ خولہ عرفان نے بہت اچھے موضوع پر قلم اٹھایا۔ واقعی لوگوں کے فخر کے معیار بھی بدل گئے ہیں۔ دشت عطش بھی پسند آیا۔ ماریہ یاسر کے افسانے میں مومن کا فیصلہ اچھا لگا۔ میری نظم کو جگہ دی شکریہ۔ نئی کچھ نئی آوازیں میں الوداع ایدھی صاحب، مسز نگہت غفار کی نظم بھی بہت اچھی تھی۔ شعبان کھوسہ کی محبت بھی بہت اچھی لگی۔ اپنی ایک نظم بھیج رہی ہوں۔

: اچھی فرح! تمہارا برقی نامہ مجھے محفل کا اختتام لکھے ہوئے ملا، لیکن ملا بہت خوبصورت موسم میں ہر طرف جل تھل تھی۔ ایسے میں میرا موڈ بہت اچھا ہو جاتا ہے تو تمہاری دیر بھی پیاری لگی شمارے کی پسندیدگی کا شکریہ مگر پرچہ تمہیں بہت دیر سے ملا مجھے بتایا کرو تا کہ میں اپنے طور پر دیکھ سکوں۔ خوش رہو۔

اس آخری خط کے ساتھ اب مجھے اجازت دیجیے۔

انشاء اللہ اگلے ماہ پھر ملاقات ہوگی، خوش رہیے اور خوش رکھیے۔

دعاؤں کی طالب

منزہ سہام

دانیال راحیل

ٹیلنٹ سے مالا مال، تیزی سے ابھرتا ہوا ستارہ

مونی خان

ایک اور ابھرتا ہوا ستارہ۔ غیروں سے مرعوب ہونے کے بجائے ہمیں دیکھنا چاہیے کہ اللہ نے ہمارے ملک پاکستان کو کس قدر ٹیلنٹ سے نوازا ہے۔

دانیال راحیل ایک نیا چہرہ جو ہماری ڈرامہ انڈسٹری کو نصیب ہوا۔ دانیال کا تعلق بھی شوبز فیملی سے ہے اُن کی والدہ سیمی راحیل خود بہت اچھی آرٹسٹ ہیں اور بہن یوفون فیم مہرین راحیل ہیں۔ جواب پیا گھر چلی گئیں۔
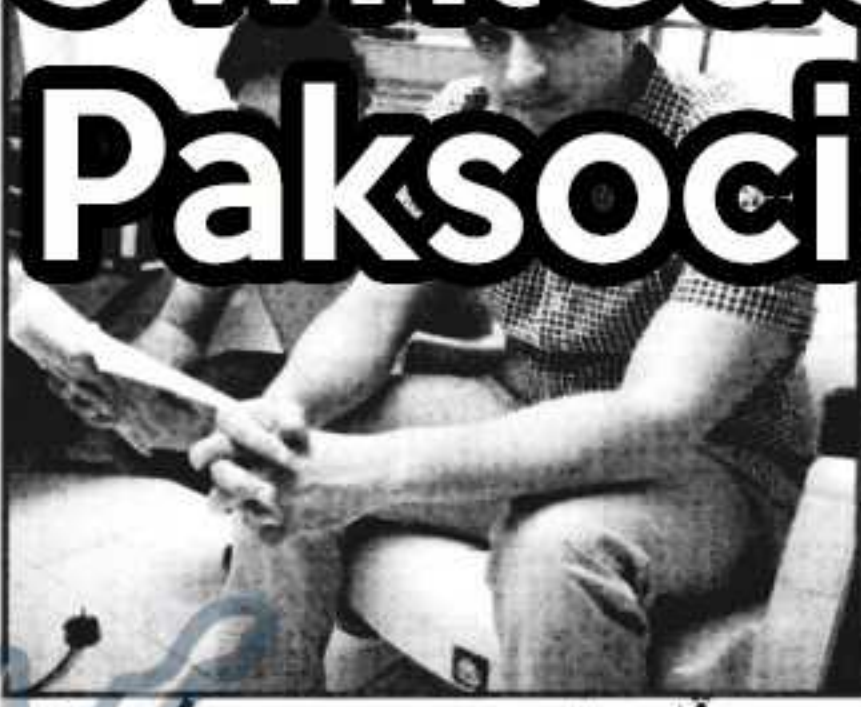
دانیال کا پہلا ڈرامہ 'سلوٹیں' تھا جس میں اُن کی نیچرل اداکاری نے دھوم مچادی۔ دانیال دو بھائی اور ایک بہن ہیں۔ اُن کی وجہ شہرت اُن بے انتہا کیوٹ چہرہ ہے۔ آج کل ہم انہیں Telenor کے اشتہار میں بھی دیکھ رہے ہیں۔

اس سے قبل ٹپال تیز دم اور اسمارٹ ٹی وی کے اشتہارات بھی کیے۔

دانیال کے ڈرامے 'دعا' کو جو جیو سے نشر ہوا بہت پذیرائی ملی اس میں دانیال کا کردار ایک بہت غصہ ور انسان کا تھا جو اپنے سے جڑے لوگوں کو سوائے دکھ کے اور کچھ نہیں دیتا۔ دانیال یہ کردار بہت خوبی سے نبھایا۔

''اب کر میری رفوگری'' ARY سے نشر ہونے والے ڈرامے میں بھی دانیال کا مین رول تھا جو انہوں نے بہت اچھی طرح نبھایا۔ امید ہے جلد انہیں نئے ڈراموں میں بھی دیکھیں گے۔

☆☆

دانیال راحیل اپنی والدہ
سیمی راحیل کے ساتھ

میشا شفیع

صلاحیتوں سے مالا مال سنگر، ماڈل اور اداکارہ

ذیشان فراز

آج آپ کی ملاقات ہم مشہور گلوکارہ میشا شفیع سے کروا رہے ہیں جن کی آواز سننے والوں کو مسحور اور جن کی شخصیت دیکھنے والوں کو مبہوت کردیتی ہے۔

س: میشا یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ آپ ہماری ورسٹائل اداکارہ صبا حمید کی صاحبزادی ہیں کیسا لگتا ہے؟

ج: جی جو لوگ نہیں جانتے کہ میں اُن کی بیٹی ہوں وہ ضرور حیران ہوتے ہیں مگر مجھے فخر ہے کہ میں اُن کی بیٹی ہوں۔

س: گانے کا شوق کیسے ہوا؟

ج: صرف گانے کا نہیں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ شوبز کی دنیا میں آمد ظاہر ہے والدہ اور دیگر رشتے داروں کی وجہ سے تھی۔ میں نے ماڈلنگ بھی کی فلموں میں بھی کام کیا باقاعدہ گانے کی شروعات شادی کے بعد ہوئی کیونکہ میرے شوہر گٹارسٹ ہیں اس لیے مجھے گانے کا موقع ملا۔

س: کچھ اپنے بارے میں بتائیں؟

ج: کچھ زیادہ بتانے والا نہیں (ہنستے ہوئے) میں 1981ء میں لاہور میں پیدا ہوئی۔ بچپن عام بچوں کی طرح شرارتوں سے بھرا ہوا تھا میرا بھائی فارس اور میں خوب

شیطانیاں کرتے تھے۔ Early Education لاہور گرامر سے ہوئی اور گریجویشن NCA سے کیا۔ پہلی میوزک البم جواد احمد کی تھی 'بن تیرے کیا ہے جینا' اُس وقت میری عمر 17 سال تھی۔ پڑھائی کے دوران ہی کمرشلز بھی کیے وار ریمپ پرواک بھی کی۔

س: سنا ہے آپ نے ہالی وڈ اور بالی وڈ فلموں میں بھی کام کیا ہے؟

ج: جی ہالی وڈ مووی بھی کی اور بالی وڈ بھی 'بھاگ میکا بھاگ' میں صحافی کا کردار ادا کیا تھا۔ 2013ء میں بلال لاشاری کی فلم 'وار' کی......اوراس فلم میں کام کرنے میں مجھے واقعی بہت مزہ آیا۔

س: بچپن میں کس کھیل میں دلچسپی تھی؟

ج: میں بڑی کھلاڑی ٹائپ لڑکی تھی مجھے تیراکی اور Diving میں بہت مزہ آتا تھا اور مجھے Diving میں گولڈ میڈل بھی ملا تھا۔

س: آپ کا گانا 'بلوری' بہت مشہور ہوا وجہ؟

ج: صرف بلوری نہیں بلکہ چوری چوری، الف اللہ بھی اور وجوہات تو بہت سی ہوتی ہیں اچھی میوزک، اچھی آواز اور سب سے ضروری خوبصورت شاعری اور یہی وجہ بھی بنی مشہور ہونے کی۔

س: آپ Lorear کی برانڈ ایمبیسیڈر بھی ہیں ہماری نوجوان نسل کی نمائندگی کرتی ہیں بہت مصروف رہتی ہیں یہ بتائیں اُن سب کے ساتھ گھر اور بچے سنبھالنا آسان ہے؟

ج: بالکل میں بہت مصروف رہتی ہوں۔ مگر میری ترجیح گھر اور بچے ہی ہیں (شوہر) محمود مجھے بہت سپورٹ کرتے ہیں ہم مل جل کر ہی بچوں کی پرورش کر رہے ہیں اور اب کیونکہ بچے بڑے ہو رہے ہیں اس لیے ذمہ داری بھی بہت بڑھ گئی ہے۔

س: اچھا یہ بتائیں کیا آپ سنگر ہی بننا چاہتی تھیں؟

ج: (مسکراتے ہوئے) سچ بتاؤں میں کبھی بھی سنگر بننا نہیں چاہتی تھی۔ میں Paleontologist بننا چاہتی تھی مجھے زمین کی تاریخ پڑھنے کا بہت

شوق تھا اور یہ بات آج پہلی دفعہ میں کسی کو بتا رہی ہوں۔

س: آپ کو کون سا سنگر پسند ہے؟

ج: میرا پہلا کر تو مائیکل جیکسن تھے اور اب The Foo Fighters بینڈ ہے۔

س: آپ کے گانے کون لکھتا ہے؟

ج: میں اکثر گانے خود ہی لکھتی ہوں۔

س: آج آپ کو لوگ جانتے ہیں سیلفیاں بنواتے ہیں کیسا لگتا ہے؟

ج: بہت اچھا لگتا ہے لیکن میں آپ کو بتا دوں مجھے 15 سال لگے ہیں اس فیلڈ مین، تب کہیں جا کر شہرت نصیب ہوئی۔

س: شادی لو ہے یا ارینج؟

ج: زبردست والی لو میرج ہم دونوں NCA میں ساتھ تھے۔ پھر ایک وقت آیا کہ حالات بہت خراب ہو گئے اور ہماری Divoce ہو گئی میں نے دوسری شادی کر لی پھر مجھے احساس ہوا کہ میں محمود کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ وہ سب میرا بچپنا تھا۔ اس لیے میں نے شادی ختم کر کے پھر محمود سے دوبارہ شادی کی اب ہمارے بچے ہیں اور ہم دونوں بہت خوش ہیں شاید اپنی غلطیوں سے سبق سیکھ لیا۔

س: کوئی ایسی خواہش جو پوری نہ ہوئی ہو؟

ج: میں ہمیشہ چاہتی تھی کہ میرا قد کچھ انچ وار لمبا ہو بس یہ خواہش پوری نہیں ہوئی۔

س: کس چیز سے خوف آتا ہے؟

ج: اپنوں کے بچھڑنے کا، مجھے بہت خوف رہتا ہے میں اس معاملے میں بہت حساس ہوں۔ ایسے میں گھبرا کر بہت کچھ لکھتی ہوں۔ اور یہ لکھنے والی صلاحیت مجھ میں نانی سے آئی ہے وہ نوائے وقت کی ایڈیٹر رہی ہیں اور انہوں نے کالمز بھی لکھے اور ناولز بھی......

س: خوبصورتی اور گلیمر کے بارے میں کیا رائے رکھتی ہیں؟

ج: دیکھیے خوبصورتی تو خوش نصیب لوگوں کو اللہ کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ ہاں کپڑے، جوتے اور میک اپ سے انسان گلیمرس بن سکتا ہے یعنی اپنے بارے میں صحیح فیصلے کرنے والے گلیمرس کہلاتے ہیں کون سا ہیئر اسٹائل سوٹ کرے گا۔ کون سا پرفیوم لگانا چاہیے یہ سب بہت اہم ہے۔

س: زندگی کی سب سے بڑی خوشی کب حاصل ہوئی؟

ج: مجھے سب سے زیادہ خوشی اپنی شادی کی تھی اور پھر ماں بننے کا تجربہ سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔

س: آپ اپنی زندگی سے مطمئن ہیں؟

ج: بالکل میری لائف آئیڈیل لائف ہے۔ میری فیملی میرے دوست رشتے دار پروفیشن سب پرفیکٹ ہے اور میں اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے مجھے یہ سب دیا۔

س: آپ کی کوئی عادت جو آپ کو پسند نہ ہو؟

ج: مجھ میں ایک بہت بری عادت ہے کہ میں معاف نہیں کرتی کیونکہ میں بھولتی نہیں ہوں اور اپنی اس عادت سے مجھے خود بہت تکلیف ہوتی ہے۔

س: کون لوگ ہیں جنہیں آپ پسند نہیں کرتیں؟

ج: مجھے Insecure لوگ اچھے نہیں لگتے کیونکہ وہ Rude ہوتے ہیں۔

س: جھوٹ بولتی ہیں؟

ج: بالکل بولتی ہوں جہاں ضرورت ہو۔

س: آپ کی کمزوری کیا ہے؟

ج: میں بے انتہا شاپنگ کرتی ہوں اور اس عادت کو کنٹرول کرنا چاہتی ہوں اب بچے ہیں ذمہ داریاں ہیں خیال کرنا چاہیے۔

س: وہ شخصیت یا شخصیات جو آپ کی آئیڈیل ہیں؟

ج: میری آئیڈیل شخصیات عمران خان' عبدالستار ایدھی اور نصرت فتح علی خان ہیں۔

س: اگر زندگی کو پھر سے جینے کا موقع ملے تو کس دور میں واپس جانا چاہیں گی؟

ج: اوہ...... ! کاش کوئی ایسا Rewind بٹن ہو میں کالج کے دنوں میں اُڑ کر پہنچنا چاہوں گی۔ بہت اچھے دن تھے ہم سب فرینڈز نے بہت مزے کیئے۔

س: آپ نے بہت Travel کیا کون سا ایسا ملک یا شہر ہے جو بہت پسند ہو؟

ج: میں نے بہت ملک دیکھے اور خواہش ہے کہ ساری دنیا دیکھوں مگر مجھے عشق ہے اپنے شہر لاہور سے اس جیسا خوبصورت شہر دنیا میں کوئی نہیں۔

س: آخر میں میشا یہ بتائیں کہ 'مور محل' میں تو آپ کا کردار بہت جاندار ہے آئندہ بھی کچھ پراجیکٹ لائن میں ہیں؟

ج: بہت شکریہ کردار پسند کرنے کا حالانکہ وہ گیٹ اپ بہت مشکل ہے جی آپ لوگ انشاء اللہ مزید میرا کام دیکھیں گے اب وہ چاہے گانے کی شکل میں ہو یا ڈرامہ......

س: میشا آپ کا بہت شکریہ آپ نے وقت دیا کچھ اپنے پڑھنے والوں سے کہنا چاہیں گی؟

ج: آپ کا شکریہ کہ آپ تشریف لائے اور میں یہی کہوں گی کہ محبت کریں اور خوش رہیں۔

خواتین وحضرات یوں یہ ملاقات تمام ہوئی مگر جتنی محنت مجھے اس انٹرویو میں کرنی پڑی اس سے پہلے کبھی نہیں کی کیونکہ سوال میں اردو میں کرتا تھا اور میشا ایک جملہ ادا کرنے کے بعد سب انگلش

میں بولتی تھیں لہٰذا یہ انٹرویو مکمل ترجمہ ہے جو میں نے کیا امید ہے کہ میری یہ محنت آپ لوگوں کو میشا کی شخصیت جاننے میں کام آئے گی۔

☆☆......☆☆

لائف بوائے انٹرنیشنل شیمپوز کو مات دلائے

اسماء اعوان

حقیقت سے جڑی وہ کہانیاں، جو اپنے اندر بہت سارے دکھ سکھ اور کامیابی کے راز پنہاں رکھتی ہیں

بینا پانچ سال بعد وطن واپس آ رہی تھی۔ شادی کے بعد وہ میاں کے ساتھ جو جدہ گئی تو بس وہیں کی ہو رہی۔ مگر جب عارش کی شادی کے ہنگامے پھوٹے تو اُسے مجبوراً آنا ہی پڑا۔ دیارِ غیر سے ہفتہ بھر کے لیے دو بچوں کے ساتھ سامان لپیٹ کر آنا کیا آسان رکھا تھا۔ زاہد کو حسبِ معمول چھٹی نہ مل سکی تھی اور اس نے شادی سے دو دن قبل ہی آنا تھا۔ اور وہ بھی شادی ہو سگے بھائی کی تو بھلا خالی ہاتھ کیا آیا جاتا ہے؟ سب کے لیے تحفے تحائف لینے میں ہی مہینہ بھر لگ گیا تھا۔ امی جان نے جدہ سے خاص طور پر چار موم کے دوپٹوں کے دو تھان بھی منگوائے تھے۔ خدا خدا کر کے جب ایک حد تک وہ شاپنگ سے مطمئن ہوئی تو کچھ سکھ کا سانس لیا۔

آج وہ جدہ سے پاکستان کے لیے روانہ ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

''جلدی کرو بھئی۔'' عارش علینا کی چٹیا کھینچتے ہوئے بولے۔

''اُف بھیا بہت تنگ کرتے ہیں آپ۔'' علینا آئینے میں اپنا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔

''چاہے کچھ کرلو رہوگی تو ویسی ہی...... سانپ سو سال بعد کینچلی بدلتا ہے اور اس حساب سے تمہیں اپنا روپ بدلنے کے لیے مزید اسی سال اور چاہیے ہیں۔ پھر جا کر کہیں بات بنے گی۔'' عارش نہایت ڈرامائی انداز میں آنکھیں گھما کر ہاتھ پھیلا کر بولے۔

''اگر بات آپی کو ریسیو کرنے کی نہ ہوتی بھیا تو میں ہرگز ہرگز آپ کے ساتھ ایئرپورٹ نہ جاتی۔'' کومل سی علینا روہانسی ہوگئی۔

''بس اگلے ماہ کی پندرہ تاریخ کو آپ سے سارے بدلے گن گن کر لوں گی۔ دیکھوں گی بھابی کے سامنے کیسے جی جی میں تیرا غلام بن کر کھڑے ہوتے ہیں۔''

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

''کیا کہہ رہی ہو علینا! تم نے اپنا بھیا کو کیا سمجھا ہے ایں؟ ارے ہمارا نام عارش خان ہے جناب اور ہمارے سامنے بڑے بڑے شیر بھی ڈھیر ہو جاتے ہیں اور تم بات کر رہی ہو کس کی، سارہ کی؟ اُسے تو میں یوں قابو کرلوں گا یوں۔'' بھیا چٹکی بجاتے ہوئے بولے۔

''چلو چلو......!'' امی کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولیں۔

''کچھ تو خیال کرو بینا کے سُسرال والے سب ایئرپورٹ پہنچ گئے ہوں گے اور تم دونوں کو خانہ جنگی سے فرصت ہی نہیں ہے۔ عجیب بچے ہیں بھئی۔ صاحبزادے خیر سے اگلے ماہ گھر بسانے والے ہیں۔ مگر چھوٹی بہن سے یوں جھگڑتے ہیں جیسے اوپر تلے کے بچے اور چھوٹی بہن سے تو کوئی پوچھے ایم اے کی طالبہ ہیں۔ لیکن کوئی احساسِ ذمہ داری، کوئی ڈھنگ کی بات ہے ہی نہیں۔'' امی بڑبڑائیں۔

☆......☆......☆

ایئرپورٹ پر بینا کی سسرال، عارش کی ہونے والی سسرال، کچھ عزیز رشتے دار پہلے ہی موجود تھے۔ ایک دو عزیزوں کی کاریں آگے پیچھے آکر رُکیں۔

''بس پانچ منٹ تک جہاز لینڈ کر جائے گا۔'' بینا کے سسر محمد فہیم صاحب بولے۔

''ہاں لیکن سامان وغیرہ کلیئر کروانے میں گھنٹہ ایک تو لگ جائے گا۔'' ابو نے اظہارِ خیال کیا۔

''چھوٹے چھوٹے بچے بھی تو ہیں ساتھ۔'' امی بولیں۔

''گھبرا گئے ہوں گے بے چارے اتنے لمبے سفر سے۔''

ادھر نوجوان ٹولہ سب سے بے نیاز خوش گپیوں میں مگن تھا۔

''نہیں دیکھیے پورا خاندان ہی ہماری بہنا کے سواگت کے لیے آچکا ہے۔'' عارش اپنی ہونے والی سالی عمارہ کے سر پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے بولے۔

''آپ کو کوئی اعتراض ہے تو ہم چلے جاتے ہیں جیجا جی۔'' عمارہ شرارت سے بولی۔

''جائیں شوق سے جائیں۔'' عارش منہ آسمان کی طرف اُٹھا کر گنگنانے لگے۔

''توبہ ہے عارش بھائی۔ آپ سے کوئی جیت نہیں سکتا۔'' عمارہ ہار مانتے ہوئے بولی۔

''ارے عمارہ پریشان کیوں ہوتی ہو۔ دیکھنا اگلے ماہ کی پندرہ تاریخ کو بھیا کی کیسی کیسی خاطریں......''

''بھائی سے غداری۔'' عارش علینا کی بات کاٹتے ہوئے بولے۔

''بہت بری بات ہے۔ چچ چچ...... بھئی بہت افسوس ہے یعنی آج کل کی لڑکیاں اسکول کالج جا کر یہ تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ سن رہے ہیں علیم صاحب۔'' عارش نے بینا کے دیور کو ٹہوکا مارتے ہوئے کہا جو بہت سنجیدگی سے ایک طرف کھڑے رن وے پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔

''جی جی ہاں...... بالکل سن رہا ہوں۔'' علیم ہڑبڑا کر اپنی عینک جمانے لگے۔

''وہ دیکھو بینا آگئیں۔''

علینا کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔ تقریباً بھاگتی ہوئی وہ بینا کے گلے سے جھول گئی۔ بینا باری باری ہر ایک سے گلے مل رہی تھی۔ امی تو بار بار رومال کے کونے سے آنکھیں خشک کر رہی تھیں۔ پانچ سال بعد اُن کی بیٹی پردیس سے لوٹی تھی۔ اُن کی دبلی پتلی بینا کا جسم دو بچوں کی پیدائش سے بھر گیا تھا۔ اُس کا چہرہ۔ لبوں پر مچلتی ہنسی اُس کی

خوشگوار ازدواجی زندگی کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ علینا نے بینا کے پیچھے چھپے گول مٹول سے تین سالہ عاشر کو اُٹھا کر بے تحاشا چومنا شروع کر دیا۔ عاشر پیار کی اس اچانک بوچھاڑ سے گھبرا کر رونے لگا۔ عاشر کیا رویا کاٹ میں لیٹی دس ماہ کی عرشیہ بیگم بھی گلا پھاڑنے لگیں۔ اور اُن کی دیکھا دیکھی ارد گرد کے بھی دو تین عدد بچے بسورنے لگے۔ امی عرشیہ کو گود میں لے کر پچکارنے لگیں اور علینا عاشر کو بہلانے لگی۔

سامان کاروں میں بھر کر یہ سارا قافلہ بینا کے میکے کی جانب رواں دواں ہو گیا۔ رات کا کھانا امی کی طرف تھا۔ بھیا کی شادی تک بینا کا ارادہ امی ابو کے پاس رہنے کا تھا۔

☆......☆......☆

''زاہد شادی سے دو تین روز پہلے ہی آسکیں گے، بہت مصروف ہیں۔ زیادہ چھٹی مل ہی نہیں سکتی۔'' بینا اپنے سُسر کو بتا رہی تھی۔

''زاہد کی صحت تو ٹھیک ہے نا بیٹا...... بالکل خیال نہیں رکھتا اپنا۔'' بینا کی ساس بولیں۔

''اب تم یہاں ہو تو کھانے پکانے کا کیا بندوبست کرے گا؟''

''جی...... وہ میں کافی ساری چیزیں بنا کر فریزر میں رکھ آئی ہوں۔ ویسے بھی آنٹی آپ تو زاہد کی عادت سے واقف ہیں۔ کھانے کے تو بالکل شوقین نہیں، بس کتابیں جتنی مرضی ہو پڑھوا لو۔''

''آنٹی! آپ کباب تو لیجیے۔'' علینا نے پلیٹ بینا کی ساس کی طرف سرکائی۔

''بس بیٹا! بہت کھا لیا۔ آج تو اوور ایٹنگ ہو گئی۔''

کھانے کے بعد قہوے کا دور چلا۔ عرشیہ تو نانی کی گود میں سو گئی۔ عاشر چڑچڑا ہو رہا تھا۔ کہاں گھر میں صرف ماما، بابا اور ایک چھوٹی بہنا اور کہاں بھانت بھانت کے رشتے دار جو اُسے اپنی ماما کے پاس ہی نہیں جانے دے رہے تھے۔ اور ماما بھی تو بالکل لفٹ نہیں کرا رہی تھیں۔ سوٹ کیس کھول کر قالین پر دھرنا مارے بینا سب کے لیے تحفے نکال رہی تھی۔ امی نے جو چار موم کے دوپٹوں کا تھان منگوایا تھا اُس کی کوالٹی کی تمام خواتین تعریف کر رہی تھیں۔

''بھابی! آپ کے صاحبزادے تو سو گئے۔'' علیم نے اپنی گود میں سوئے ہوئے عاشر کی طرف بینا کی توجہ دلائی۔

''علینا بہنا پلیز ذرا عاشر کے کپڑے بدل کر اسے لٹا آؤ۔'' بینا نے سوٹ کیس اُلٹ پلٹ کرتے ہوئے آواز لگائی۔

''لائیے علیم بھائی......'' علیم نے عاشر پر جھکتے ہوئے کہا۔

''ایسے تو یہ جاگ جائے گا۔ میں اسے کمرے میں لٹا دیتا ہوں۔ پھر آپ اس کے کپڑے بدل دیں۔''

''چلیں......''

''اُفوہ باجی، تو لگتا ہے سارہ جدہ اٹھا لائی ہیں۔'' علینا سوٹ کیس اٹھاتے ہوئے بڑبڑائی۔

''لائیں میں اُٹھا دوں۔'' علیم عاشر کو پلنگ پر لٹاتے ہوئے بولے۔

''نہیں بس رہنے دیں۔'' علینا عاشر کا شب خوابی کا لباس ڈھونڈنے لگی۔

''علینا......''

''جی!''

''علینا......''

''کیا ہے علیم بھائی؟'' علینا جھنجلا گئی۔

''کچھ نہیں۔'' علیم گھبرا کر اپنی عینک جمانے لگے۔ علینا کو ہنسی آگئی۔ سنجیدہ سے علیم ہمیشہ علینا

سے بات کرتے ہوئے گھبرا جاتے تھے۔

''آپ کچھ کہہ رہے تھے۔'' علینا انہیں دیدہ دلیری سے گھورتی ہوئی بولی۔

''ہاں...... وہ پھر کبھی سہی۔'' علیم کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ دروازہ کھول کر باہر جانے لگے۔

''اس طرح ڈرتے جھجکتے رہے تو زندگی میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔'' علینا نے نعرہ لگایا۔

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔'' علیم نے باہر نکل کر دھڑ سے دروازہ بند کر دیا۔

ایک علیم ہی کیا علینا اور عارش کے سامنے بڑے بڑے طرم خان بھی بھیگی بلی بنے نظر آتے تھے۔ دوسروں کو چھیڑ کر، اُلو بنا کر دونوں بہت لطف اندوز ہوتے تھے۔ امی کو علینا کی اس قدر بے باکی بالکل نہیں بھاتی تھی۔

''ارے علینا! تمہاری زبان تو قینچی کی طرح چلتی ہے۔ ذرا اِسے لگام دے کر رکھو بہت نقصان اٹھاؤ گی ورنہ۔''

''نقصان کیسا امی۔ جس کو سننا ہے سنے۔ نہیں سننا تو نہ سنے۔ کوئی زبردستی تھوڑا ہی ہے۔''

''تمہارے بولنے کی یہی رفتار رہی تو ایک دن بھی سسرال میں گزارہ نہیں ہوگا۔''

''جب مجھے شادی ہی نہیں کرنی تو سسرال کی کیا فکر۔''

''ہاں تم ہمارے ہی سینے پر ساری زندگی مونگ دلتی رہنا۔'' امی منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی رہیں۔

''باپ کے لاڈ پیار نے بالکل ہی بگاڑ کے رکھ دیا ہے۔''

☆......☆......☆

اس شام عارش کی مہندی سارہ کے گھر لے جانی تھی۔

''آپ نہیں جائیں گے بھیا۔''

''کیوں نہیں جاؤں گا بھئی۔''

''کچھ تو شرم کیجیے۔''

''شرم کیسی۔ آج ہی تو پیاری پیاری تتلیاں ہمارے اردگرد منڈلائیں گی۔ پھر تو سارہ بیگم دور سے ہی سبز جھنڈی دکھایا کریں گی۔''

''اللہ بھیا آپ تو بس۔''

''اللہ میاں تو سنا تھا۔ یہ اللہ بھیا کیا ہوا۔ ذرا تفصیل سے بتاؤ۔'' عارش نے انتہائی متفکرانہ انداز سے علینا سے سوال کیا۔

''بھیا......!'' علینا دونوں ہاتھوں کے مکے بناتی ہوئی عارش کے پیچھے دوڑی جو ہنستے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔

سفید کڑھا ہوا ملتانی کُرتا، کلف لگی لٹھے کی شلوار، تلے دار کھسے، عارش کا نکلتا ہوا قد چوڑا سینہ، گھنی سیاہ مونچھیں، اماں تو ہر نظر پر صدقے واری ہو رہی تھیں۔

بینا اور علینا خوشی سے نہال ہو رہی تھیں۔ زاہد جو صبح کی فلائٹ سے پہنچے تھے مسلسل عاشر کو گود میں اٹھائے اٹھائے پھر رہے تھے۔

''یار زاہد! آپا گیری ختم کرو اور کچھ تصاویر غریب دولہا کی بھی اُتار لو۔'' عارش زاہد کی ٹانگ کھینچتے ہوئے بولے۔

''بول لے میری بلبل، بس یہی دو دن کی چاندنی ہے پھر سمجھیں گے آپ کو۔'' زاہد کچھ جھینپتے ہوئے بولے۔

''لائیے زاہد بھائی عاشر کو مجھے دے دیجیے۔'' علینا بہنوئی کی مدد کو پہنچی۔

''ہاں بھئی ہاں! کدھر ہے ہماری دلہن۔ پہلے تو ہماری ایک سیلفی ہو جائے۔'' زاہد نے عاشر کو علینا کے حوالے کر دیا اور بینا کی تلاش شروع کر دی۔ وہ ڈریسنگ روم میں پہنچا تو دیکھا ہنوز بیگم صاحبہ گولڈن غرارہ پہنے بالوں کا اسٹائل

بنانے میں مگن تھیں۔ دیر اتنی زیادہ ہوگئی تھی۔ میاں صاحب کی آمد اور ایئرپورٹ کے چکر میں کہ پارلر جانے کا وقت ہی نہ مل سکا تھا اور اب نتیجہ یہ تھا کہ بال بن کر ہی نہ دے رہے تھے۔

''اوہ جان! تم ویٹ کرو میں علینا کو بھیجتا ہوں۔ وہ شاید تمہاری ہیلپ کردے۔''

''اِس وقت کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔ آپ جلدی سے کسی کو بھیج کر بال پنوں کا پتا منگوادیں۔ میں دوپٹہ سر پر جمالیتی ہوں۔'' بینا نے اُلجھ کر کہا۔

''خبردار بیگم جو آپ نے اپنے یہ خوبصورت بال چھپائے۔'' زاہد نے مسکراتے ہوئے کہا اور سالی کو بلانے باہر چلا گیا۔

''اوہ سوری آپی! میں بھی آپ کو بھول ہی گئی اس مہندی کے چکر میں۔ میری پیاری آپی اس شان سے لڑکی والوں کے گھر جائیں گی کہ سب آپ کو دیکھتے ہی رہ جائیں گے۔'' علینا یقین سے بولی تھی۔

''ارے تم اتنی شیور کیسے ہو؟ اتنی جلدی بھلا کون جادو دکھا سکتا ہے۔ میں اپنا جدہ سے لایا شیمپو یُوز کرچکی ہوں لڑکی!'' بینا اُسی پریشانی سے بولی۔

''ٹنگ ٹنگ۔'' علینا شرارت سے ایک شیمپو لے کر آئی اور چھپاتے ہوئے کھلکھلائی۔

''کیا ہے یہ؟'' بینا چلائی۔

''یہ ہے ہمارا شیمپو!'' علینا نے لائف بوائے شیمپو کی بوتل اس کے آگے کردی۔

''تمہیں یقین ہے کہ یہ منٹوں میں میرے بالوں کی مشکل حل کردے گا۔''

''ہنڈرڈ نہیں تو ہنڈرڈ پرسنٹ ...... آئی ایم شیور ...... اِٹ از پرفیکٹ چوائس فور ایوری کائنڈ ز ہیئر ز ...... بلیو می سوئٹ آپی!'' علینا نے بہن کو شیمپو دیتے ہوئے اعتماد سے کہا۔ بینا شیمپو لے کر بال واش کرنے چلی گئی۔

☆......☆......☆

''پلیز لائف بوائے شیمپو ...... آج تمہارا مقابلہ ایک انٹرنیشنل شیمپو سے ہے۔ میرا یقین میرا بھروسہ نہ توڑنا۔'' علینا نے بچوں کی طرح ہاتھ اٹھائے دل ہی دل میں دعا کی۔

بینا بال واش کر کے ڈرائر سے خشک کر رہی تھی اور لائف بوائے شیمپو کی معطر مہک نے اُسے اندر تک تازگی بخش دی تھی۔ اور بینا کی حیرت کی انتہا نہ رہی، منٹوں میں اُس کا من چاہا ہیئر اسٹائل اُس کے حسن کو دوآتشہ بنا رہا تھا۔

''علینا ......! کمال کردیا تمہارے لائف بوائے شیمپو نے۔'' بینا جوش سے بولی تھی۔

''تھینک یو علینا۔'' بینا نے محبت سے بہن کا ماتھا چوما۔

''اوہوں ...... آپی تھینکس میرا نہیں ...... میرے لائف بوائے شیمپو کا ادا کیجیے۔''

''لائف بوائے شیمپو، انٹرنیشنل شیمپوز کو مات دلائے۔''

کچھ دیر بعد سنہری ٹشو کے غرارے میں ملبوس چمکتی دمکتی بینا ہنستی ہوئی خوبرو زاہد کے پہلو میں آکھڑی ہوئی۔ اپنائیت سے زاہد نے بینا کے شانے اپنے بازو کے حصار میں لے لیے۔ کلک ...... کلک بہت سارے موبائلز نے محبت کے ان جیتے جاگتے لمحوں کو اپنی قید میں لے لیا اور ایک سیلفی علینا نے بھی لی تھی۔

''خدایا! میرے چمن میں بہاریں ہمیشہ رقصاں رہیں۔'' امی کے دل سے دعا نکلی تھی۔

اور بینا کی اِس خوشی میں آج لائف بوائے شیمپو نے زندگی بھر دی تھی۔

☆......☆......☆

ناول
رفعت سراج

دامِ دل

قسط 20

معاشرے کے بطن سے نکلی وہ حقیقتیں، جو دھڑکنیں
بے ترتیب کردیں گی، رفعت سراج کے جادوگر قلم سے

ثمر کو ایک لمحے کے لیے سمجھ ہی نہ آئی کہ وہ کیا کرے۔ آگے بڑھے۔
''قدم لے، رخ پھیر لے...... یا سر جھکا کر خود کو غم سے نڈھال ظاہر کرے۔'' وہ کشمکش میں رہا اور اتنی دیر میں افشاں اور چمن قریب آ گئیں۔

ثمر کی بے بسی آخری ہچکی لینے والے انسان کی سی تھی۔ نہ دیکھا نہ لب کشائی کی۔ نظر کا زاویہ ایسا بنا لیا کہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی کچھ نہیں دیکھ رہا تھا۔

چمن نے بحران کے نازک ترین لمحے میں بھی ثمر کو برف برف پایا تو خود ہی سلام کر لیا۔ آواز نہایت دھیمی تھی۔

''السلام علیکم!'' ثمر نے سر کو جنبش دینے کا تکلف تو کر لیا مگر کھڑے کھڑے جیسے الٹی چھری سے ذبح ہونے لگا۔

''بھائی جان...... آپ کی ملاقات ہوئی امی جان سے......؟ ہوش میں ہیں ناں...... کوئی بات کی آپ سے......؟'' افشاں نے پے در پے سوالات کر ڈالے۔

''ہوں...... مگر ڈاکٹر اُن کو زیادہ بولنے سے منع کر رہے ہیں۔'' ثمر نے جواب دینے کی مہلت میں پورا رخ ہی موڑ لیا۔

''بھابی کو اندر بھیج دیتے ہیں...... ہوسکتا ہے بھابی کو دیکھتے ہی اُن کی حالت سنبھلنے لگے۔'' یہ کہہ کر خاموش کھڑی چمن کو دیکھا۔

''آپ کو بہت یاد کر رہی ہیں...... ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ آپ سے اتنی محبت کرتی ہیں۔'' وہ چمن کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہہ رہی تھی۔

''محبت......''

پھر محبت درمیان میں کود پڑی۔ گویا دروازے کی اوٹ میں چھپا ہوا شرارتی بچہ اچانک چھلانگ مارتا اوٹ سے نکل آئے اور 'باؤ' کہہ کر ڈرا دے۔

لفظ محبت سن کر وہ واقعی ڈر گیا۔ لفظ محبت استعمال کرنے کا تو کوئی محل ہی نہیں تھا۔

چمن نے ثمر کی طرف دیکھنے کے بجائے افشاں کی طرف دیکھا۔ لفظ محبت افشاں کے منہ سے سن کر اُسے یوں محسوس ہوا اُس نے کسی زخم میں نمک نہیں مرچیں بھر دی ہوں۔

محبت نے اس حال کو پہنچا دیا تھا کہ شناسائی کی انتہا پر اجنبیت کے کٹھن مرحلے تھے۔ یوں جیسے بازار کی بھیڑ میں اجنبی چہرے ایک دوسرے کو تکتے ہوں۔

''وہ...... امی جان کا روم کس طرف ہے؟'' اس نے بمشکل حلق سے آواز نکالی گویا حلق میں نیزے کی اَنی گڑی ہوئی ہو۔

ثمر نے سوال کرنے والے کے بجائے افشاں کی طرف دیکھا۔ قربتوں کے بوجھ اٹھانے کے بعد پلکوں کے بوجھ اٹھانا پہاڑ انگلی پر اٹھانے جیسا تھا۔

''ابھی ڈاکٹر منع کر رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد شاید Allow کر دیں تب تک لاؤنج میں بیٹھتے ہیں۔'' افشاں نے چمن کا ہاتھ تھام کر کہا اور ایک نظر ثمر پر ڈال کر چمن کو جیسے کھینچتی ہوئی لاؤنج کی طرف بڑھ گئی۔

ثمر اپنی جگہ پر سنگ میل کی طرح گڑا تھا۔

''امی جان نے بلایا...... اور یہ ابھی گئی...... لیکن اِسے واپس جانا ہوگا۔'' وہ اندر سے بری طرح خوف زدہ ہو کر سوچ رہا تھا۔

''کاش وہ اُسے طلاق کے پیپر بھیج دیتا...... تو یہ نئی آزمائش کبھی نہ آتی۔''

''آخر اس نے اِس معاملے کو کیوں ٹالا...... یہ تو ضروری کاموں میں سب سے زیادہ ضروری کام تھا۔''

شاید انتقام کی شدت کا تقاضہ تھا...... کہ وہ اس کی بیوی ہوتے ہوئے اس کے ساتھ دوسری عورت دیکھے...... جلے، کڑھے، تڑپے خلع کے لیے عدالت کے دھکے کھائے۔

اور وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہے۔ ''میں نے کچھ نہیں کیا۔ تم اپنے کیے کی سزا بھگت رہی ہو۔''

''میری زندگی میں دوسری عورت کیوں آئی؟ صرف اور صرف تمہاری وجہ سے...... گھر کا یہ نقشہ کیوں ہوا؟ تمہاری وجہ سے......'' افشاں چمن کا ہاتھ پکڑے موڑ پر غائب ہو چکی تھی۔ لیکن وہ وہیں کھڑا کھڑا بھڑکتے شعلوں کو ہاتھ سے اِدھر اُدھر ہٹانے کے جتن کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

''عطیہ بیگم...... ہوسکتا ہے یہ حادثہ ٹوٹتے ہوئے گھر کو بچانے کے لیے برپا ہوا ہو...... سب کے لیے اُس میں نصیحت و عبرت چھپی ہوئی ہو...... پیچھے پلٹ پلٹ کر دیکھنا تو ایسا ہی ہے جیسے کمان سے نکلے تیر کو پکڑنے کی کوشش کرنا۔''

''اللہ نے دو آنکھیں سر کے پیچھے نہیں آگے لگائی ہیں۔ تاکہ انسان آگے کی طرف دیکھے۔'' مشکور احمد ملول سی عطیہ بیگم میں مثبت جذبہ بیدار کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''آپ جو مرضی کہیں مجھے ان لوگوں پر اب اعتبار نہیں......'' عطیہ بیگم نے صاف صاف کہہ دیا۔

''میں نے ان لوگوں کے بے لباس رویے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ یوں سمجھیں آپ نے میری بیٹی کو مزید بے عزت کرانے کے لیے جانے کی اجازت دے دی۔'' عطیہ بیگم کے حافظے میں بانو آپا کی رعونت بھری آنکھیں منحوس کی طرح گڑی تھیں۔

''ہدایت اللہ کی طرف سے ملتی ہے عطیہ بیگم...... رویوں سے نہیں ورنہ سارے کفار مکہ ایک ساتھ ایمان لے آتے۔ اُن کی آنکھوں کے سامنے تو خلق عظیم تھا۔''

''بانو آپا تو الحمد للہ کلمہ گو مسلمان ہیں...... کیا خبر اداشاں کو اُن کی کون سی ادا بھا گئی ہو۔ اچھا سوچنے میں جیب سے کچھ جاتا ہے؟'' انہوں نے نرمی سے عطیہ بیگم کا شانہ چھو کر کہا۔

''سانپ کا ڈسا رسی سے بھی ڈرتا ہے مشکور صاحب...... ورنہ کون ماں ہوگی جو اپنی بیٹی کا گھر بسا دیکھنا نہ چاہتی ہو۔ خدانخواستہ بیٹی ایک بار اجڑ کر دوسرے گھر بس بھی جائے تو بھی یادداشت سے پچھلے دکھ نہیں جاتے...... موت تک دھڑکے ہی لگے رہتے ہیں پتہ گرنے کی بھی آواز سنائی دیتی ہے۔ ٹھیک ہے وہ چلی گئی۔ اللہ بیمار کو صحت دے...... مگر آپ اُسے اِس گھر میں بسنے پر مجبور نہیں کریں گے۔ اب کوئی نئی چوٹ کھانے کی ہمت نہ اُس میں ہے نہ مجھ میں......'' عطیہ بیگم مشکور احمد کے دلائل سے خائف ہو کر فوراً اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

''احکامات صادر کرنے کی تو مجھے عادت ہی نہیں...... یہ تو آپ کو اچھی طرح علم ہے۔'' مشکور احمد نے سادگی سے کہا۔

''لیکن یہ جو آپ کا سمجھانا ہے...... ناں...... اس میں کسی مطلق العنان بادشاہ کے حکم سے زیادہ طاقت

ہوتی ہے۔ اور مجھے اسی سے ڈر لگتا ہے۔'' عطیہ بیگم نے بڑی معصومانہ صاف گوئی سے کہہ دیا۔ مشکور احمد بے ساختہ مسکرا دیے۔

''اُسے دلیل کہتے ہیں عطیہ بیگم...... یعنی قائل کرو یا قائل ہو جاؤ جو دل پر چلتے ہیں...... دلیل سے اُن کا کچھ نہیں بگڑتا...... اب تو جیسے وہ ہیں، ہم بھی ویسے ہی ہیں۔''

''آپ بھی یہ دلیلوں کی دکان بڑھا دیں......'' یہ کہہ کر وہ رُکی نہیں فوراً منظر سے ہٹ گئیں۔

''عورت کو سمجھانا اتنا آسان ہوتا تو اُس کی گواہی آدھی کیوں ہوتی؟'' مشکور احمد کی دلیل اب اُن کے اپنے لیے تھی۔

☆......☆......☆

چمن کھڑی ہوئی تھی اس کے ہاتھ میں بانو آپا کا ہاتھ تھا۔ بانو آپا کی آنکھوں کے کنارے سے آنسو بہہ کر تکیے میں جذب ہو رہے تھے۔ ہونٹوں میں لرزش تھی، ثمر اور افشاں چمن کے دائیں بائیں کھڑے تھے۔

چمن کو یوں لگا جیسے بانو آپا کچھ کہہ رہی ہیں۔ وہ قدرے جھک گئی۔

بانو آپا کی کمزور، پست آواز ابھری۔

''مم...... مم...... مجھے معاف کر دینا......'' چمن کا سارا وجود تھرا گیا۔

ثمر کو یوں لگا اُس کی ہستی نے کشتی کی طرح بھنور میں اچھالا لیا ہو۔ بے اختیار افشاں کی طرف دیکھا تھا جو مبہوت سی ماں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

چمن نے انگلیوں کی پوروں سے بانو آپا کے آنسو صاف کیے۔ مگر اُس کی اپنی آنکھیں چھلک پڑیں۔

''مجھے شرمندہ نہ کریں امی جان...... آپ بڑی ہیں۔ اس وقت بہت تکلیف میں ہیں۔ میں آپ کے لیے دعا کر رہی ہوں کہ آپ جلدی سے بالکل ٹھیک ہو جائیں۔'' اُس کی آواز پر آنسوؤں کا تاثر غالب تھا۔

''میں...... میں نے...... تمہارے ساتھ کچھ اچھا نہیں کیا۔'' وہ اس مرتبہ خاصی سنبھلی ہوئی حالت میں مگر اسی طرح بہت پست آواز میں کہہ رہی تھیں۔

ثمر کے تو کھڑے کھڑے دونوں جہاں لٹنے لگے۔ مہمان کے مستقل قیام کے آثار روشن ہونے لگے۔

''نہیں نہیں...... بس بات ختم...... یہ...... ایک اجنبی عورت ہے۔ اس کے ہاتھ کیچڑ میں لت پت ہیں۔ میں اسے نہیں جانتا۔''

''اس وقت سب کچھ بھلا دیں...... بس یہ یاد رکھیں آپ نے جلد سے جلد صحت یاب ہو کر گھر جانا ہے۔'' اس نے انسانیت کے شرف کو سنبھالا۔

''گھ...... گھر...... نہیں...... نہیں......'' اُن کی آنکھوں میں خوف کے تاثرات نمایاں ہوئے۔

''وہ گھر...... مجھے...... کھا جائے...... گا...... مم...... میری قبر بن جائے گا۔'' یہ کہہ کر وہ گہری گہری سانسیں لینے لگیں۔

''امی جان ڈاکٹر نے آپ کے لیے سختی سے ایڈوائز دی ہے کہ آپ زیادہ بات نہیں کریں گی۔ پلیز......'' ثمر نے تلپٹ ہوتے اعصاب کو بمشکل سنبھالتے ہوئے کہا تھا۔

''جی امی جان...... بس اب خاموش رہیں...... بھابی اِدھر ہی ہیں۔ آپ کی طبیعت تھوڑی سنبھلے گی تو

آپ بھابی سے بہت ساری باتیں کیجیے گا۔'' افشاں نے بھی منت سماجت کے انداز میں جلدی سے کہا۔

''مجھے امید نہیں کہ میں زیادہ دن زندہ رہوں گی۔'' بانو آپا کا ہر شکستہ جملہ طوفانِ بلاخیز تھا۔

''امی جان...... بیماری میں بندہ اسی طرح ڈپریسڈ ہو جاتا ہے، آپ تسلی رکھیں......'' ثمر چمن کے پہلو میں کھڑا تسلیوں کی آڑ میں پورا زور لگا رہا تھا کہ آنے والے آئے تو ہیں مگر اب جائیں تو پلٹ کر نہ آئیں باور کرانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اب ایسی بھی کوئی بات نہیں کہ لوگ اس پر مسلسل ہمدردی کے احسان فرمائیں۔

''ایکسکیوزمی...... پلیز...... آپ لوگ باہر تشریف رکھیں۔'' نرس کی مداخلت نے گویا سیلابی پانی پر بندھ باندھا۔

آنے والے متوقع فقروں سے وقتی طور پر نجات کی راہ ملی...... ثمر نے جھک کر ماں کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔

''امی...... ہم یہیں ہیں۔ آپ گھبرائیں نہیں۔'' چمن نے بانو آپا کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔ وجود کا سارا زور اُن کے ہاتھ میں اتر آیا تھا۔

چمن نے بمشکل ہاتھ چھڑایا۔ بانو آپا بے بسی کی کیفیت میں تینوں کو دیکھ رہی تھیں جیسے کہہ رہی ہوں کہ خدا کے لیے نہ جاؤ۔

نرس بیڈ کے قریب آ کر پروفیشنل انداز میں اُن کی ہارٹ بیٹنگ اور B.P چیک کرنے لگی۔

ثمر سب سے آگے تھا۔ جیسے اُس کے پیچھے بھوت لگے ہوں۔ پلٹ کر دیکھنا محال ہو۔ چمن اور افشاں کی چال یکساں تھی۔

''مجھے پورا یقین ہے اب امی جان بہت جلدی ٹھیک ہو جائیں گی۔'' افشاں روم سے باہر آتے ہی چمن سے مخاطب ہوئی۔

چمن کی نظریں ثمر پر تھیں...... وہ برق رفتار چلتا ہوا کاریڈور کے موڑ پر غائب ہو گیا۔

سانسوں کی سُر تال سے آگاہ قربتوں کے رشتے جب شکست و ریخت کے عمل سے گزر رہے ہوں تو اُن کا بے سُرا ہونا اتنا ہی واضح ہوتا ہے جتنا کہ کبھی سُریلا پن آشکار ہوتا تھا۔

چمن امیدیں باندھ کر ساتھ نہیں لائی تھی۔ اُسے طوعاً کرہاً آنا پڑا تھا۔ کوئی منہ پھیر کر چلا گیا تو اُسے ملال کے بجائے قدرت طمانیت کا احساس ہوا۔ معمولی سا التفات بھی اب ناقابلِ برداشت تھا۔

☆......☆......☆

ڈاکٹر علی عثمان ہاسپٹل کے لیے گھر سے روانہ ہو رہے تھے کہ کیرولین نے آ کر کہا۔

''ٹینا ضد کر رہی ہے آپ کو بلا رہی ہے۔'' وہ اب ٹینا کی بات سنے بغیر گھر نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ پورچ سے پلٹ کر ٹینا کے پاس آئے۔

ٹینا کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو ٹپک رہے تھے۔ ڈاکٹر علی آنسو دیکھ کر اپنے سارے کام ہی بھول گئے۔

''کیا ہوا ٹینا......؟'' انہوں نے وہیل چیئر پر بیٹھی ٹینا کا سر بے ساختہ اپنے سینے سے لگا کر پوچھا۔

''بھائی جان...... میں نے فخری کو فون کیا تھا تو وہ کہنے لگی میری ماما روز روز جانے سے منع کرتی ہیں۔''

''میں نے ڈوڈو کو فون کیا تو وہ کہنے لگی میرے پاپا کہتے ہیں ایب نارمل بچوں سے فرینڈ شپ نہیں بنانا چاہیے۔''

''بھائی جان...... میں ایب نارمل ہوں؟ میں چل نہیں سکتی باقی تو سب لوگوں جیسی ہوں......''

''میں Animal یا Bird تو نہیں ہوں...... سب جیسی ہوں ناں؟'' وہ معصوم اور ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

ڈاکٹر علی...... چند ثانیے کے لیے گورکھ دھندوں سے دور جا پڑے۔ جی چاہا ہر شے بھلا کر بس بیٹھے بہن کی دل جوئی کرتے رہیں۔

''ٹینا فرینڈز جوک بھی کرتے ہیں۔''

''اور ہاں...... فرینڈز ہی تو جوک کرتے ہیں...... میرے فرینڈز تو کچھ زیادہ ہی جوک کرتے ہیں۔''

''ایک دن میرا فرینڈ مجھے کہنے لگا۔'' مجھے تو تم انسان کے بجائے Rabbit لگتے ہو...... تمہاری مونچھیں اور Rabbit کی مونچھیں برابر ہیں۔'' مجھے اتنا غصہ آیا کہ بتا نہیں سکتا...... جی چاہا اُس سے فرینڈ شپ ختم کردوں...... مگر اُس نے فوراً مجھے گلے لگا کر کہا۔

''میں تو جوک کررہا تھا Fun کررہا تھا۔'' یہ کہہ کر ڈاکٹر علی نے مسکرا کر ٹینا کی پیشانی چوم لی۔

''رئیلی......'' ٹینا کی آنکھوں میں معصومانہ حیرت تھی۔

''Obviously فرینڈز ہی تو جوک کرتے ہیں۔'' ڈاکٹر علی نے شرارتاً اُسے بال بکھیر دیے۔

''لیکن بھائی جان وہ میری نیو فرینڈز ہیں ناں...... مہ وش اور مہ پارہ وہ تو بہت سیریس ہیں۔ بہت کم باتیں کرتی ہیں۔ اور مہ پارہ تو Question بہت کرتی ہے۔ جوک نہیں کرتی۔'' ٹینا نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

''ڈاکٹر علی کے چہرے پر چند ثانیے کے لیے سنجیدگی سائے کی طرح لہرائی مگر فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔

''ابھی نئی ہیں ناں...... جب آپ سے زیادہ ملیں گی تو جوک بھی کریں گی اور Fun بھی کریں گی۔''

''لیکن...... شاید وہ بور ہو جائیں گی۔ وہ بھاگنے والے گیمز بھی کھیلیں گی۔ میں تو بھاگ ہی نہیں سکتی۔'' ٹینا نے ایک نظر اپنی وہیل چیئر کی طرف دیکھا۔

ڈاکٹر علی نے بے اختیار اُس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔ بمشکل خود کو سنبھال کر بولے۔

''تھینک گاڈ...... آپ سب کچھ دیکھ سکتی ہو...... کلر چوائس کرسکتی ہو...... اپنا فیورٹ ڈریس چوز کرسکتی ہو...... پینٹنگز بنا سکتی ہو...... اپنی پسند کے کلرز پینٹ کرسکتی ہو، آپ کو بتایا تھا ناں......؟''

''ہیلن کیلر۔ بلائنڈ تھی مگر اُس نے ساری دنیا کا ٹریول کیا تھا۔ اسکول کالجز میں جا کر لیکچر دیتی تھی۔ اور All Ways Happy رہتی تھی۔''

''What A Brave Woman۔'' ڈاکٹر علی اب بھرپور جذبے کے ساتھ بہن کو بہلا رہے تھے۔ اس کے اندر زندگی سے پیار کرنے کا جذبہ ابھار رہے تھے۔ یہ کام اُن کو اکثر کرنا ہوتا تھا۔

ٹینا...... بہل گئی...... مسکرانے لگی۔

''I Am So Lucky I Can See And Watch۔'' وہ خوش ہو کر کہہ رہی تھی۔

''You Are Most Lucky۔'' ڈاکٹر علی نے اس کا گال پیار سے چھو کر کہا۔

''میں مہ وش اور مہ پارہ کی خالہ کو فون کر کے کہوں گا۔ ٹینا اپنی فرینڈز کو بہت Miss کر رہی ہے O.K......؟'' انہوں نے چاہا ٹینا انہیں خوشگوار موڈ میں خدا حافظ کہے۔

''تو ابھی فون کر لیں۔ میں بھی خالہ سے بات کروں گی۔'' ٹینا مچل گئی۔

ڈاکٹر علی نے ایک پل کو سوچا پھر اپنا آئی فون جیب سے نکال کر چمن کا نمبر ڈائل کرنے لگے۔

Ring پاس ہو رہی تھی مگر کال فوراً پک نہیں ہوئی۔ اور وہ سوچ رہے تھے اگر کال پک نہیں ہوئی تو وہ Rcdail ضرور کریں گے تاکہ چمن سے بات ضرور ہو سکے۔ مگر آخری سیکنڈ پر کال ریسیو ہو گئی۔

مگر چمن کے بجائے عطیہ بیگم کی آواز سماعت سے ٹکرائی۔

''السلام علیکم ڈاکٹر صاحب......!'' ڈاکٹر علی یکدم چونک پڑے تھے۔

''جی وعلیکم السلام......! آپ خیریت سے ہیں آنٹی......'' اب وہ فوراً چمن کا تو نہیں پوچھ سکتے تھے سو قرینے سے بات کی ابتدا کی۔

''شکر ہے......آپ کیسے ہیں؟ ٹینا خیریت سے ہے؟'' عطیہ بیگم پوچھ رہی تھیں۔

ڈاکٹر علی کو اُن کے منہ سے ٹینا کا نام سن کر اچھا لگا۔ اس کا مطلب ہے اُن کے گھر میں ٹینا کا ٹھیک ٹھاک تعارف ہے۔

''جی اللہ کا شکر ہے سب خیریت ہے۔'' بولتے ہوئے سوچ رہے تھے کہ اب چمن کا بھی کچھ بتا دیں کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ اس سے بات ہو سکتی ہے یا نہیں......مگر وضع داری تو نباہنا تھی۔

''آپ نے کسی ضروری بات کے لیے ہی چمن کو فون کیا ہوگا۔ مگر بات یہ ہے ڈاکٹر صاحب......چمن کی ساس ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہیں......وہ اُن کے پاس گئی ہوئی ہے۔ جلدی میں نکلی تھی موبائل بھول گئی۔ مجھے بھی اُس سے رابطہ کرنے میں بہت مشکل ہو رہی ہے۔''

''میرا خیال ہے تھوڑی دیر میں وہ خود مجھے فون کرے گی۔ اپنے میاں کے موبائل سے کرے گی تو میں اسے بتا دوں گی کہ آپ کی کال آئی تھی۔ عطیہ بیگم نے اب مکمل اطلاعی گفتگو کی۔ جس میں ہر سوال کا جواب خود بخود مل رہا تھا۔

''ساس......میاں......ڈاکٹر علی کے تصور میں کچھ غبار سا اُڑا پھر اتنی اکیلی اکیلی سی کیوں محسوس ہوتی ہے؟'' خیال ارادے کی گرفت سے ماورا ہوتا ہے......یونہی سوچ آئی تھی۔ O.K آنٹی۔ آپ اپنا خیال رکھیے۔ میں بعد میں فون کر لوں گا۔'' یہی کہنا بنتا تھا۔

''مگر ذہن کچھ اُلجھ گیا تھا......جس کی وجہ سے وہ خود بھی انجان تھے ایک اداس سی مسکراہٹ ہوا کے نرم جھونکوں کی طرح آس پاس محسوس ہونے لگی۔

''کیا ہوا بھائی جان......خالہ نہیں ہیں......آپ کس سے بات کر رہے تھے؟'' ٹینا اب پریشان ہو کر پوچھ رہی تھی۔

''خالہ کی ماما سے......یعنی مہ وش کی نانو سے......خالہ گھر پر نہیں ہیں۔ آجائیں گی تو مجھے خود کال بیک کر لیں گی۔ ڈونٹ وری۔''

وہ ٹینا کو تفصیلات نہیں بتا سکتے تھے۔ ضروری بھی نہیں تھا God Willing۔ خالہ ضرور کال بیک

کریں گی۔ آپ اُن سے کہیے گا وہ جلدی سے میری فرینڈز کو میرے گھر ڈراپ کردیں۔''

''اوہ..... شیور.....'' ڈاکٹر علی کا ذہن 'ساس' 'میاں' سے باہر آ کر نہیں دے رہا تھا۔ جبکہ وہ جانتے تھے کہ چمن شادی شدہ ہے۔

☆.....☆.....☆

عطیہ بیگم بچیوں کے لیے نوڈلز بنا کر اُن کے کمرے میں آئیں تو دیکھا کہ اپنے سارے کپڑے وارڈ روب سے نکال کر بیڈ پر پھیلائے ہوئے ہیں۔

''یہ کیا کررہی ہو..... سارے کپڑے نکال کر باہر کیوں پھینک دیے؟'' وہ حیران پریشان سی ہوکر پوچھ رہی تھی۔

''نانو پھینکے نہیں ہیں..... بیڈ پر رکھے ہیں۔ خالہ آئیں گی تو ہم اُن کے ساتھ نینا کے گھر جائیں گے۔ ہم ڈریس چوز کررہے ہیں۔'' ماہ پارہ نے کپڑوں کے ڈھیر میں ہاتھ چلاتے ہوئے بڑی شانِ بے نیازی سے جواب دیا۔

عطیہ بیگم نے اپنی پیشانی پر زور سے ہاتھ مارا۔

''توبہ ہے..... استری، بے استری سب ملادیے۔ اور تم سے کس نے کہا کہ آج خالہ تمہیں نینا کے گھر لے کر جائیں گی؟''

خالہ نے چار دفعہ کہا ہے.....'' مہ پارہ نے اپنی چار انگلیاں نانو کے سامنے کرتے ہوئے بہت اعتماد سے کہا اور مہ وش کی طرف دیکھتے ہوئے گویا تصدیق بھی چاہی..... جواب میں مہ وش نے گردن ہلا کر مہر ثبت کردی۔ عطیہ بیگم بیڈ کے کنارے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئیں۔

''بیٹا..... خالہ تو شاید آج گھر ہی نہ آئیں۔ جب آجائیں گی تو اپنے پروگرام بنالینا۔''

عطیہ بیگم کو اپنی آواز دور سے آتی محسوس ہوئی...... دل اندیشوں کے جالے میں اٹک کر ہاتھ پاؤں مارنے لگا تھا۔

''پھر وہی سے دن آجائیں گے...... کبھی ستم...... کبھی کرم...... وہ اپنے گھر میں ہوگی اور دھڑکا لگا رہے گا...... جانے کب آنسو چھپاتی...... ایک سانس میں جھوٹ بولتی آجائے۔

کئی دن شوہر اور ساس کی مہربانیوں کے من گھڑت قصے سنائے پھر کسی دن ماں کے شانے سے سر لگا کر بچیوں کی طرح رو پڑے۔

''خالہ گھر کیوں نہیں آئیں گی؟'' کم گو مہ وش بھی سوال کر بیٹھی وہ اپنے گھر جائیں گی۔ عطیہ بیگم نے گٹھلی حلق سے نیچے اتاری مگر خالہ تو یہیں رہتی ہیں۔ مہ پارہ کی حیرت دیدنی تھی۔

''خالہ نے خود بھی کہا تھا اب وہ یہیں رہیں گی۔'' مہ وش نے بہت یقین واعتماد سے کہا۔

''ہاں ہاں...... بیٹا...... وہ دونوں جگہ رہیں گی۔'' عطیہ بیگم سے فی الوقت کوئی ڈھنگ کا جواب نہ بن پڑا۔

''تو پھر ہم بھی دونوں جگہ رہیں گے...... خالہ کے ساتھ۔'' مہ پارہ نے دوٹوک فیصلہ سنا دیا۔ عطیہ بیگم کے سینے سے ایک ہوک سی اٹھی۔

''اللہ...... تمہاری ماں اور خالہ جیسا نصیب تمہارا نہ بنائے۔ ایک اپنے گھر کو ترستی چلی گئی...... دوسری آج بھی گھر کے دھوکے کھا رہی ہے۔''

''نانو...... آپ خالہ کو فون کر کے پوچھ لیں۔ اگر وہ آرہی ہیں تو ہم تیار ہو جائیں گے۔'' مہ وش نے ایک فراک اُٹھا کر ہینگر گھما کر مختلف زاویے سے جانچا۔

''ٹھیک ہے...... اب تم اچھے بچوں کی طرح روم سہی کرو۔ کپڑے وارڈ روب میں لگاؤ۔''

''میں پندرہ منٹ بعد دوبارہ آؤں گی اگر روم گندا نظر آیا تو باہر جانے پر پابندی لگ جائے گی۔''

''ڈونٹ وری نانو ہم پانچ منٹ میں روم سیٹ کر دیں گے۔'' مہ وش پابندی کا سن کر ڈر گئی اور جلدی جلدی کپڑے اٹھانے لگی۔

''بیٹا...... نانو تھک جاتی ہیں...... جو چیز جہاں سے لو واپس وہیں رکھ دو......'' روم خود بخود صاف رہے گا۔

اب انہوں نے بچیوں کو بھاگ دوڑ کرتے دیکھا تو بہت پیار سے کہا۔

''میں خالہ کو بولوں گی آپ نانو کو چھوڑ کر نہ جائیں۔ نانو اتنا سارا کام کر کے تھک جاتی ہیں۔'' مہ پارہ نے بڑی معصومیت سے نانو کو تسلی دی۔ عطیہ بیگم اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی آنسو چھپاتی کمرے سے باہر نکل گئیں تھیں۔

☆......☆......☆

ربیعہ وارڈ روب کے چاروں پٹ کھولے اپنے کپڑے ہینگر کر رہی تھی۔ کچھ تہہ شدہ کپڑے شیلف میں لگا رہی تھی۔ معاً اسے سب سے نیچے کے شیلف میں ایک بڑے سائز کی البم نظر آئی۔ اس نے بڑے متجسس انداز میں البم باہر نکالی اور اپنا کام بھول کر البم لے کر بیٹھ گئی۔ یہ یاور اور ایمن کی شادی اور بچیوں کی برتھ

ڈے کی تصویروں سے بھری ہوئی تھی۔ ربیعہ نے بڑے شوق و دلچسپی سے ایک ایک فوٹو دیکھنا شروع کی سب سے پہلے یاور کی بارات و ولیمے کی تصویریں تھیں، پھر بچیوں کی، دلہن بنی ایمن کو اس نے بڑے غور سے دیکھا تھا۔

اُس کی نظر دلہن کی جیولری پر ٹک گئی۔ دلہن نے ست لڑے سمیت تین ہار اور نیکلس پہنے ہوئے تھے۔ دو تو وہ پہچان گئی جو اُس کی بری میں چڑھائے گئے تھے۔ البتہ ست لڑے پر وہ نظر جما کر چند لمحے سوچتی رہی کہ یہ اصلی ہے یا آرٹیفشل شاید آرٹیفشل ہوگا اسی لیے اسے نہیں دیا...... اس کی سوچ ہمیشہ مثبت ہوتی تھی۔ وہم و بدگمانی ایمن کی طرح اس کے مزاج میں بھی نہیں تھی۔

ایمن اُس کی 'روحانی شراکت دار' تھی اس لیے کافی دیر صرف اسی کی تصویریں دیکھتی رہی۔

''کتنی خوبصورت تھیں...... یاور تو شاید کبھی نہیں بھول پائیں گے اس نے ایمن کے ولیمے کے موقع پر لی گئی ایک تصویر کو بغور دیکھتے ہوئے سوچا۔

سی گرین اور شاکنگ پنک کی آمیزش سے تیار بھاری شرارہ سوٹ میں ملبوس مسکراتی ہوئی بہت حسین دکھائی دے رہی تھی۔ شب زفاف سے گزر کر دلہن کے چہرے پر ایسی رعنائی آجاتی ہے جو بہترین کاسمیٹکس کے استعمال سے بھی نہیں آسکتی۔

''وہی باتیں جو مجھ سے کیں...... وہی ایمن سے بھی کی ہوں گی۔ یونہی رو بہک گئی۔ ایک خیال آ کر گزر گیا۔

پھر گہری سانس لے کر صفحات پلٹنے لگی۔ تین چار صفحات پر دونوں بچیوں کے ساتھ تصویریں تھیں۔ ماں کی طرح بچیاں بھی بہت پیاری ہیں۔ وہ دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ چھوٹی والی تو بالکل باپ کے نقش لے کر آئی ہے کتنی پیاری ہے۔ یاور بہت مس کرتے ہوں گے۔ شاید میری خاطر وہ اُن کی جدائی برداشت کر رہے ہیں۔

اس نے سوچا اور گہری سانس لے کر پھر مہ وش و مہ پارہ کے دلکش پوز دیکھنے لگی...... جھولے میں، جیپ میں، بائی سائیکل پر، باپ کے کندھے پر ماں تو اللہ کی مرضی سے چلی گئی۔ مگر یہ تو ہیں...... ماں سے محروم ہو گئیں...... باپ تو ہے۔'' اسے ترس آنے لگا۔

جب سے شادی ہو کر اس گھر میں آئی تھی۔ صبح آنکھ کھلتے ہی ماں یاد آتی تھی۔ دن میں موقع کی تلاش میں رہتی تھی کہ دو منٹ کبھی امی سے بات ہو جائے اُن کی آواز سن لے۔

ربیعہ کی ماں بہت بردبار اور سمجھدار عورت تھی۔ اس نے ربیعہ کے ذہن میں بٹھا دیا تھا کہ سسرال جا کر امی امی نہ کرنا۔ سسرال والے چڑ جاتے ہیں...... اور خاص طور پر ساس کے سامنے بیٹھ کر مجھ سے لمبی لمبی باتیں نہ کرنا...... ساسیں سمجھتی ہیں کہ مائیں اپنی بیٹیوں کو 'پٹیاں' پڑھاتی ہیں۔''

یہی وجہ تھی کہ اس نے فردوس کے سامنے بیٹھ کر ماں کو فون نہیں ملایا تھا۔ فردوس کا خیال تھا ربیعہ کی ماں بے وقوف عورت ہے اسے عقل ہی نہیں کہ بیٹی کو کیسے عقلیں دی جاتی ہیں۔ کیونکہ وہ خود 'فارغ' ہے۔ ربیعہ نے مہ پارہ کی بڑی سی فوٹو بے ساختہ چوم لی۔

میں تمہارے پاپا کے ساتھ بہت جلدی تم سے ملنے بلکہ تمہیں لینے آؤں گی۔'' اس نے نیک جذبات

کے ساتھ غائبانہ رُوحانی وعدہ کیا اور البم بند کر کے واپس اپنی جگہ رکھ دی۔

☆......☆......☆

عطیہ بیگم کے معاملے میں مشکور احمد پر یہ شعر بالکل صادق آتا تھا۔

ذرا سے جبر سے میں بھی تو ٹوٹ سکتی تھی

میری طرح سے طبیعت کا وہ بھی سخت نہ تھا

انہوں نے جانچ لیا تھا کہ عطیہ بیگم کو عیادت کے لیے ہاسپٹل لے جانا ایسا ہی ہے جیسے سوئی کے ناکے سے اونٹ گزارنا۔

چمن کا سیل فون یاد سے اپنے چھوٹے سے ہینڈ بیگ میں رکھا اور عطیہ بیگم کو مطلع کیا کہ وہ بانو آپا کی عیادت کے لیے جارہے ہیں اور مزید یہ کہ چمن کا سیل فون بھی رکھ لیا ہے۔ انداز اتنا بے ساختہ واطلاعی تھا کہ بس دیکھتی ہی رہ گئیں۔ کسی مریض کی عیادت کے لیے جانے والے کے ہر قدم پر ثواب ملتا ہے۔ اپنے دماغ کو ٹھنڈا رکھو۔

''اللہ تو انسان کو قرآن میں کہہ چکا ہے کہ تمہارا مال اور اولاد آزمائش ہیں۔ میں چاہتا ہوں اس آزمائش سے بھی گزر جاؤں۔'' آخری الفاظ انہوں نے عطیہ بیگم کی خاطر جمع کے معنوں میں ادا کیے تھے۔ تاکہ وہ اُن کے جانے کے بعد کڑھتی نہ رہیں۔

☆......☆......☆

نئی نئی شادی ہو تو جیون ساتھی سے بات بات پر روٹھنے کا اپنا مزہ ہوتا ہے۔ منانے والا مناتے مناتے کسی بھی انتہا تک آسانی سے جاسکتا ہے۔ روٹھنے والے کو بالآخر بے بسی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

ثمر چند منٹ پہلے ہی ندا کے پاس آیا تھا۔ افشاں چمن سے سہولت پاکر بچوں کو دیکھنے گھر چلی گئی تھی۔ اور ثمر کو چاروناچار چمن کا چہرہ دیکھنا پڑ رہا تھا۔ کمرے میں چکر لگا لگا کر اوبھ گیا تو نرس کو بتا کر کہ وہ ضروری کام سے باہر جارہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد واپس آجائے گا۔''

اس کے خیال میں چمن کو بتانے کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ نرس کے نوٹس میں ہونا ضروری تھا کہ 'مین اٹینڈنٹ' یا مرکزی 'تیماردار' موجود ہے یا نہیں۔ وہ کسی انتہائی صورتِ حال میں اُسے کونٹیکٹ کرسکتی تھی۔ اس لیے مطمئن ہوکر ندا کی خاطر جمع کے لیے دوڑا چلا آیا تھا۔ اور اب بیٹھا اُسے منا رہا تھا۔ ترلے منتیں کررہا تھا۔ ندا پر نرگس کے دیے ہوئے ہائی پوٹینسی ڈوز کا واضح اثر تھا۔

''جب امی جان کو ہوش آگیا تھا تو آپ کو فوراً آنا چاہیے تھا۔ آپ کی بہن تو ہے ناں......''

''نانا جان کی تعزیت کے لیے لوگ آتے جاتے ہیں۔ جو آتا ہے آپ کا پوچھتا ہے۔ ماموں جان کا بھی امریکہ سے دو مرتبہ فون آیا تھا وہ بھی حیران تھے کہ میں گھر میں اکیلی ہوں۔'' ندا نے منہ بسور کر کہا۔

''تو انہیں کیوں نہیں بتایا کہ امی جان کی طبیعت اتنی زیادہ خراب ہے کہ وہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہیں۔''

ثمر کو غصہ تو آیا کیونکہ یہ حقیقت تھی ویسے بھی شدید تھکاوٹ کی وجہ سے اعصاب شل تھے۔

''یہ نہیں بتاسکتی تھی...... شرم آتی ہے مجھے...... کیسے بتاؤں؟'' ندا بری طرح جھلا کر بولی۔

''ہیں...... شرم آتی ہے؟'' ثمر کے خاک پلے نہیں پڑا۔

دنیا میں کس جگہ
دوشیزہ
کے چرچے نہیں

آپ دوشیزہ کے خریدار بن کر ملک کو
زرِ مبادلہ بھیجیے

اندرون ملک =/890 روپے

ہر ملک، ہر شہر اور ہر محلے میں دستیاب ہے

زرسالانہ

کویت	55 امریکی ڈالرز	ایران	55 امریکی ڈالرز
سعودی عرب	55 امریکی ڈالرز	سری لنکا	55 امریکی ڈالرز
یو اے ای	55 امریکی ڈالرز	جاپان	55 امریکی ڈالرز
مصر	55 امریکی ڈالرز	لیبیا	55 امریکی ڈالرز
یونان	55 امریکی ڈالرز	ڈنمارک	55 امریکی ڈالرز
فرانس	55 امریکی ڈالرز	جرمنی	55 امریکی ڈالرز
برطانیہ	55 امریکی ڈالرز	ہالینڈ	55 امریکی ڈالرز
ناروے	55 امریکی ڈالرز	پولینڈ	55 امریکی ڈالرز
امریکہ	65 امریکی ڈالرز	کینیڈا	65 امریکی ڈالرز
افریقہ	65 امریکی ڈالرز	آسٹریلیا	65 امریکی ڈالرز

آج ہی رابطہ کیجیے

88-C II ۔ فرسٹ فلور۔ خیابانِ جامی کمرشل۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7، کراچی

فون: 021-35893121 - 35893122

''اور نہیں تو کیا...... ماموں جان کہتے تم اپنی ساس کی خدمت کرنے کے بجائے یہاں بیٹھی پلنگ توڑ رہی ہو...... اگر ان کو بتا دوں کہ وہ تو میری شادی ہی میں شریک نہیں ہوئیں تو ان کو سن کر پریشانی ہوگی...... شاید دکھ بھی ہو......'' ندا نے صاف صاف بتا دیا۔

''مجھے یقین نہیں کہ ان کو دکھ ہو سکتا ہے۔''

''جو شخص سالوں سے باپ کی بیماری کی خبریں سن کر بھی ان سے ملنے دیکھنے نہیں آیا۔ اسے کیا پتہ دکھ کس چڑیا کا نام ہے۔'' ثمر ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح بیڈ پر گر گیا اور بھنا کر بولا۔

''ان بے چاروں کی کوئی مجبوری ہوگی۔'' ندا نے پھر وکیل صفائی کا کردار ادا کرنے کی ٹھانی۔

''مجبوریاں غیروں کی ہوتی ہیں۔ اپنوں کی خوفناک غیر ذمہ داری 'بلنڈر' ہوتی ہے۔''

''اچھا اب اس بات کو یہیں ختم کرو۔ پہلے اچھی سی چائے پلاؤ، سر چکرا رہا ہے۔''

اس نے ندا کا دوپٹہ کھینچ کر اپنے منہ پر ڈالتے ہوئے کہا۔ اپنائیت کا چھوٹا سا مظاہرہ...... ناقص العقل عورت کو اس خوراک سے ہی افاقہ ہو جاتا ہے۔

امی کے پاس آپ کی بہن افشاں ہوگی۔ اسی لیے آرام کرنے آئے ہیں۔ ندا نے اپنی شرٹ کھینچ کر درست کی اور اس کے سامنے تن کر کھڑی ہوگئی۔

تو بیاہتا کے وجود کی سرسبزی نشیب و فراز احساسات کو سُروں کی طرح چھیڑنے لگے۔ استحقاق کی ایک نگاہ اُس کے سراپے پر ڈالی اور ایک خیال کے تحت طنزیہ مسکرا دیا۔ تصور میں چمن کا چہرہ تھا۔

''تم میری ماں کی فکر مت کرو۔ کچھ لوگوں کے ذمے اُن کے قرض چڑھے تھے۔ وہ اُتارنے آئے ہوئے تھے۔''

''ہیں......؟ امی جان سے کسی نے بہت بڑی لون لیا ہوا تھا۔'' ندا نے طبیعت سے احمقانہ تاثرات کا اظہار کیا۔

''جی...... امی جان نے فیکٹریاں 'مورگیج' کرا کر لوگوں کو لون دیے ہوئے تھے۔''

''اب جلدی سے چائے دے دو۔ ورنہ کوئٹہ رنگین اینڈ سنگین ہوٹل کی '5ml' چائے پی لوں گا باہر جا کر......'' اس نے مصنوعی خفگی کے ساتھ دھمکی دی۔ ندا جلدی سے کچن کی طرف دوڑ گئی۔

''اس کا مطلب ہے امی جان کی طبیعت پہلے سے بہت بہتر ہے۔ تھینک گاڈ افشاں سے کہیں وہ رات کو رک جائے تاکہ آپ بھی آرام کر لیں۔'' ندا کی آواز اب کچن سے آنا شروع ہوگئی تھی۔

''رات؟''

''ہاں ابھی تو رات پڑی ہے......!'' بے معنی سا مسکرایا۔ گہری سانس لی۔

''جس نے منزل تک نہیں آنا...... اُسے پڑاؤ ڈالنے کا کیوں کہوں؟'' ثمر کو احسان کے بوجھ نے دبانا شروع کر دیا۔

''آج تو خیر مجھے جانا ہوگا...... افشاں کے بچے ابھی اتنے سمجھدار نہیں ہیں۔ اُن کو دیکھنا بھی ضروری ہے۔''

ندا اُسے کھلے دروازے سے نظر آرہی تھی مگر یہ جملہ اس نے لاشعوری طور پر آنکھیں بند کر کے ادا کیا

تھا۔ مبادا اُس کی آنکھوں میں چمن کا عکس نہ جھلک رہا ہو..... کوئی نادیدہ ہاتھ دل کو مٹھی میں جکڑنے لگا۔

☆......☆......☆

دونوں بہن بھائی چلے گئے؟ اس کا مطلب ہے بانو آپا کی طبیعت پہلے سے بہتر ہے۔ مشکور احمد ہاسپٹل پہنچ چکے تھے اور اب لاؤنج میں چمن سے بات کر رہے تھے جو انہیں ریسپشن پر کھڑی نظر آ گئی تھی۔

''جی..... سنا ہے کہ وہ بار بار بے ہوش ہو رہی تھیں۔ اس وقت گہری نیند میں ہیں۔ B.P بہر حال Up Down ہو رہا ہے۔ اسی لیے ابھی تک آئی سی یو میں ہیں۔ چمن نے سر جھکا کر آہستہ سے جواب دیا۔

مشکور احمد کا جی چاہا ثمر کی بابت بات کریں مگر کچھ سوچ کر خود کو روک لیا۔

''یہ تمہارا موبائل لے آیا ہوں شاید تم جلدی میں بھول گئی تھیں۔'' مشکور احمد نے اپنے چھوٹے سے ہینڈ بیگ سے موبائل نکال کر اُس کی طرف بڑھایا۔

''اوہ تھینک یو پاپا..... واقعی میں بھول گئی امی کا خیال آیا تو موبائل یاد آیا۔ سوچ رہی تھی ابھی افشاں آئے گی تو اُس کے سیل سے امی سے بات کر لوں گی وہ پریشان ہو رہی ہوں گی۔'' چمن نے موبائل لے کر چیک کرنا شروع کر دیا کہ کوئی میسج یا مس کال نہ ہو۔

''افشاں کے سیل سے..... ؟ ثمر کے سیل سے بھی تو بات کی جا سکتی تھی۔'' مشکور احمد نے چونک کر بیٹی کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کی۔ ایک آتی ہوئی سانس اندر گھٹ کر رہ گئی۔

گویا ابھی آسمان پر تہہ در تہہ بادل موجود تھے۔ مطلع صاف نہیں تھا اُن کے ذہن رسا نے حقیقت تک رسائی دی۔ اور اس مقام پر خاموشی سب سے بڑی دانائی تھی۔

چمن ڈاکٹر علی کا نمبر Recived Call میں دیکھ کر چونک پڑی تھی۔

''اوہ ڈاکٹر علی عثمان کی کال آئی تھی۔'' اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا تھا۔

''آئی ہو گی..... تمہاری امی نے بات کی ہو گی۔ بتا رہی تھیں بچیاں ڈاکٹر علی کی بہن کے پاس جانے کے لیے بہت ضد کر رہی ہیں۔ اور بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔''

مشکور احمد نے ایک بوڑھے پیشنٹ کو جو وہیل چیئر پر تھا اور دو بیٹے دائیں بائیں تھے غور سے دیکھتے ہوئے عام سے انداز میں بتایا۔

''اصل میں وہ کہیں آتی جاتی نہیں تھیں ناں..... بس ایک بار ٹینا سے ملیں وہاں FUN کیا تو اب اُن کا دل تو یہی چاہے گا کہ وہ بار بار اُس کے گھر جائیں۔'' چمن نے ایک بے معنی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا کوئی مضائقہ بھی نہیں۔

''وہ بچی بھی بھاگ دوڑ نہیں سکتی..... اس کو بھی ان بچیوں کے ساتھ ٹائم گزار کر خوشی ملے گی۔'' مشکور احمد نے فوراً کہا تھا۔

''جی پاپا..... اُسے دیکھ کر واقعی بہت ترس آتا ہے۔ ذہن بھی بچوں والا ہے۔ چل پھر بھی نہیں سکتی۔'' چمن کے لہجے میں بڑا سوز تھا۔

''ہاں بیٹا..... ہر انسان اپنے حصے کی آزمائش سے گزر رہا ہے۔ وہ جو شاعر نے کہا ہے ناں۔''

یہاں کسی کو بھی مکمل جہاں نہیں ملتا
کہیں زمین نہیں ملتی کہیں آسماں نہیں ملتا

''سچ ہی کہا ہے۔'' یہ کہہ کر مشکور احمد نے ایک آہ سرد سینے سے آزاد کی۔ اسی وقت آئی سی یو سے ایک اسٹریچر باہر آیا۔ ساتھ ہی ایک نسوانی چیخ فضا میں گونجی۔

''امی...... میری امی مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتیں...... امی...... امی......'' چمن اور مشکور احمد نے آواز کی سمت دیکھا ایک لڑکی چیخنے کے بعد بے ہوش ہو کر گرنے ہی والی تھی کہ ساتھ چلنے والے ایک نوجوان نے اُسے تھام کر گرنے سے بچایا۔

''انا للہ وانا الیہ راجعون۔'' مشکور احمد نے زیر لب کہا تھا۔ چمن متوحش نظروں سے بے ہوش لڑکی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ایک لازوال دکھ پھر جگر پر کھرونچیں ڈالنے لگا۔ اس کی اپنی آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔ اُسے ایمن یاد آ گئی۔ اسٹریچر پر پڑا ہوا بے جان وجود اور اُس بے جان وجود پر پڑی ہوئی سفید چادر......

کون رو رہا ہے کسی اور کی خاطر اے دوست
سب کو اپنی ہی کسی بات پر رونا آیا

اس نے چپکے سے آنکھوں کے کناروں تک آئے آنسو صاف کیے۔ اتنی دیر میں لواحقین ڈیڈ باڈی لے کر کاریڈور کے اگلے سرے پر غائب ہو چکے تھے۔

مشکور احمد نے آنسو پونچھتی چمن کی طرف دیکھا۔ سر جھکا کر چند لمحے کے توقف کے بعد گویا ہوئے۔

''کل نفس ذائقۃ الموت''

''پاپا...... روز کی موت کا بھی ایک ذائقہ ہوتا ہے۔'' اس نے سوچا مگر بولنے کا یارا نہ تھا۔

☆......☆......☆

ثمر چائے پینے کے بعد ریسٹ کا موڈ بنا کر لیٹ تو گیا تھا مگر ذہن تو ماں کی طرف ہی لگا ہوا تھا۔

اس نے ندا سے روشنیاں گل کرنے کا کہا تو وہ اندھیرا ہوتے ہی خود بھی باہر چلی گئی تھی۔ اس وقت وہ عملی طور پر اظہارِ ہمدردی کر رہی تھی کہ اس کا عاشقِ نامدار شوہر خاکسار تھک کے چور ہے۔ اس کے خوشگوار موڈ کے لیے ضروری ہے کہ وہ کچھ دیر آرام فرمائے۔ لاؤنج اور راہداری سے روشنی کمرے میں آ رہی تھی کچھ اس طرح کہ نہ اندھیرا تھا نہ اُجالا۔

چمن کو واپس اس کے گھر بھیجنا ہے۔ ہاسپٹل پہنچ کر لامحالہ یہ کام تو ہر صورت انجام دینا ہے۔

''مگر کیونکر......؟ افشاں اسے لے آئی تھی وہ خود ڈرائیور کر کے تو نہیں آئی تھی۔ مگر رات گئے وہ اکیلی رکشہ یا ٹیکسی سے جائے یہ ٹھیک تو نہیں ہے۔ اور وہ بھی اتنا بڑا احسان کرنے کے بعد کہ وہ اُس کی ماں کی پکار پر دوڑی چلی آئی۔

تھکن تو کیا اترتی...... وہ سوچتے سوچتے مزید نڈھال ہو گیا۔ پھر کوفت کے عالم میں بالآخر بستر چھوڑ دیا۔ اور آگے بڑھ کر لائٹ آن کی۔

کمرے میں روشنی ہوتے ہی ندا گرتی پڑتی اندر آ گئی۔

''ارے...... آپ سوئے نہیں؟'' وہ حیرت سے تک رہی تھی۔

''نیند کس کم بخت کو آتی ہے۔''

''ماں اسپتال میں داخل ہو تو اولاد چین سے سوسکتی ہے؟ بس اب میں چلوں گا۔ تمہاری خاطر تھوڑی دیر کے لیے چلا آیا تھا۔'' ثمر کو محبت احسان کی طرح جتانے کی عادت سی ہوگئی تھی۔ مگر اس چھوٹے سے جملے میں جادو تھا۔

''وہ بے وقوف سی لڑکی...... مزید بے وقوف بننے کے لیے پُرجوش سی ہوگئی۔''

''تھینک یو...... واقعی آپ کے آنے سے دل کو تسلی سی ہوگئی۔'' اُس نے فطری سادگی سے کہہ دیا۔

''کیا مطلب......؟ تمہیں شک ہے مجھ پر...... اعتبار نہیں آیا اب تک؟'' وہ براہِ راست اُس کی آنکھوں میں دیکھ رہا ہے۔ مارے شرمندگی کے ندا جیسے بغلیں جھانکنے لگی۔ نرگس خوابیدہ شکوک جگا کر تو گئی تھی ناں۔ دل کا چور نظر چرانے پر مجبور کر رہا تھا۔

''اللہ...... میں نے تو ویسے ہی کہہ دیا تھا۔ آپ تو جاسوس کی طرح دیکھنے لگتے ہیں۔'' اُس نے خفت مٹانے کی کوشش کی۔

''تم نے جاسوس کو کہاں دیکھا تھا۔ اور وہ تمہیں کیوں دیکھ رہا تھا؟'' ثمر اب نئے سرے سے خاصی دیر کے لیے اس سے جدا ہو رہا تھا۔ اس لیے لطیف سی چھیڑ چھاڑ کی۔ تاکہ وہ خوبصورت احساسات کے ساتھ رات کو سکھ کی نیند سو جائے۔

''اوفوہ...... بس منہ سے نکل گیا۔ معاف کر دیں۔ انسان کچھ بھی سوچ سکتا ہے۔ سوچنا اپنے بس میں تو نہیں ہوتا۔''

''پھر آپ نے اُن کو طلاق تو نہیں دی ہے۔ آپ اُن کے پاس جا بھی سکتے ہیں اور آپ کو کوئی روک بھی نہیں سکتا۔'' ندا حسبِ عادت ایک سانس میں بولتی چلی گئی۔ ثمر نے پہلے چونک کر دیکھا۔ پھر دلچسپی سے دیکھا۔

''Excellent...... بہت اچھی جا رہی ہو۔ تھوڑا سا نہیں سوچا۔ اتنا سارا سوچ لیا؟''

''بے وقوف لڑکی اس کے پاس جانے کی گنجائش ہوتی تو تمہیں اپنے گلے کا ہار بناتا؟''

''اپنی مرضی سے شادی کی ہے۔ کسی نے فورس تو نہیں کیا تھا۔ کوئی مجبوری تو نہیں تھی۔''

''مجبوری تھی۔'' اس کے ضمیر نے کس کے جما کے ایک طمانچہ رسید کیا۔ وہ سہم کر چپ ہوگیا۔ آگے مزید کچھ کہنے کا جذبہ سرد پڑ گیا۔ بے بسی سے مسکرا کر ندا کی طرف دیکھنے لگا۔

ندا سمجھی یہ مسکراہٹ خاص اس کے لیے ہے۔ ثمر کے بازو پر سر ٹکا دیا۔ اور ازلی عورت پن کے ساتھ مزید بے وقوف بننے کا خاموش عہد کیا۔

ثمر نے اپنے استحقاق کی ایک جعلی مہر اُس کے ہونٹوں پر ثبت کی اور کمال سیاست سے اُس کے شکنجے سے خود کو چھڑا لیا۔

☆......☆......☆

مجھے یہ سن کر بہت ہی سکون محسوس ہو رہا ہے کہ بانو آپا نے تم سے بات کی...... پیار و محبت کا اظہار کیا۔

''اللہ تعالیٰ اُن کو شفائے کاملہ عطا فرمائے، آمین۔'' مشکور احمد اب جانے کے لیے تیار تھے اور چمن کو تسلی دلاسہ دے رہے تھے تو آج رات تم یہیں ہو...... ٹھیک ہے...... تم اپنا فرض ادا کرو۔ اللہ یہ خدمت قبول فرمائے، آمین۔''

مشکور احمد نے چمن کے سر پر بڑی شفقت سے ہاتھ پھیر کر کہا تھا۔

''جی...... فی الحال تو ایسا ہی نظر آ رہا ہے۔''

''لیکن...... اگر ثمر آ گئے تو ہو سکتا ہے میں گھر چلی جاؤں......'' چمن نے متذبذب انداز میں کہا تھا۔

''گھر......؟'' مشکور احمد ایک لمحے کے لیے چونکے۔ پھر نظر چرا کر گویا ہوئے۔

''گھر ہی جانا ٹھہرا تو بیٹا...... پھر اپنے گھر چلی جانا...... تمہاری ساس ہاسپٹل میں داخل ہیں...... خیال کرنا انہیں تمہاری طرف سے کوئی تکلیف نہ پہنچے...... مشکور احمد کا انداز ناصحانہ تھا۔

''اپنے گھر''

''گھر...... ''عورت کا ازلی دردسر...... کس گھر کو اپنا گھر کہیے؟'' وہ خاموش ہو رہی۔

بیمار ساس کو تکلیف دینے کا کیا سوچتی وہ تو سامنے کھڑے باپ کی کسی بات سے اختلاف کرنا گناہ سمجھ رہی تھی۔

''وقت سے کھانا...... وقت سے سونا......'' مشکور احمد کی زندگی اسی ڈھب سے گزر رہی تھی۔ آج بیٹی کی خاطر اس آس پر ناتے نباہ رہے تھے کہ شاید اگلے موڑ پر بیٹی کے لیے کوئی خوش خبری ہو۔

☆......☆......☆

ثمر رات کے ساڑھے گیارہ بجے کے لگ بھگ ہاسپٹل پہنچا تھا۔ اور اس کے پانچ منٹ بعد افشاں بھی پہنچ گئی تھی۔ اس وقت اس کی نفسیات میں انقلاب آیا ہوا تھا۔

اُس کی بھابی نے اس نازک صورت حال میں 'انا' کا مظاہرہ نہیں کیا۔ انتقام لینے کا موقع ملا مگر موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ بدلے نہیں لیے...... طنز کے تیر نہیں چلائے...... حتیٰ کہ اپنے چہرے سے کچھ ظاہر نہیں ہونے دیا۔ بلکہ اس کی ماں کو سکھ پہنچایا۔

''آپ بھابی کو لے کر گھر چلے جائیں۔''

''میں امی جان کے پاس ہوں...... آپ نے کئی دن سے ریسٹ نہیں کیا...... شکر ہے امی جان پہلے سے بہتر ہیں۔'' افشاں ریت گوندھ کر گھر بنانے کی کوشش کرنے لگی۔

''بھابی کو لے کر۔'' ثمر کے ہوش اڑنے لگے۔

''یہ کیا ہونے جا رہا ہے تیر اُلٹے پڑنے لگے۔ وہ جو اُس کی کمان سے چھوٹ رہے تھے۔

''ابھی امی جان I.C.U میں ہیں۔ یہ بہت Critical پیریڈ ہوتا ہے۔''

''تم انہیں لے کر اپنے گھر چلی جاؤ۔ اگر ڈرائیور کے ساتھ آئی ہو تو انہیں گھر ڈراپ کر سکتی ہو۔ میں یہاں سے نہیں جا سکتا۔'' ثمر نے فیصلہ کن انداز میں کہہ دیا۔

افشاں کو بھی اصرار فضول لگا۔ ثمر کا انداز قطعی اور حتمی تھا پھر بڑا بھائی تھا۔

''ٹھیک ہے...... چلیں بھابی...... میں آپ کو گھر ڈراپ کر دیتی ہوں...... صبح آپ کو ساتھ لیتی آؤں

گی۔''

ثمر کے مطلب کی بات طے پا گئی تھی۔ اسے تو وہاں سے سرکنے کا بہانہ چاہیے تھا۔ ٹہلتا ہوا ایک نگاہِ غلط ڈالے، بغیر آگے بڑھ گیا۔

افشاں چمن کا ہاتھ تھام کر مخالف سمت بڑھ گئی۔ ثمر کا جملہ کن کھجورے کی طرح کان میں خارش کر رہا تھا۔

''تم انہیں لے کر اپنے گھر چلی جاؤ۔''

''انہیں۔'' کس قدر عزت افزائی کی تھی۔

''انہیں...... کیسی دل دہلا دینے والی اجنبیت تھی۔ ذہن نے تو جیسے کام کرنا ہی بند کر دیا تھا۔

''میں آپ کو اپنے گھر بھی لے جا سکتی تھی۔ مگر آپ اتنی زیادہ تھکی ہوئی لگ رہی ہیں کہ آپ کو اچھی سی نیند اپنے ہی بیڈ پر آئے گی...... اللہ کرے امی جان مزید Improve کریں۔ رات خیریت سے گزرے۔ اچھی سی نیند ہو گئی تو آپ صبح کو بالکل فریش ہوں گی۔

افشاں کا بس نہیں چل رہا تھا اپنائیت کے اظہار میں کسی انتہا پر چلی جائے۔

وہ وقتی طور پر ہی سہی مگر سب کچھ بھول کر بس یہی یاد رکھے ہوئے تھی کہ چمن سے دل کی کہہ کر اُس کی ماں کی حالت سنبھل گئی تھی۔

''تم مجھے میری امی کے گھر ڈراپ کر دو......'' اس نے قدرے ہچکچاتے ہوئے کہا تھا۔

''بھابی...... بس کریں ناں...... بھول جائیں...... معاف کر دیں۔'' جس لاڈ سے چمن خوفزدہ ہو رہی تھی۔ وہ بند توڑ کر بہنے لگا۔ بے بسی اسی کیفیت کا نام ہے جس میں انسان اپنا ذہن 'رہن' میں رکھ دیتا ہے۔

☆......☆......☆

''یعنی آپ کی بات ملاقات نہیں ہوئی؟'' عطیہ بیگم جو بڑی بے تابی سے مشکور احمد کی راہ دیکھ رہی تھیں۔ اُن کے گھر میں داخل ہوتے ہی پے در پے سوال کرنے لگیں۔

دوسرے وہ سمجھ رہی تھیں چمن مشکور صاحب کے ساتھ واپس آئے گی مگر وہ بھی نہ آئی تو ذہن میں طرح طرح کے اندیشے آنا شروع ہو گئے۔

''الحمدللہ...... بانو آپا کی طبیعت سنبھل رہی ہے۔ امید ہے کل تک مزید بہتری آئے گی۔ وہ اپنی خواب گاہ کی طرف بڑھتے ہوئے کہہ رہے تھے اس کا مطلب ہے چمن آج رات ہاسپٹل میں ڈیوٹی دے گی۔'' وہ تذبذب کی کیفیت میں کہہ رہی تھیں۔ ناپسندیدگی کا تاثر بھی لہجے سے مترشح تھا۔

''ڈیوٹی دینا چاہیے۔ اس موقع پر تو پڑوس بھی ڈیوٹیاں دے دیتا ہے۔'' مشکور صاحب کا مخصوص انداز تھا۔ وثوق اور واضح انداز کلام...... کہ جواب دینے والے کو جواب سے پہلے غور کرنا ضروری ہو جاتا تھا۔

مگر پڑوس کے ساتھ شاید وہ نہیں ہوتا جو میری بیٹی کے ساتھ ہوا ہے۔ دونوں آگے پیچھے چلتے خواب گاہ میں داخل ہو چکے تھے۔

''نیکی انسان اللہ کے لیے کرتا ہے۔ جو اچھا کام بندوں سے صلہ ستائش لینے کے لیے کیا جاتا ہے اسے منافقت اور 'ریاکاری' کہتے ہیں۔''

مشکور صاحب یہ کہتے ہوئے لبادہ تبدیل کرنے ڈریسنگ کی طرف بڑھ گئے۔ ہمیشہ کی طرح عطیہ بیگم

بالآخر لاجواب سی کھڑی رہ گئیں۔

☆......☆......☆

اس گھر میں پہلے بھی وہ کئی مرتبہ اکیلی رہی تھی۔ کبھی بانو آپا دوسرے شہر جاتیں...... ثمر کسی ٹور پر چلا جاتا۔ دبئی اور ملائیشیا تو وہ اکثر دو تین دن کے لیے جاتا رہتا تھا۔ مگر کبھی اتنی وحشت محسوس نہیں ہوئی تھی۔

اور پھر جس بیڈروم کے خواب دکھا کر افشاں نے اُسے اس گھر میں چھوڑا تھا۔

یہ تو وہ خواب گاہ ہی نہیں تھی۔ کوئی معمولی سی شے یعنی اس کا ہیئر برش تک یہاں نہیں تھا۔

وارڈ روب کھول کر دیکھا تو اس کے چھوڑے ہوئے قیمتی ملبوسات غائب تھے۔

وہ وحشت زدہ سی خواب گاہ سے باہر آ گئی۔ جیسے کسی نے وہاں سے دھکا دے کر نکالا ہو۔

کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ نیند نہیں آ رہی تو کیا کرے۔ کبھی ایک کمرہ کھول کر جھانکتی۔ کبھی دوسرا...... سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا چھوڑ کر گئی تھی سوائے اس کے بیڈروم کے...... واپس نیچے آتے ہوئے اس کی نظر اسٹور کے دروازے پر پڑی جو ٹھیک سے بند نہیں تھا اس نے ہینڈل گھما کر ٹھیک سے بند کرنے کی کوشش کی تو پتہ چلا ہینڈل ہی خراب ہو چکا ہے۔

ہینڈل چیک کرتے ہوئے دروازہ تھوڑا سا پیچھے ہوا تو وہ ہکا بکا رہ گئی۔

اس کے عروسی ملبوسات' قیمتی ساڑھیاں' شب خوابی کے لبادے' سینڈلز' سلیپرز' پرس' ہینڈ بیگز...... یوں زمین پر پڑے تھے جیسے کچرا کنڈی میں کچرا پھینکا گیا ہو۔

اس نے لائٹ آن کی۔ تو دور پڑی ہوئی یادگار تصویریں بھی فریم سمیت نظر آ گئیں۔

اس نے اپنی دلہن بنی ایک تصویر کی طرف دیکھا۔ بڑے سے فریم کے شیشے کرچی کرچی تھا۔

شیشے کا ذرہ ذرہ نفرت کا استعارہ تھا۔

وہ رات کے اگلے پہر...... ہولناک تنہائی میں نفرتوں کے عذاب سہنے کی ہمت مجتمع کرنے لگی۔

☆......☆......☆

کون......؟ ندا نیند میں اونگھتی جھومتی میں گیٹ تک آئی تھی۔

''سرپرائز......!'' شوخ جواب پس در آیا۔

ندا جو ثمر کے مضبوط تصور میں اُٹھ کر آئی تھی اور صرف احتیاط کے ضمن میں پوچھ گچھ کی تھی۔ بری طرح چونک پڑی۔

''ارسلان بھائی......!'' وہ گیٹ وا کر کے ہونقوں کی طرح ہلکی روشنی میں ارسلان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''ارے راستہ دو...... اور اپنی Eyes کو سنبھالو...... یہیں نہ گر پڑیں۔ اتنی حیرت؟ پہچانا نہیں......؟'' وہ درانہ بیگ گھسیٹتا اندر داخل ہو گیا۔

''اللہ...... Skyp پر تو اتنے موٹے لگتے ہیں۔ لیکن آپ تو بہت 'مہین' سے ہیں۔ آئی مس Thin......

(رشتوں کی نزاکت اور سفا کی دکھاتے اس سحر انگیز ناول کی اگلی قسط انشاء اللہ آئندہ ماہ ملاحظہ کیجیے)

مان

میں چاہے کتنی بھی خوبصورت ہو جاؤں کہ ساری دنیا میرے پیروں میں گر پڑے مگر میرے لیے بیکار ہے۔ تم مجھ سے جتنے غافل رہتے ہو، اور مجھے جب جب جتنا ذلیل کرتے ہو، مجھے خوشی ہوتی ہے۔ اصل میں تو میں اس رشتہ کو کسی اعزاز کی طرح......

یونیورسٹی کا پہلا دن یادگار تھا۔ اس کے خوابوں کی تکمیل کا آغاز ہو چکا تھا۔ وہ قدم جما جما کے یہاں تک پہنچی تھی۔ وہ بہت خوش تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کے دل کی دھڑکنوں کی رفتار بار بار اس کے قابو سے باہر ہو رہی تھی۔ کبھی ہاتھوں پر ٹھنڈے پسینے آنے لگتے تو کبھی کسی کے اچانک مخاطب کرنے پر چہرہ سرخ ہو جاتا۔

اب یہ گرلز کالج تو تھا نہیں جہاں بے فکری سے وہ چادر بیگ میں رکھ کے گھوما کرتی تھی۔ یہ یونیورسٹی تھی۔ یہاں شوخ وشنگ، حسن وخوبصورتی کے سارے رنگ سمیٹے لڑکیاں بھی تھیں اور زندہ دل لڑکے بھی...... اور وہ سدا کی شرمیلی...... اچھی طرح چادر کو سر پر جما کے اوڑھنے کے باوجود اسے یہی لگ رہا تھا کہ سب اسی کی طرف دیکھ رہے ہیں۔

''ہائے...... میں نوین جمشید ہوں...... اور تم......؟'' ایک خوبصورت اور طرح دار لڑکی ہاتھ بڑھائے اس کے سامنے کھڑی تھی۔

اس نے جھجکتے ہوئے نوین کا ہاتھ تھام لیا اور آہستہ سے کہا۔

''نجم السحر......''

''اوہ نجم السحر...... خوبصورت نام ہے...... فرسٹ ایئر آنرز......'' اس نے تصدیق چاہی۔

نجم السحر نے اثبات میں سر ہلایا۔

میں تو ڈھونڈ ڈھونڈ کے سارے فرسٹ ایئر والوں سے ملاقات کر رہی ہوں۔ لگتا ہے کہ آج کلاس نہیں ہوگی۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے تھامے چلنا شروع ہوگئی۔

ناچار اسے بھی اس کے ساتھ قدم بڑھانے پڑے۔

میں تو ڈاکٹر بننا چاہتی تھی۔ مجھے ڈاکٹرز بہت اچھے لگتے ہیں۔ مگر میرٹ پہ نام ہی نہیں آیا۔ کسی میڈیکل کالج نے مجھے ڈاکٹر بننے کی اجازت نہیں دی۔ وہ ہنسی۔

تو پھر میں نے سوچا MSC ہی کرلوں۔ ہوسکتا ہے کہ B.Sc Hons میں ہی بھاگ

جاؤں۔ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ دل لگنے کی بات ہے۔ اور تم......؟''

''میں...... میں تو MSC ہی کرنا چاہتی تھی۔ میڈیکل کے میرٹ پر تو میرا نام آ گیا تھا لیکن مجھے لیکچرر بننے کا شوق ہے۔ میں ڈاکٹر بننا نہیں چاہتی۔'' وہ جلدی سے بولی۔

''وہ تو تمہاری شکل ہی سے لگ رہا ہے صرف آج گھبرائی ہوئی ہو یا مستقل ہی ایسی رہتی ہو۔'' نوین پھر ہنسی۔

وہ جھینپ کے خاموش رہ گئی۔ مگر نوین کے درست اندازے کی دل ہی دل میں قائل ہو گئی۔ اس کا دل واقعی بہت کمزور تھا۔ وہ ہر ایک کی تکلیف میں اس سے زیادہ پریشان ہو جاتی تھی، خون اس سے دیکھا نہیں جاتا تھا۔ وہ بھلا ڈاکٹر کیسے بن سکتی تھی۔ اسے تو صرف پڑھنے پڑھانے کا شوق تھا۔

''چلو آؤ یہاں بیٹھتے ہیں۔ نوین اس کا ہاتھ تھامے نزدیکی بینچ پر بیٹھ گئی۔ ناچار اسے بھی وہیں بیٹھنا پڑا۔

مین بلاک کے سامنے طلباء و طالبات کا ایک جم غفیر موجود تھا۔ پرانے نئے آنے والوں کو گائیڈ کر رہے تھے۔ ہنسی قہقہے اور جوش و جذبے سے معمور یہ ماحول اسے اچھا لگنے لگا۔ آہستہ آہستہ اس کا خوف کم ہونے لگا تھا۔

ایک دو لڑکیاں سامنے سے گزریں تو نوین نے انہیں بھی روک لیا۔ وہ ان لڑکیوں کے ساتھ گپ شپ میں مصروف ہو گئی مگر نجم السحر خاموشی سے وہیں بیٹھی رہی۔ نوین ضرورت سے زیادہ سوشل تھی تو وہ حد سے زیادہ شرمیلی...... لیکن ان دونوں کے درمیان جو تعلق قائم ہوا تھا ابھی اس

تعلق کا کوئی واضح نام نہیں تھا۔ بس اسے نوین اچھی لگی تھی۔ اسے لگا کہ اس کی اور نوین کی دوستی ہو سکتی ہے۔

☆......☆......☆

گھر واپسی پر امی بے قراری سے منتظر ملیں۔ تینوں چھوٹے بھائی بہن بھی بے صبری سے اس کے قریب آ گئے۔

''کیسا رہا پہلا دن......'' سب کی ملی جلی آوازوں میں دبا دبا سا جوش تھا۔

''اچھا تھا......'' وہ مسکرائی۔

''یونیورسٹی میں تو بہت زیادہ پڑھنا پڑا ہوگا......'' مہر کے لہجے میں اشتیاق اور پریشانی دونوں موجود تھی۔

''آج تو پڑھائی ہی نہیں ہوئی، صرف تعارف ہی ہوا۔ پڑھائی تو کل سے شروع ہوگی باقاعدہ......'' اس نے محبت سے خود سے سات سال چھوٹی بہن کو دیکھا جو چھٹی کلاس میں پڑھتی تھی اور سب سے چھوٹی تھی۔

''یونیورسٹی میں بہت زیادہ پڑھنا ہوتا ہے۔ آپی اتنا پڑھیں گی تو انہیں بہت جلدی چشمہ لگ جائے گا اور سر کے سارے بال جھڑ جائیں گے۔'' اویس نے شرارتی انداز میں اسے دیکھا۔

''اللہ نہ کرے......'' امی فوراً میدان میں کود پڑیں۔ یہ ان کا دل ہی جانتا تھا کہ اسے یونیورسٹی میں داخل کروانے کے لیے اپنی نندوں سے کیسے نبرد آزما ہوئی تھیں۔

نجم السحر کی تینوں پھپھیوں کا خیال تھا کہ اسے آگے پڑھانے کی بجائے اس کی شادی کر دی جائے۔ بڑی پھوپھو تو اپنے صاحبزادے کا رشتہ بھی دے گئی تھیں۔

امی کے چہرے پر خوف دیکھ کر اسے ہنسی آ گئی۔ ''ایسا کچھ نہیں ہوگا آپ بے فکر رہیں۔'' وہ ماں سے لپٹ کر بولی۔

''اور دوستی ہوئی کسی سے......'' ارم کو خیال آیا۔ ارم فرسٹ ایئر میں آ گئی تھی اور اس کی بہن کم اور دوست زیادہ تھی۔

''دوستی......'' اس نے دوستی کو لمبا کر کے کھینچا۔

اس کے ذہن میں نوین کی شبیہہ لہرائی۔ اس سے ہی اس کی تھوڑی بہت بات چیت ہو پائی تھی۔ پتا نہیں دوستی ہوئی تھی یا نہیں......ہوسکتا ہے کل نوین کو وہ یاد بھی نہ رہے۔ وہ اسے ایسی ہی لگی تھی۔ بے پرواہ، اپنے آپ میں مگن۔

اس کا خیال جلد ہی درست ثابت ہو گیا۔

نوین کی مقبولیت کا گراف دن بدن اوپر کی طرف گامزن تھا۔ لڑکیوں سے زیادہ اس کی دوستی لڑکوں کے ساتھ تھی۔ وہ بلاشبہ خوبصورت تھی۔ اور اسے اس حسن کو دو آتشہ بنانے کے ہنر بھی آتے تھے۔ اپ ٹو ڈیٹ لباس، خوبصورتی سے کٹے ہوئے بال اور سلیقے سے کیا گیا میک اپ اسے سب سے منفرد بناتا تھا۔ پھر اس کے انداز سب سے سوا تھے۔ سو ہر ایک نوین سے دو گھڑی بات کرنے کو بے قرار، اپنی جاں نثار کرنے کو تیار......اور نوین کسی کا دل توڑنا نہیں چاہتی تھی۔

نوین کے ساتھ رہتے ہوئے اس کا وجود ایک دم پسِ پردہ چلا جاتا تھا۔ سادہ حلیہ اور بڑی سی چادر......شاید وہ اتنی غیر اہم نہ محسوس ہوتی اگر نوین کے ساتھ کھڑی نہ ہوتی۔ خوبصورت تو وہ بھی کم نہ تھی۔ لمبا قد، متناسب بدن، گلابی رنگت اور خوبصورت نین نقوش......اسے اندازہ ہوا کہ خوبصورت ہونا اور بات ہے اور خوبصورت نظر آنا بالکل دوسری بات......نوین کو خوبصورت ترین نظر

آنے کا فن آتا تھا۔

اسے نوین کی مقبولیت اور خوبصورتی سے سروکار بھی نہ تھا۔ اس کی توجہ تمام کی تمام اپنی پڑھائی پر تھی اور نوین کو پڑھائی کے علاوہ ہر چیز سے دلچسپی تھی۔

نوین کے ساتھ ثانیہ اور شفق بھی شامل ہوگئیں جو نوین کے اطوار کے ساتھ مطابقت رکھتی تھیں۔ نجم السحر نے جلد ہی خود کو اس گروپ میں Odd محسوس کرنا شروع کر دیا۔ نوین کو اس کی چادر پر اعتراض تھا۔

ثانیہ کو اس کی تمام کلاسز اٹینڈ کرنا برا لگتا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ ان سب کے سبجیکٹس ایک ہی تھے اور نجم السحر کے لیکچرز ہی ان کے کام آتے تھے۔ شفق اس کی کنزرویٹو سوچ کے خلاف تھی۔

اور وہ خود ان تینوں کی موج مستی سے پریشان...... نہ وہ ان کا ساتھ دے سکتی تھی اور نہ ہی وہ تینوں اس کے لیے بدلنے کو تیار تھیں۔ سو نتیجہ صاف ظاہر تھا پہلا سمسٹر ختم ہونے سے پہلے ہی وہ اس گروپ سے کنارہ کش ہوگئی۔

اور عفت اور منیرہ کے گروپ میں شامل ہوگئی۔ وہ گروپ بھی پڑھاکو مشہور تھا۔ نوین کے تسلط سے نکل کر اس نے سکھ کا سانس لیا۔

گو کہ نوین کو اس علیحدگی پر کافی اعتراض تھا۔ وہ اپنی دانست میں نجم السحر کو ٹھیک کرنا چاہتی تھی۔ نجم السحر میں خود اعتمادی پیدا کرنے کی خواہش مند تھی۔ مگر نجم السحر اس کی خود اعتمادی کے مظاہرے دیکھ دیکھ کر خود اعتمادی کے نام سے بھی خائف ہوگئی تھی۔

دوسرے سیمسٹر کے اختتام تک نوین اور اس کا گروپ یونیورسٹی گیر شہرت حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

وہ پوری یونیورسٹی میں بیوٹی کوئن کے نام سے مشہور ہو چکی تھی۔ نوین اس ٹائٹل پر خوشی سے پھولی نہ سماتی۔ اسی طرح اس کی دوستیاں بھی لامحدود ہو چکی تھیں۔ اگلا سال اس کا دوستیاں نبھاتے ہی گزرا۔

اپنے ڈپارٹمنٹ سے بات باہر نکلی تو فیکلٹی پر پہنچی اور پھر یونیورسٹی تک جا پہنچی وہ مختلف ایریز کے لڑکوں کے ساتھ گھومتی دکھائی دینے لگی۔

کوئی بھی دوستی تین چار ماہ سے زیادہ نہ چل پاتی۔ جن لوگوں کی نگاہوں میں اس کے لیے رشک وحسد ہوتا تھا اب حقارت جھلکتی تھی۔ نجم السحر کو واقعی افسوس ہوا۔ وہ اس سے کترائی کترائی رہتی تھی۔ مگر ہمت کر کے ایک بار اسے ٹوک ہی دیا۔ اس کے ٹوکنے پر نوین برا منانے کے بجائے خوب ہنسی۔

''اسٹوپڈ...... وہ میرے دوست ہیں۔ اور کچھ نہیں۔ وہ جو میرا ہیرو ہوگا وہ ابھی تک تو ملا ہی نہیں۔'' وہ ہنستی رہی اور نجم السحر شرمندہ ہوتی رہی۔ پھر اس نے جو نیا ساتھی چنا وہ اور کسی کا تو پتا نہیں نجم السحر کے لیے ایک عظیم شاک تھا۔

معظم واسطی سے نجم السحر کو ہرگز ایسی امید نہ تھی کہ وہ بھی نوین کے فرینڈ لسٹ میں شامل ہو جائے گا۔

معظم کلاس کا سب سے ڈیسنٹ لڑکا تھا۔ وہ ذہین تھا کہ کلاس کے ٹاپ فائیو اسٹوڈنٹس میں اُس کا نام رہتا تھا۔ وہ ہینڈسم تھا۔ مگر اس نے کبھی لڑکیوں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے کوئی اوچھی حرکت نہیں کی تھی۔ وہ اپنے کام سے کام رکھنے والا انسان تھا۔ اس کی آنکھوں میں حیا اور لہجے میں شائستگی ہوتی تھی۔ نجم السحر کے دل میں اس کی ایک خاموش حیثیت تھی۔ شاید وہ اسے اچھا لگنے لگا

تھا۔ نجم السحر جس نے اپنے اوپر از خود بہت ساری پابندیاں عائد کر رکھی تھیں۔ ناک کی سیدھ میں چلنے والی لڑکی کو کوئی اچھا لگ جائے تو یہ بھی اس کے لیے ایک مقدس راز کے سوا اور کیا تھا...... مگر نوین کے ساتھ معظم کو دیکھ کر اس کا دل صدمے سے چُور ہو گیا۔ کم از کم معظم کو اس استعمال شدہ ٹشو پیپر سے اپنے صاف ستھرے ہاتھ نہیں پونچھنے چاہیے تھے۔ مرد کی عقل پر جب پتھر پڑ جاتے ہیں تو اس کی بصارت اور بصیرت دونوں ہی بے کار ہو جاتی ہیں۔ معظم کے ساتھ شاید یہی ہوا تھا۔

اسے نوین جمشید کا قرب کیا ملا، اس کی تو دنیا ہی بدل گئی۔

خاموش طبع اپنے کام سے کام رکھنے والا معظم واسطی اب آنکھوں میں شوخی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے اپنی لیلیٰ کے ساتھ ایسا محو ہوا کہ مجنوں مشہور ہو گیا۔ دونوں کبھی کیفے ٹیریا تو کبھی لائبریری تو کبھی درختوں کے جھنڈ تلے گھاس پہ بیٹھے راز و نیاز میں مصروف دکھائی دینے لگے۔ وہ دنیا سے غافل ہوں گے مگر دنیا ان سے غافل نہیں تھی۔ سب کی نگاہیں ان دونوں پر ہی مرکوز تھیں سب سانس روکے منتظر تھے کہ اس نئے ساتھ کا بریک اپ کب ہوتا ہے۔ اور سب سے زیادہ اس خبر کی منتظر نجم السحر تھی۔ نہ جانے کیوں......؟

لیکن یہ خبر اسے نہ مل سکی۔ یہاں تک کہ سب کی تعلیم مکمل ہونے کا وقت قریب آ گیا۔ وقت دبے پاؤں گزرتا تھا مگر اس کا ہر قدم نجم السحر کے کلیجے پر پڑا تھا۔

وہ اپنے اور معظم واسطی کے بے نام تعلق کو کوئی عنوان دینے سے قاصر تھی۔ اسے معظم اچھا لگتا تھا۔ بالکل اپنا اپنا سا لگتا تھا مگر معظم کو وہ کیسی لگتی تھی یہ اسے نہیں پتا تھا۔ ان دونوں کے درمیان بے تکلفی تو کجا بات چیت تک نہ تھی۔ مگر پھر بھی نہ جانے کیوں......؟

سب تعلیم مکمل ہونے پر خوش تھے۔ باقی کلاس کو تو صرف MSC کی ڈگری ملی مگر معظم کو نوین اور نوین کو معظم بھی مل گئے۔ دونوں کی شادی بہت دھوم دھام سے ہوئی۔ دونوں نے پوری کلاس کو دعوت نامہ دیا تھا مگر ظاہر ہے نجم السحر کے جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

جس دن نوین دلہن بنی اس دن نجم السحر نے شاید آخری بار غور سے آئینہ دیکھا۔ اسے اپنی گلابی رنگت، بڑی بڑی حسین آنکھوں اور لمبے گھنے سیاہ بالوں کو دیکھ کر وحشت ہونے لگی۔ کیا فائدہ......؟ اس حسن کا کیا فائدہ جو اس کی نگاہوں میں جچا ہی نہیں۔ نوین کو تو کوئی بھی مل جاتا کاش وہ معظم واسطی پر اپنی نگاہِ کرم نہ کرتی کاش...... اس کاش کے آگے اندھیرے کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

پھوپو پھر سے سوالی بنی دروازے پر کھڑی تھیں اور اس کے ماں باپ نے بخوشی اپنی پیاری بیٹی عزیز مختار کے عقد میں دے دی۔

عزیز مختار اسے بھی عزیز نہ ہو سکا۔

سچ ہے کہ پہلی چیز انسان کی شکل و صورت اور قد بدن ہوتا ہے جو کسی دوسرے کو پہلی نظر میں اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ عزیز ظاہری شکل و صورت میں اگر مات کھاتا تھا مگر اس کا رویہ نجم السحر کے ساتھ اچھا ہوتا تو شاید نجم السحر کچھ دنوں میں بہل جاتی۔ مگر وہ رنگت کا جتنا کالا تھا زبان کا اسی قدر کڑوا...... نجم السحر کے گزرتے ماہ و سال دل پر بوجھ بڑھاتے ہی چلے گئے۔

شادی کے تین سال اسے تین بیٹیوں کا تحفہ دے گئے۔ ہر بیٹی کی پیدائش پر عزیز مختار کے

ماتھے کے بل اور گہرے ہو جاتے۔ اور اس کی زندگی کا محور اسکی بچیاں بنتی چلی گئیں۔ وہ اپنے بارے میں سوچنا اب مکمل طور پر چھوڑ چکی تھی۔ عزیز کا ہاتھ بھی اس کے دل کی طرح تنگ تھا جو بچیوں کی پیدائش کے بعد اور تنگ ہو گیا۔ بچیوں کی ضروریات بڑھتی جا رہی تھیں۔ اس نے اپنی MSC کی ڈگری نکالی۔ برسوں پرانا خواب بھی یاد آیا۔

میں کسی اسکول یا کالج میں جاب کرلوں۔ اس نے ہمت کر کے عزیز سے پوچھا۔

عزیز نے ایک نگاہِ غلط اس کے اوپر ڈالی ...... نہیں۔''

''کچھ پیسے ہاتھ آ جاتے تو......'' اُس کا جملہ مکمل ہی نہیں ہو پایا، عزیز درمیان میں بول پڑا۔

''کچھ پیسوں کے لیے میں ذہنی عذاب نہیں مول لے سکتا۔''

''ذہنی عذاب......'' وہ نا سمجھنے والے انداز میں بولی۔

''مجھے پاگل سمجھتی ہو...... اتنی خوبصورت بیوی کو میں جاب کے نام پر گھر سے باہر نکال دوں اور پھر خود ہر وقت واہموں اور وسوسوں کا شکار رہوں؟'' وہ حتمی انداز میں بولا۔

وہ حیران و پریشان اُس کی شکل دیکھنے لگی۔ اس نے نہ جانے کیا کہا تھا مگر نجم السحر کی سوئی ''خوبصورت بیوی'' پر جا اٹکی۔

''کیا واقعی میں عزیز کو خوبصورت لگتی ہوں۔'' اس نے نظر بھر کے اپنے عام سے شوہر کو دیکھا جو اپنی بات مکمل کر کے اب کھانے کے ساتھ انصاف کر رہا تھا۔

آج تک عزیز کے منہ سے اس نے اپنی کوئی تعریف نہیں سنی تھی اور اب اس کے دل میں اپنے چاہے جانے یا سراہے جانے کا کوئی ارمان بھی باقی نہیں رہا تھا۔

اس نے تعریف بھی کی تو کس انداز میں...... نجم السحر کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی......

''اونہہ...... نہ جانے عزیز کو کون سا خوف ہے؟''

میں چاہے کتنی بھی خوبصورت ہوں جاؤں کہ ساری دنیا میرے پیروں میں گر پڑے مگر میرے لیے بیکار ہے۔ تم مجھ سے جتنے غافل رہتے ہو، اور مجھے جب جب جتنا ذلیل کرتے ہو، مجھے خوشی ہوتی ہے۔ اصل میں تو میں اس رشتہ کو کسی اعزاز کی طرح نہیں بلکہ خود کو ملنے والی سزا کے طور پر نبھانا چاہتی ہوں۔ اس کے دل کے گوشوں میں پرانی تکلیفیں جاگنے لگیں۔ عزیز کے ساتھ گزرتے شب و روز اس کے لیے ہرگز آسان ثابت نہیں ہوئے تھے۔

''چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے کی عادت ڈالو۔'' عزیز نے اسے مسلسل خاموش دیکھ کر اس بار قدرے نرم لہجے میں کہا۔

ایک وقت تھا جب نجم السحر کی ماں نے اسے چادر سر سے نہ اتارنے کی نصیحت کی تھی اور آج زندگی میں پھر وہی چادر آ گئی تھی۔ اُس کا شوہر اسے چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے کی نصیحت کر رہا تھا۔

آگے کی ساری زندگی اسی کشمکش کا شکار رہی۔ کبھی چادر سر سے اترنے کا خوف تو کبھی پاؤں چادر سے باہر نکلنے کا ڈر...... اسی طرح بیس برس گزر گئے۔ بچیاں جوان ہو گئیں تو اس نے اسی چادر کا بوجھ ان کے ناتواں کندھوں پر بھی ڈال دیا۔ وہ بچیوں کو اس کے علاوہ اور دے بھی کیا سکتی

تھی۔ سو یہی چادر ایک امانت کی طرح ان کو منتقل کر دی۔

بچیوں کے نکلتے ہوئے قد اسے پریشان کرنے لگے۔ عزیز کو گھر کے معاملات سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا۔ وہ اپنے لگے بندھے معمولات پر چلنے کا عادی تھا۔ اسے بیٹا نہ ہونے کا ملال تھا یہ ملال اسے بیوی کے ساتھ ساتھ بیٹیوں سے بھی غافل کرتا چلا گیا۔ نجم السحر اپنے دل کی کوئی بات بھی عزیز سے آج تک کہہ نہیں پائی تھی۔

اس نے اپنی کچھ ملنے جلنے والیوں سے اپنی پریشانی کا ذکر کیا۔ تینوں بیٹیاں لگ بھگ برابر ہی لگنے لگی تھیں۔ سال سال کا تو فرق تھا تینوں میں جو اب محسوس بھی نہیں ہوتا تھا۔ اپنی منتوں مرادوں سے حاصل کی گئی MSC کی ڈگری کا حشر اس کے سامنے تھا۔ اس نے سوچ رکھا تھا کہ اعلیٰ تعلیم کے حصول کا انتظار کیے بغیر جب جس بیٹی کا کوئی مناسب رشتہ آ گیا وہ فرض ادا کر دے گی۔

بات اس کے منہ سے نکلی ہی تھی کہ پڑوس میں رہنے والی صادقہ بھابی اگلے ہی دن اس کے گھر موجود تھیں۔ ان کی خالہ زاد بہن کا بڑا بیٹا تھا۔ جس کے لیے وہ لوگ رشتہ دیکھ رہے تھے۔ کھاتے پیتے لوگ تھے، لڑکا اعلیٰ تعلیم یافتہ اور برسرِ روزگار تھا۔

ان لوگوں کی بھی کوئی ڈیمانڈ نہ تھی صرف خوبصورت اور اچھے خاندان کی لڑکی طلب تھی۔ باقی تفصیلات ملاقات تک موخر کر دی گئیں۔ نجم السحر نے ان لوگوں کو گھر بلوالیا۔ لڑکے کی تصویر دیکھ کر تو اسے وہ بہت معقول لگا تھا۔ اگلے ہفتے ہی وہ لوگ موجود تھے۔

لڑکے کے والد حیات نہیں تھے۔ وہ اپنے چچا، چچی اور والدہ کے ساتھ آیا تھا۔ عزیز اُس کو اُس کے چچا کے ساتھ لے کر باہر ڈرائنگ روم کی

طرف بیٹھ گیا اور خواتین اندر آ گئیں۔

عالیہ کی خوبصورتی اور معصومیت پر وہ دونوں خواتین فوراً ہی فریفتہ ہو گئیں۔ نجم السحر کو بھی وہ دونوں خواتین بہت سلجھی ہوئی سمجھدار لگیں۔

خوشگوار ماحول میں بات چیت ہوئی۔ نجم السحر کو محسوس ہو رہا تھا کہ یہاں بات بن جائے گی۔

ان لوگوں کی واپسی کے وقت نجم السحر نے لڑکے کو بھی دیکھا۔ وہ اسے جی جان سے پسند آ گیا۔ بالکل عالیہ کے جوڑ کا تھا۔ لڑکے کے چچا نے آگے بڑھ کر اچانک اسے مخاطب کیا۔ نجم السحر نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ اور ساکت رہ گئی۔

اس نے ابھی تک ان کو غور سے نہیں دیکھا تھا اور جو دیکھا تو بس جیسے سب کچھ تھم گیا۔

''اگر میں غلطی نہیں کر رہا ہوں تو آپ نجم السحر ہیں۔ میں پچھلے دو منٹ سے یہی سوچ رہا ہوں کہ آپ نجم السحر ہیں۔'' نجم السحر نے بمشکل معظم واسطی کی طرف نظر اٹھائی۔ وہ کسی حد تک بدل گیا تھا۔ مگر پھر بھی معظم واسطی ہی تھا۔

''آپ بہت کم تبدیل ہوئی ہیں، اس گزرتے وقت نے کوئی خاص اثرات نہیں چھوڑے آپ پر......'' وہ مسکرا رہا تھا اور عزیز کے چہرے پر پہلے سے پھیلی مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔

نجم السحر نے اس کے برابر کھڑی اس کی بیوی پر نظر دوڑائی۔ یہ نوین تو ہرگز نہیں تھی۔ اپنا نام بھی تو اس نے شاہینہ معظم بتایا تھا۔

دل میں عجیب سی دھکڑ پکڑ ہو رہی تھی۔ وہ کوئی نو عمر دوشیزہ تو نہیں تھی مگر جو دل جتنا معصوم ہوتا ہے اس کے جذبے اتنے ہی خالص ہوتے ہیں۔

ہر قسم کی گندگی سے پاک چیزیں زیادہ دیر تک تروتازہ رہتی ہیں۔

یہ تو بہت خوشی کی بات ہے کہ عالیہ آپ کی صاحبزادی ہیں۔ بھئی عزیز صاحب آپ کی بیگم یونیورسٹی میں میری کلاس فیلو تھیں۔ پڑھنے لکھنے میں سب سے ٹاپ پر تھیں۔ بڑی عزت کرتے تھے سب ان کی...... '' وہ ہنس ہنس کے عزیز کو وہ بات بتا رہا تھا جس کو اس نے کبھی اہمیت نہیں دی۔ وہ خاموش کھڑی مسکراتی رہی۔

'' اب تو آنا جانا رہے گا۔'' ارسلان کی والدہ نے مسکرا کے اسے گلے لگایا۔ یہ جملہ امید افزاء تھا۔ اس کے دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ عالیہ کا رشتہ اتنی اچھی جگہ اتنے آرام سے طے ہو جائے گا اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد عزیز ضرورت سے زیادہ خاموش تھا۔

وہ خوشی جو ان لوگوں کی آمد پر اس کے چہرے پر نظر آئی تھی۔ وہ اب مکمل طور پر غائب تھی۔

'' تو یہ تمہارا سابقہ کلاس فیلو تھا۔'' اس کے انداز میں ایک عجیب سی ٹھنڈک تھی۔

'' جی......'' اس نے سرسری انداز میں کہا۔

'' صرف کلاس فیلو......'' اس نے آنکھیں نجم السحر پر مرکوز کر دیں۔

'' جی صرف کلاس فیلو...... اور صرف......'' اس نے عزیز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے جواب دیا۔

'' پہچانا تو تمہیں ایسے تھا جیسے بہت قریبی دوستی رہی ہو۔ کس قدر خوش ہوا تھا تمہیں دیکھ کر۔'' عزیز کے لہجے میں شک بلکورے لے رہا تھا۔

جس تعلق میں کوئی چوری ہو اسے سرعام ظاہر نہیں کیا جاتا۔'' نجم السحر کا لہجہ سخت ہو گیا۔ عزیز اس کے سامنے پہلی بار گڑبڑا گیا۔

'' مجھے لڑکا بے حد پسند آیا ہے...... شریف ہے اور بہت اچھے اخلاق کا بھی ہے۔'' اس نے فوراً بات گھما دی۔

'' لڑکا اور اس کا خاندان واقعی اچھا ہے۔ میری بیٹی کے نصیب اچھے ہوں اور کیا چاہیے۔'' نجم السحر کی آواز بھر آئی۔

وہ وہاں سے اُٹھ کر کچن میں آ گئی۔ جو اس کی جائے پناہ تھا۔

جب وہ عزیز سے چھپنا چاہتی تھی یہیں آ کے گم ہو جایا کرتی تھی۔ اسے معلوم تھا عزیز کبھی یہاں جھانکنے کا بھی نہیں۔ بھلے اس کے اور عزیز کی ذہنی سطح میں فرق ہو۔ دلوں میں فاصلے ہوں، لیکن وہ عزیز کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھی۔ وہ اس کے خیالات پڑھ لیتی تھی۔ یہ اور بات کہ اس کے خیالات پڑھنے کے بعد نجم السحر کی مایوسی میں اور اضافہ ہو جاتا تھا۔

☆......☆......☆

ٹیلی فون اٹھانے پر اس کے گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ فون معظم واسطی کا بھی ہو سکتا ہے۔ اس کی آواز سن کر وہ پریشان ہو گئی۔

'' کیسی ہو......؟'' وہ غالباً مسکرایا ہو گا۔

'' میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟'' اس نے آہستہ سے کہا۔

وہ جس کو اس نے اپنے دل میں ایک خاص مقام دیا تھا، یوں اچانک سامنے آ جائے گا یہ اُس نے خواب میں بھی نہ سوچا تھا۔ کچھ چیزیں انسان کے بس سے باہر ہوتی ہیں۔ اس پر ہر دلیل بے کار ہو جاتی ہے۔ عزیز سے شادی اس نے پورے خلوص سے نبھائی۔ اگر عزیز محبت کرنے والا شوہر

ہوتا تو شاید وہ معظم کو بھول بھی جاتی مگر عزیز کی
پہنچائی ہر تکلیف' اس کے طنزیہ جملوں کے ہر تیر کو
برداشت کرنے کے بعد پہلا خیال اُس کے ذہن
میں یہی آتا...... اگر عزیز کی جگہ معظم ہوتا تو کیا وہ
بھی یہی کرتا؟''

اس سوال کا جواب ہمیشہ نفی میں ملتا۔ معظم
جیسا خوش اخلاق اور تمیزدار انسان کوئی گھٹیا
حرکت کر ہی نہیں سکتا۔ اسے نوین کی قسمت پر
رشک آیا کرتا تھا۔ اپنا نقصان اور زیادہ محسوس ہوا
کرتا تھا۔

اتنے سالوں کے بعد تمہیں دیکھا...... بہت
اچھا لگا، بہت خوشی ہوئی۔'' وہ شاید ہنسا۔

نجم السحر کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ اس بات کا کیا
جواب دے۔

زمانہ طالب علمی میں ان دونوں کے درمیان
نہ کوئی دوستی تھی اور نہ بے تکلفی' نجم السحر تو ویسے بھی
لیے دیے رہنے والی لڑکی تھی اور معظم بھی لڑکیوں
کی عزت تو کرتا تھا مگر خوامخواہ بے تکلف کسی سے
نہ ہوتا تھا۔

''میں نے تمہیں پچھلے برسوں میں بہت یاد
کیا۔ سچ پوچھو تو صرف تمہیں ہی یاد کیا۔'' اس نے
آہستہ سے کہا۔

نجم السحر کو ایسا لگا جیسے اس نے کچھ غلط سنا
ہے۔ وہ جلدی سے ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس
کے ہاتھ پیر اچانک سنسنانے لگے تھے۔

''آج مجھے اعتراف کرنے دو...... پتا نہیں
اب یہ بات مجھے کہنی چاہیے یا نہیں...... مگر سچ
پوچھو تو مجھے آج تک احساسِ زیاں چین نہیں لینے
دیتا۔''

میری زندگی بہت پُرسکون گزر جاتی اگر میں
نوین سے شادی کی بیوقوفی نہ کرتا۔ میں تو اپنے
لیے کچھ اور سوچے بیٹھا تھا۔ میں کسی اور کو اپنی
شریکِ حیات کے طور پر منتخب کر چکا تھا اور
مناسب وقت کے انتظار میں تھا کہ اچانک نوین
میری زندگی میں داخل ہوگئی۔ وہ ایسے آئی کہ ہر
چیز پر چھا گئی۔ میری عقل ہوش وحواس سب خبط
سے ہوگیا۔ انسان تو تھا نہ میں...... غلطی کا
پُتلا......'' وہ ہنسا۔ نجم السحر خاموش رہی۔ وہ یہ
سب اسے کیوں سنا رہا ہے۔ اس نے تو کچھ پوچھا
بھی نہیں تھا۔ وہ سوچتی رہی۔

''دھواں دھار عشق کے بعد جب میں نے
نوین سے شادی کی تو مجھے لگا جیسے اس وقت مجھ
سے زیادہ خوش نصیب اور کوئی نہیں ہے۔ جس
کے لیے ساری دنیا پاگل ہے وہ میری ہے۔ لیکن
وہ جس طرح آندھی طوفان کی طرح میری زندگی
میں آئی اسی طرح میری زندگی کو طوفانوں کے
سپرد کر کے آرام سے چلی گئی۔ جس عورت میں حیا
نہ ہو وہ دنیا کی سب سے بدصورت عورت ہوتی
ہے۔ اس کے جانے کے بعد جب کچھ عرصے کے
بعد میری ذہنی حالت نارمل ہوئی تب مجھے تم یاد
آئیں۔ میرے گھر والے میری فوراً شادی کردینا
چاہتے تھے۔ اور میں دوبارہ کوئی رسک نہیں لینا
چاہتا تھا۔ میں نے تم کو ڈھونڈا اگر تم نہ ملیں۔''

''شریکِ حیات کا انتخاب نہ جانے انسان
کے اختیار کی چیز ہے یا نہیں...... کچھ چیزیں مکمل
طور پر قسمت کے رحم وکرم پر ہوتی ہیں۔ قسمت
اچھی ہوتی ہے سب ٹھیک ہوجاتا ہے ورنہ
نہیں...... انسان تو بس اپنی محدود عقل سے تھوڑا
بہت ہاتھ پاؤں مار سکتا ہے اور بس......''

''تم بہت اچھی تھیں نجم السحر...... سب
تمہارے کردار کے معترف تھے۔ اس سے بڑھ کر
اور کوئی حسن نہیں...... تمہارے شوہر بہت خوش

نصیب آدمی ہیں۔ خیر مجھے شاہینہ مل گئی...... وہ بھی بہت سمجھدار خاتون ہے۔ اس نے مجھے بہت سنبھالا ہے۔

''میں ہی بولتا جارہا ہوں۔ بھئی تم بھی تو کچھ کہو۔ معظم کو اس کی خاموشی کھلی۔ معظم بہت بدل گیا تھا۔ وہ جس بے تکلفی سے بول رہا تھا، حیران کن تھی۔

''کیا بولوں...... میرے پاس بولنے کے لیے کچھ بھی نہیں۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''بہرحال یہ تو گزری باتیں تھیں...... تمہیں دیکھا تو سب یاد آ گیا۔ میں تو اب امریکہ میں رہتا ہوں۔ شاہینہ اور اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ...... ارسلان میرا سب سے بڑا بھتیجا ہے۔ لوگ اس کو مزاجاً اور شکلاً مجھ سے ملاتے ہیں۔ لیکن وہ مجھ سے زیادہ سمجھدار ہے۔ اس نے اپنی زندگی کا یہ اہم فیصلہ بزرگوں کے سپرد کر دیا اور دیکھو فائدے میں رہا۔ عالیہ تمہاری بیٹی ہے۔ بس اس سے زیادہ ہمیں اور کسی اطمینان کی ضرورت نہیں۔ بھابی اور شاہینہ اس کی خوبصورتی کی تعریف کر رہی ہیں اور مجھے اس میں وہ کردار کی بڑائی نظر آ رہی ہے جو تمہارے مزاج کا حصہ تھی۔ وہ بولتا رہا۔ نجم السحر کی آنکھوں سے تواتر سے آنسو بہہ رہے تھے۔

دنیا کے ہر جذبے سے زیادہ قیمتی وہ عزت ہوتی ہے جو کسی کے دل میں پیدا ہو اور قائم رہے۔ تعلقات کے اتار چڑھاؤ سے سب سے پہلی زد جس چیز پر پڑتی ہے وہ عزت ہی ہوتی ہے یا تو یہ رہتی ہے یا ختم ہو جاتی ہے درمیان کا کوئی راستہ ہے ہی نہیں...... محبت کے بغیر عزت سے بہت اچھا گزارا کیا جا سکتا ہے مگر عزت کے بغیر محبت اپاہج ہو جاتی ہے۔ اور شاید معظم اور نوین کے سلسلے میں یہی ہوا تھا۔ دونوں کی اپاہج محبت زیادہ دیر تک دونوں کا ساتھ نہیں دے سکی تھی۔

''اور اگر عزت اور محبت دونوں ساتھ ساتھ مل جائیں تو انسان بہت خوش نصیب ہوتا ہے۔ بہت خوش نصیب تو دنیا میں کم ہی ہوتے ہیں۔'' اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔

اب میں مطمئن زندگی گزار رہا ہوں۔ اور بہت خوش ہوں کہ ارسلان تمہارا داماد بننے جارہا ہے۔ دو تین دنوں میں ہم باقاعدہ رشتہ لے کر آئیں گے۔

''امید ہے تمہاری طرف سے بھی انکار نہیں ہوگا۔'' اس کے لہجے میں خوشی تھی۔ وہ خاموش رہی۔

''ہیلو...... تم سن رہی ہو ناں...... تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں، تم خوش ہو ناں......'' معظم بچوں کی طرح جذباتی ہو رہا تھا۔

''میرے لیے خوشی اب کچھ اور مفہوم رکھتی ہے۔ جس دن کوئی دکھ نہ ملے وہ مجھے خوشی جیسا لگتا ہے۔'' نجم السحر نے آہستہ سے کہا۔

''کیا مطلب......؟'' وہ ایکدم سنجیدہ ہو گیا۔

''محبت اگر قسمت میں نہ ہو تو اسے کوئی حاصل نہیں کر سکتا۔ عزت اگر نصیب میں نہ ہو تو اس کا پانا بھی مشکل...... پھر یہ تو تقدیر کے فیصلے ہوتے ہیں ناں کہ کس کے مقدر میں کیا لکھا ہے۔ انسان تو صرف کوشش کر سکتا ہے۔''

''کل میرے شوہر نے آپ کو دیکھ کر مجھ سے ایک سوال پوچھا۔'' نجم السحر نے اچانک کہا۔

''کیسا سوال؟'' معظم نے حیرانی سے پوچھا۔

''میرے شوہر ایک سخت گیر اصول پسند انسان ہیں۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا آپ

میرے صرف کلاس فیلو ہیں.....؟'' میں نے جواب دیا۔ ہاں..... اور زندگی میں پہلی بار ان سے جھوٹ بولا۔ اور میں اب ان سے اور جھوٹ بولنا نہیں چاہتی۔ آپ سے التجا ہے کہ آپ اب دوبارہ میرے سامنے مت آیئے گا۔ اب نہ میں عزت کی سولی پر لٹک سکتی ہوں اور نہ محبت کے پاتال میں چھلانگ لگا سکتی ہوں۔ میرے حال پر رحم کیجیے۔'' نجم السحر نے فون بند کر دیا۔

کچھ باتیں ان کہی اور ان سنی رہ جاتی ہیں۔ کسی راز کی طرح سینے میں دفن ہو جاتی ہیں۔ معظم واسطی نے دفن شدہ مردے کو باہر نکال کے اس کی بے حرمتی کی تھی۔

☆......☆......☆

گو کہ نجم السحر کو ذرہ برابر بھی امید نہیں تھی مگر چند دنوں کے بعد مسز اعظم ارسلان کے ہمراہ اس کے گھر موجود تھیں۔

میں نے سوچا رشتہ لاؤں پھر منگنی کروں اور اس کے بعد شادی کے دن گنوں۔ اتنا انتظار کون کرے..... آج سیدھی سادی بات پکی کر لیتے ہیں اور چند دنوں میں شادی کی تاریخ پکی کر لیں گے۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں۔ انہوں نے اپنی انگلی سے انگوٹھی اُتار کے عالیہ کی انگلی میں پہناتے ہوئے کہا۔ نجم السحر کے پاس انکار کی گنجائش کہاں تھی۔

عزیز نے ان چند دنوں میں دس مرتبہ تو پوچھا تھا، ان کا کوئی فون آیا؟'' عالیہ کی بے قرار نگاہیں جو اس سے خاموش سوال پوچھا کرتی تھیں اور خود وہ جو معظم سے آخری گفتگو کے بعد سولی پر لٹکی تھی۔ وہ مسکرا کے سر ہلانے لگی۔ مسز اعظم خوشی خوشی بولیں۔ ''کسی تردد کی ضرورت نہیں..... تاریخ ذرا جلدی کی دے دیں تو اچھا ہے۔''

''ٹھیک ہے..... جیسا آپ کہیں..... آج معظم اور شاہینہ ان کے ہمراہ نہیں تھے۔ اس کے دل میں کھد بد تو ہو رہی تھی مگر وہ چپ ہی رہی۔ اس سوال کا جواب مسز اعظم نے خود ہی دے دیا۔

''میرے دیور دیورانی بڑے سالوں کے بعد پاکستان آئے تھے۔ میں تو ان کے سامنے ہی ارسلان کی شادی کرنا چاہ رہی تھی مگر ان کو اچانک ہی واپس جانا پڑا۔ ملازمت کے بھی سو بکھیڑے ہوتے ہیں۔ کہا تو ہے کہ شادی میں شریک ہوں گے مگر مجھے نہیں لگتا۔ امریکہ سے روز روز آنا آسان ہوتا ہے کیا۔ وہ اپنی دھن میں کہے جا رہی تھیں۔ اور وہ سوچ رہی تھی امریکہ سے آنا جانا چاہے آسان ہو نہیں مگر کسی کے دل سے جانا واقعی آسان نہیں ہوتا۔ معظم نے واپس جا کر اس کا مان رکھ لیا تھا۔

ان کہی داستانوں کی بازگشت بھی ادھوری ہوتی ہے۔

وقت کی گرد بہت ساری یادوں کو ڈھانپ ضرور لیتی ہے کہ نظروں سے اوجھل ہو جائیں مگر مٹاتی نہیں..... سو کھڑکی بند رہے تو ہی اچھا..... تازہ ہوا بے شک دلفریب سہی، مگر اس کے جھونکے اگر گرد اڑانا شروع کر دیں تو کیا فائدہ۔ اس نے کھڑکی بند کر دی۔

سب خوش تھے..... یہاں تک کہ عزیز بھی..... جس کو اس نے کبھی دل کھول کے ہنستے نہیں دیکھا۔ ہوسکتا ہے وہ بھی اپنے دل پر کوئی بوجھ لیے بیٹھا ہو۔ عالیہ اور ارسلان کے چہرے کی مسکراہٹ سچی تھی۔ اس نے دل سے دونوں کو دعا دی۔

آنے والا وقت یقیناً اچھا تھا۔ اس نے ارسلان کو دیکھا۔ وہ ہنستے ہوئے بالکل معظم واسطی کی طرح لگ رہا تھا۔

☆☆......☆☆

خوشیوں بھری عید

"اب پتا چلے گا کہ بنا میرے کیسے گھر چلتا ہے۔ خود تو ہل کر پانی تک نہیں پیتے، وہ آنسو بہاتی اور صاف کرتی رہی یہاں تک کہ میکے کا دروازہ دکھائی دیا۔ پیسے دے کر وہ کھلے دروازے سے اندر آ گئی، خاموشی تھی بھائی کاموں پر اور بچے اسکول تھے۔ البتہ صحن سے......

غصہ تو ہر وقت اُن کی ناک پر دھرا رہتا ہے۔ کوئی ہوتا گھر میں بڑا تو انہیں خاموش کراتا، جب دیکھو اس گھر میں بے سکونی بک بک...... دل کا اچھا ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ پہلے گہرے گہرے زخم لگا دیے پھر 'سوری' جیسا چار حرفی لفظ کہہ کر مرہم رکھ دیا۔ یہ جانے بغیر کہ زخم بھرنے کے بعد بھی نشان تاعمر کچوکے لگاتا ہے۔

سمیرا کام کے ساتھ ساتھ بڑبڑا رہی تھی۔

سارا گھر ہی صبح الٹا پلٹا ہوا پڑا تھا۔

بچے اسکول جاتے تو ہر چیز بکھری ہوتی، وہ اتنے بڑے نہ تھے کہ اپنی چیزیں قرینے سے رکھتے۔ حمزہ ون جبکہ باسط ٹو میں تھا۔

سب سے بڑھ کر کاشف...... جو پھیلاوا پھیلانے میں سرفہرست تھے۔

رات گئے وہ کاشف اور بچوں کی ضروریات پوری کرنے میں ہلکان ہو کر تھک جاتی، کچھ عرصہ پہلے وہ پھسل کر گری تھی جو کمر میں تکلیف کا سبب بنی۔ تب سے وہ زیادہ تھکاوٹ محسوس کرنے لگی تھی۔ کل سے اسے بخار بھی ہو رہا تھا۔ مگر وہ پروا کیے بغیر کاموں میں جُتی رہی۔

سمیرا کے ذہن سے نکل گیا کہ اسٹینڈ پر کاشف کی دو شرٹس استری کرنے کو رکھ آئی تھی باوجود کوشش کے اُسے ٹائم ملا نہ یاد رہا۔

رات گیارہ بجے تک وہ کچن سمیٹ کر دکھتے بدن کے ساتھ بستر پر آ گئی، صبح لائٹ جانے سے پریشانی اور بڑھ گئی۔ شکر تھا کہ بچوں کے یونیفارم استری تھے۔ کاشف کی ناپسندیدہ شرٹ استری شدہ تو تھی۔ جسے اس نے لاکھ صلواتیں سنانے کے بعد پہن تو لی مگر جو خطابات سمیرا کو دیے۔ اُس کی روح تک پر چھالے پڑ گئے جو منہ میں آیا بولے گیا۔

سمیرا کی خاموشی اور نرم مزاجی کی وجہ سے اب تک حالات سے سمجھوتہ ہو رہا تھا۔

کاشف آگ تھا تو سمیرا پانی......

اُسے غصہ آتا تو سمیرا بنا کچھ بولے خاموشی سے اپنے کام کرتی رہتی۔

اسے پتہ تھا سمجھوتہ شادی شدہ زندگی کے ساتھ نتھی ہوتا ہے۔ ذرا جو سمجھوتے کی چادر سرکی، ریت کی طرح پھسلی، حالات دگرگوں ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور مزے کی بات یہ سمجھوتے کی چادر جھوٹ کے ٹانکوں سے بنی ہوتی ہے۔ سمجھوتے کی چادر کو مضبوطی سے نہ تھاما جائے تو معاملات اس نہج پر آ جاتے ہیں کہ محبت کی جگہ نفرت و بیزاری اپنا قبضہ جما لیتی ہے اور رفتہ رفتہ زندگی بوجھ بن کر چاہت کو آلودہ کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

سمیرا کاشف کے مزاج کو سمجھ کر پھونک پھونک کر اس زندگی کے لمحے گزار رہی تھی اور ایسا وہ گھر کی بہتری کے لیے کر رہی تھی۔

سمیرا جب بیاہ کر آئی تو کاشف کے والد وفات پا چکے تھے۔ اس کی ایک ہی نند تھی جسے اس نے دو سال قبل بہت اچھے طریقے سے بیاہا۔ ندا بہت نرم خُو تھی۔ وہ دوسرے شہر میں رہتی تھی۔ کئی ماہ بعد اُس کا آنا ہوتا۔ سمیرا کی ساس کو ڈیڑھ سال قبل فالج کا حملہ ہوا تھا۔ وہ بستر کی ہو کر رہ گئیں۔ سمیرا نے جی جان سے ان کی خدمت کی، گھر، کاشف، بچے، آنا، جانا، بیماری، سمیرا نے سب کچھ بہت اچھے طریقے سے سنبھالا ہوا تھا۔ ساس چھ ماہ قبل وفات پا گئیں۔

''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' کے مصداق سمیرا ان کی کمی بہت محسوس کرتی، کاشف بھی اس بات کا معترف تھا کہ سمیرا نے اس کی

والدہ کی جی جان سے ہر ممکن خدمت کی۔ مگر زندگی ہی اتنی تھی ان کی......

ان کے سامنے کاشف لحاظ کرتا تھا۔ مگر اب تو جیسے اسے آزادی مل گئی تھی۔ سمیرا اس کی باتیں سنتی اور خاموش رہتی۔ یہ اُس کی تربیت کا حصہ تھا۔

جب کاشف کا موڈ ٹھیک ہوتا تو وہ شکوہ کر ڈالتی۔ آنکھوں میں اشک بھر کر......

تب کاشف مسکرا کر اپنی غلطی کا اعتراف کرتا، اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا وعدہ بھی، سمیرا اس کے وعدوں کے اعتراف میں بس یہی کہتی۔ بچوں کا ہی خیال کرلیا کریں۔ یہی تو عمر ہے ان کے سیکھنے کی، آپ ان کے سامنے اچھی گفتگو کریں گے۔ میری عزت کریں گے تو ان پر اچھا اثر پڑے گا۔ بچے تو موم کی طرح ہوتے ہیں۔ جس شکل میں ڈھالو، جس شکل میں بناؤ۔ ڈھل جاتے ہیں، بن جاتے ہیں۔

پھر ہمارے بچے بہت ذہین ہیں۔ بہت جلد سیکھنے، سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اچھا ماحول اچھی تربیت ان کے مستقبل کے لیے بے حد ضروری ہے۔ سمیرا رسانیت سے بولتی رہتی۔ اس کی باتوں کا کاشف پر وقتی اثر ہوتا۔ وہ پیار سے اس کی ناک دبا کر مسکرا کر وعدہ بھی کر لیتا۔ مگر اس کا غصہ جب عود کر آتا۔ سب کچھ بھول جاتا۔ سمیرا دل مسوس کر رہ جاتی۔

☆......☆......☆

حمنہ اور باسط کی پُرزور فرمائش پر کاشف آسٹریلین طوطوں کے دو جوڑے لے آیا۔ رنگ برنگے، خوبصورت، خوش الحان طوطے، سمیرا ہی ان کا خیال رکھتی۔ سارا دن اُن کی میٹھی میٹھی آوازیں دل بہلائے رکھتیں۔ سب کا دل ان کے ساتھ لگ گیا تھا۔ قدرت کی ان حسین چیزوں سے، دن مزے میں گزر رہے تھے۔

آج بچے اسکول سے آئے تو دروازہ کھلا رہ گیا۔

ذرا دیر نہ لگی کہ ایک چھوٹا سا سفید بلی کا بچہ میاؤں میاؤں کرتا اندر آگیا اور کہیں اندر چھپ گیا۔ سمیرا نے اسے نکالنے کی لاکھ کوشش کی مگر وہ جیسے واقعی نہ جانے کا سوچ بیٹھا تھا۔

کئی گھنٹوں بعد اُس کی آواز آئی اور وہ نظر آگیا۔ بالکل سفید بے داغ بالوں اور گہری نیلی آنکھوں والا، جیسے روئی کا گولا ہو، سمیرا نے اپنی ازلی رحم دلی کے سبب اس کے سامنے برتن میں دودھ رکھ دیا۔ پہلے وہ ذرا جھجکا، پھر پینے لگا۔

باسط تو اُس کا دیوانہ ہو گیا۔

''ماما یہ میں رکھوں گا۔'' باسط اُس کو پیار سے دیکھتے ہوئے بولا۔ سمیرا ہنس پڑی، بلی کا بچہ چسکیاں لے رہا تھا۔

شام کو کاشف آیا تو باسط اُسے خوشی خوشی بتانے لگا۔

''چڑیا گھر بنانا ہے گھر کو......'' وہ تلخ ہو کر بولا۔

''بابا...... نہیں...... مجھے اچھا لگتا ہے۔ میں نے تو اِس کا نام بھی رکھ دیا ہے۔'' باسط کاشف کی گود میں مچل کر بولا۔

''اچھا...... کیا نام رکھا ہے؟'' کاشف اُس کی معصومانہ بات پر مسکرا کر بولا۔

''ہیری......'' وہ ہیری پوٹر سے بہت متاثر جو تھا۔

''اگر ہیری کو پتہ چل گیا تو وہ بہت ناراض ہوگا۔'' کاشف حمنہ کو پیار کرتے ہوئے بولا۔

''بابا اُس کو کیسے پتہ چلے گا وہ تو ٹی وی میں آتا ہے۔'' حمنہ پہلے تشویش پھر مزے لے کر

بولی۔ یوں کاشف بچوں کی خوشی میں خوش ہوگیا۔ طوطے، ہیری نے مل کر گھر میں خوب رونق لگا رکھی تھی۔ سمیرا ان کا خیال رکھتی، کافی دنوں سے وہ کاشف سے کہہ رہی تھی کہ جز وقتی ملازمہ رکھ دیں۔ مگر کاشف نے اُسے ہڈحرام اور نکمی کہہ کر بات ختم کردی۔ جس کا سمیرا نے خاصا اثر لیا۔

☆......☆......☆

ذوالحج کا مبارک مہینہ شروع ہونے والا تھا۔ سمیرا اور کاشف نے مل کر کمیٹی ڈالی تھی۔ جو انہیں مل گئی۔ یہ رقم خالصتاً قربانی کا جانور خریدنے کے لیے تھی۔ ابھی بقرعید آنے میں کم و بیش بیس روز باقی تھے۔ کاشف کے دوست ساجد نے گاؤں سے دو بکرے منگوائے۔ ایک اپنے لیے اور ایک کاشف کے لیے، ریٹ مناسب تھا۔ سو کاشف نے خریدنے میں دیر نہ کی۔ یوں گھر میں بکرے کی آمد نے سماں باندھ دیا۔

بچوں کی خوشی تھی کہ چھپائے نہ چھپ رہی تھی۔ کالا اور سفید بڑا سا بکرا دیکھنے میں بھی بھلا معلوم ہورہا تھا۔

متفقہ فیصلے سے اُس کا نام راجہ تجویز ہوا۔ راجہ گویا آنکھ کا تارا بن گیا تھا۔ کاشف اس کے لیے گلے میں باندھنے کے لیے رنگ برنگی دھاگوں والا ہار لے آئے۔ جس سے اُس کی خوبصورتی دو چند ہوگئی۔ سمیرا کے ذمے جگہ کی صفائی، ستھرائی الگ کام اختیار کر گیا۔

راجہ کے ساتھ ایک بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اسے کوئی دکھائی نہ دیتا تو گھر سر پر اٹھا لیتا۔ چیخ چیخ کر اپنے غصے کا اظہار کرتا۔

آج پھر کاشف کا غصہ عروج پر تھا۔ ہوا یوں کہ دوپہر میں ہی راجہ کا کھانا (گھاس) ختم ہوگیا تھا۔ سمیرا نے سوچا جیسے ہی کاشف آتا ہے اسے بتائے گی کاشف معمول سے ذرا دیر سے آیا۔ اس کے سر میں سخت درد تھا۔ سمیرا اُس کی سیوا میں لگ گئی۔ کاشف چائے کے بعد کھانا کھا کر لیٹ گیا۔ راجہ بھی اونگھ رہا تھا۔ سمیرا کام ختم کر کے اپنا پسندیدہ ڈرامہ دیکھنے لگی کہ راجہ نے زور زور سے بولنا شروع کر دیا۔ تب بجلی کی طرح سمیرا کے ذہن میں کوندا یہ خیال کہ گھاس تو ختم ہے، کاشف کو یہ بتانا تھا کہ اس کے منہ سے مغلظات کا اِک طوفان برآمد ہوا۔ اور اُس کا پارہ آسمان سے باتیں کرنے لگا۔

''جاہل، نانہجار عورت...... جب آیا تھا تب کیوں نہیں بتایا تھا۔ ان ڈراموں، ٹی وی نے مل کر تمہارا دماغ خراب کر رکھا ہے۔'' اِس کی دھاڑوں پر بچے الگ سہم گئے تھے۔ وہ بکتا جھکتا بائیک نکال کر گھاس لینے چلا گیا۔

سمیرا اشک صاف کرتی کام سمیٹتی رہی۔ اور مقدر کے لکھے کو خاموشی سے برداشت کرتی رہی۔

☆......☆......☆

کل سے سمیرا کو سُستی سی محسوس ہورہی تھی۔ سر بھی بھاری بھاری لگ رہا تھا۔ شام تک کپڑے دھو کر وہ نڈھال ہورہی تھی۔ کام تھے کہ ختم ہونے میں نہ آئے تھے اور وہ ہلکان ہوئے جارہی تھی۔ ایسا نہ تھا کہ وہ کام چور تھی۔ مگر بخار کی کیفیت میں عجب چڑچڑاہٹ کا شکار ہوئے جارہی تھی۔ موسم بھی خاصا سرد تھا۔ اور کمر میں بھی ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔

صبح اُٹھ کر بدقت تمام اس نے ناشتہ بنایا۔ سالن آج کا موجود تھا۔ اس نے یہی سوچا تھا کہ کاشف کو بھیج کر وہ دو تین گھنٹے سو جائے گی۔ تکلیف کی وجہ سے آنکھ دیر سے کھلی۔ جلدی میں الٹا سیدھا ہونے لگا۔ بچوں کو بھیجا، کاشف کو آج

یوں بھی جلدی جانا تھا۔

جلدی میں دو انڈے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین بوس ہوگئے۔ تب کاشف کا میٹر گھوما اور وہ اُسے بری طرح لتاڑنے لگا۔

''کام چور...... ہڈ حرام...... نکمی...... آرام طلب...... وہ کچن میں کھڑا اُس کی حالت سے بے خبر اپنا غصہ نکالنے لگا۔ یکدم سمیرا کو کیا ہوا۔ وہ بھی صبر کا دامن چھوڑ کر اس کے دُو بدو ہوگئی اور پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ کاشف انتہا تک جانے لگا۔

''دفع ہوجاؤ یہاں سے...... گھر چلانا آتا نہیں نہ قرینہ نہ سلیقہ۔'' کاشف کے منہ میں جو آیا بولے گیا۔ سمیرا بھی برابر جواب دے رہی تھی۔ تکرار بڑھنے لگی۔ ساتھ میں سمیرا کے اشک و سسکیاں بھی۔

کاشف بنا ناشتہ کیے دھم دھم کرتا گھر سے نکل گیا۔

سمیرا کا دماغ قابو میں نہ حواس اپنی جگہ...... اس نے بیگ الماری سے نکالا، دو جوڑے کپڑے ڈالے۔ بچت کیے ہوئے پیسے رکھے اک نظر بے ترتیب گھر کو دیکھا۔ پھر جذباتی انداز میں تالا لگا کر برابر والی آنٹی کو بازار جانے کا کہہ کر چابی دی اور رکشہ روک کر ماں کے گھر کا راستہ بتا کر بیٹھ گئی، ہوش گم اور جوش پُر جوش تھا۔

''اب پتا چلے گا کہ بنا میرے کیسے گھر چلتا ہے۔ خود تو ہل کر پانی تک نہیں پیتے، وہ آنسو بہاتی اور صاف کرتی رہی یہاں تک کہ میکے کا دروازہ دکھائی دیا۔ پیسے دے کر وہ کھلے دروازے سے اندر آگئی، خاموشی تھی بھائی کاموں پر اور بچے اسکول تھے۔ البتہ صحن سے ذرا فاصلے پر ایک موٹا تازہ بیل بندھا تھا۔

وہ مون کو آوازیں دیتی اندر آگئی۔ مون بھتیجا تو اسکول میں تھا۔ البتہ دونوں بھابیاں سامنے آگئیں۔ محبت سے ملیں۔ تاہم اس کے بیگ کو دیکھ کر حیران ہوئیں، پُر خاموش رہیں، سمیرا ماں کے کمرے میں آگئی۔

ماں کے سینے سے لگ کر سکون ملا۔

''خریداری کر کے آرہی ہو؟'' وہ اس کے بیگ کو دیکھ کر بولیں۔

''جی...... ہاں......'' سمیرا بے دھیانی سے بولی۔ ماں نے کھوجتی نگاہیں جمائیں پھر پیار سے بولیں۔

''لیٹ جاؤ...... تھکی ہوئی لگ رہی ہو۔'' وہ اسے بستر پر لٹاتے ہوئے بولیں۔

سمیرا خاموشی سے لیٹ گئی۔ ماں بجلی بند کر کے، دروازہ بھیڑ کر باہر چلی گئیں۔ سمیرا کو کچھ دیر بعد ہی گہری نیند نے آن دبوچا۔

دو گھنٹے بعد اس کی آنکھ کھل گئی۔ فوراً دل پہ ہاتھ رکھا۔ موبائل دیکھا تو ٹائم ساڑھے گیارہ کا ہورہا تھا۔

''تو تم گھر چھوڑ آئی ہو۔'' یکدم اندر سے کوئی سسکا۔

''اُف......'' وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔

''راجہ بھوک سے چیخ رہا ہوگا۔ ہیری الگ بلبلا رہا ہوگا۔ طوطوں کا پنجرہ دھوپ میں لٹ رہا تھا۔ وہ بھی اپنی بھوک بیان کررہے ہوں گے باورچی خانہ، بیڈ روم، پورا گھر میدانِ جنگ کا نقشہ پیش کررہا ہوتا ہے۔ وہ بھی تو یونہی چھوڑ آئی تھی۔

بخار جانے کہاں غائب ہوگیا تھا۔ اپنی کیفیت پر کام اور گھر غالب آچکے تھے۔ وہ چادر درست کرتی منہ دھونے غسل خانے میں آگئی۔

واپس آکر صوفے پر بیٹھ گئی۔

اُسے نہ پا کر بچے کیا سوچیں گے۔ کس سے کھانا مانگیں گے۔ رُو رُو کر برا حال کرلیں گے۔ اس وقت اسے صرف گھر، بچے دکھائی دے رہے تھے۔ کاشف کا رویہ اُس کی باتیں پس منظر میں چلی گئی تھیں۔

اچانک ہی دروازہ کھلا، ماں اندر آ گئی۔ انہوں نے بجلی جلائی۔

''ارے جاگ گئی ہو۔'' وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔

''جی اماں......'' سمیرا قدرے اُداسی سے بولی۔

جی چاہ رہا تھا کہ ماں کے پُر شفقت سینے سے لگ کر سارے درد بہا ڈالے۔

''مگر نہیں...... سمجھوتے کی چادر کو مضبوطی سے اپنے اوپر پھیلا کر صبر کی سِل سینے پر دھر لی کہ چادر پھیل کر گر نہ پڑے۔'' اتنے میں بڑی بھابی اندر آ گئیں ان کے ہاتھ میں باؤل تھا۔

''رات بریانی پکائی تھی۔ تمہارا حصہ الگ سے نکال کر رکھا تھا۔ آج آنا تھا چلو تم آ ہی گئی ہو تو لیتی جاؤ۔'' وہ محبت سے اسے تھمانے لگیں۔

چھوٹی بھابی بھی آ گئیں ان کے ہاتھ میں ٹرے تھی۔ چائے بسکٹ گرم گرم سوجی کا خوشبودار حلوہ......وہ زبردستی سمیرا کو کھلانے لگیں۔

سمیرا کا دل رفتہ رفتہ قابو میں آنے لگا۔ جوش کی جگہ ہوش نے لے لی تھی۔ ساتھ میں ہلکی پھلکی باتوں نے اسے بہت بہلا دیا۔

''ارے رضوانہ وہ اچار تو لانا جو میں نے سمیرا کے لیے نکال کے رکھا تھا۔'' بڑی بھابی نے چھوٹی بھابی سے کہا تو وہ فوراً ہی اچار والا ڈبہ لے آئیں۔

''پرسوں ہی امی نے بھجوایا ہے تمہیں پسند ہے ناں...... یہ لو......'' سمیرا مسکرا دی۔ اماں بھی مطمئن ہو گئی تھیں۔

''اور ہاں تمہارے بھائی کہہ رہے تھے کہ اس بار دو پائے تمہیں دیں گے۔ پچھلی بار تو بس رہ گئے۔ اب کے تم مزے سے پکا کر کھانا......''

''شکریہ بھابی......'' سمیرا بے حد ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔

''اچھا امی اب میں چلتی ہوں۔ بچوں کے آنے کا وقت ہو رہا ہے۔'' سمیرا چیزیں سنبھالتی سب سے مل کر باہر آ گئی۔ جلد ہی رکشہ مل گیا وہ گھر کی طرف رواں دواں تھی۔

''زنجیریں ہاں یہ زنجیریں ہی تو ہیں جو میرے پاؤں میں پڑی ہیں۔ کیسے ان زنجیروں سے پیچھا چھڑا سکتی ہوں۔ گھر...... گرہستی...... بچے...... کاشف......''

شادی کے بعد یہ زنجیریں تا عمر قید کر چھوڑتی ہیں۔ اپنی سوچوں میں غلطاں تھی کہ گھر آ گیا۔ چابی لے کر تالا کھولا، دروازہ جیسے ہی کھلا ہیری اس کے پیروں سے لپٹنے لگا۔ اور اپنا مدعا بیان کرنے لگا۔

راجہ اُسے دیکھتے ہی اچھلنے اور بولنے لگا۔ طوطوں کی چہکاریں صحن میں بکھری تھیں۔ چادر اُتار کر سامان رکھ کر وہ کاموں کو ترتیب دینے لگی کہ رفتہ رفتہ سب کام سمٹ گئے۔ اک خوشگوار احساس سمیرا کے اندر پنہاں ہو گیا۔ پھر کاشف کی باتیں یاد آئیں تو ملال میں گھرنے لگی۔ سر جھٹک کر سامنے بیٹھے ہیری کو دیکھا، راجہ بھی گھاس کھا کر اونگھ رہا تھا۔ صاف ستھرا گھر......

بچے آ گئے...... انہیں کھانا کھلایا۔ ہوم ورک کرایا، باسط اور حمنہ کھیلنے لگے کہ کاشف آ گیا۔

سمیرا نے ناراض نظروں سے اُسے دیکھا۔ اور کھانا گرم کرنے باورچی خانے میں آ گئی۔ کاشف فریش ہو گیا تو اس نے ٹرے اس کے سامنے

رکھی۔ کاشف اٹھا اور اس کے ہاتھ تھام کر بولا۔

''سوری یار...... آج پھر مجھے غصہ آ گیا۔'' سمیرا نے شکوہ کناں نظریں اس پر جمائیں۔ ہمیشہ کی طرح خاموش رہی۔

''مجھے پتہ ہے تم سے زیادتی کر جاتا ہوں۔'' وہ بدستور نرم لہجے میں بول رہا تھا۔ سمیرا کے اندر پھوار سی اُتر رہی تھی۔

''ابھی میں سامنے والے صدیقی صاحب سے مل کر آ رہا ہوں۔ اُن کے گھر جو کام والی ماسی بشیراں آتی ہے، وہ کل سے ہمارے گھر بھی آئے گی تا کہ تمہارا کام بٹ جائے، تمہیں آرام ملے۔'' سمیرا کے دل سے سارے شکوؤں کے بادل اڑنے لگے۔

''تھک جاتی ہو ناں تم......'' وہ آنکھوں میں جھانک کر بولا تو سمیرا نے سر جھکا لیا۔ کاشف مسکرا دیا۔

''اور ہاں اصل خوش خبری...... میری ترقی ہو گئی ہے۔ تنخواہ بھی بڑھی اور گاڑی بھی ملے گی۔ اب تو میری جان خوش ہے ناں......'' کاشف اسے کندھوں سے تھام کر خود سے قریب کر کے بولا۔

''کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' سمیرا کسمسا کر بولی۔

''پہلے مسکراؤ۔'' کاشف واقعی آج سرتاپا بدلا ہوا لگ رہا تھا۔

سمیرا واقعی سچے دل سے مسکرا دی۔ یہ عید اس کے لیے خوشیوں کے بیش بہا خزانے لے کر آئی تھی، صبر کا پھل مل رہا تھا۔ عید کی دوہری خوشی تھی۔ اور اپنے گھر سے محبت دو چند ہو رہی تھی۔ یہ محبت کی زنجیریں ہی تو تھیں۔

اور یہ پیار بھری زنجیریں اسے جی جان سے عزیز تھیں۔ سمیرا نے سکون سے کاشف کے سینے پر سر رکھ دیا کہ آنے والے دن محبتوں کی قید میں گزرنے تھے۔

☆☆......☆☆......☆☆

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ناولٹ

نفیسہ سعید

یہ جو عشق ہے، اِک روگ ہے

''جی میں ہجر بات کر رہی ہوں۔'' جواب دے کر وہ دوسری سمت متوقع شناسائی کے لیے پُر امید تھی۔ ''شجر تو سنا تھا ہجر آج پہلی بار سن رہا ہوں اور اگر یہ آپ کا نام ہے تو بہت خوبصورت ہے۔'' اُن کا جملہ ہجر کو یہ سمجھانے کے لیے کافی تھا کہ وہاں شناسائی نامی......

''تمہارا فون رات پورے دو گھنٹے انگیج تھا کس سے بات کر رہی تھیں تم......؟'' وہ ابھی سو کر ہی اٹھی تھی کہ طحہ کا فون آ گیا، اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ سخت غصے میں ہے۔ ہجر نے گھڑی دیکھی ابھی صرف 8 بجے تھے۔ وہ ہلکا سا مسکرا دی جانتی تھی کہ وہ صرف اُس کی ٹینشن میں جاگ رہا ہے۔ ورنہ عام طور پر اس وقت وہ گھوڑے بیچ کر سو رہا ہوتا ہے۔

''تم صرف یہ پوچھنے کے لیے ساری رات سے جاگ رہے ہو کہ میں کس سے بات کر رہی تھی؟ خیریت ہے طحہ......؟'' جب وہ بولی تو اُس کے لہجے میں شرارت نمایاں تھی۔

''جو میں نے پوچھا ہے اُس کا جواب دو بلاوجہ میری بات کو یہاں وہاں گھماؤ مت۔'' غصے کے ساتھ ساتھ وہ خفا بھی تھا۔

''فون پر میں نہیں ممی تھیں سعودیہ سے یاسر ماما کا فون آیا تھا اُن سے بات کر رہی تھیں۔'' طحہ کی خفگی محسوس کرتے ہی اس نے مزید مذاق کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ طحہ جانتا تھا کہ ہجر کی ممی سیل فون استعمال نہیں کرتیں۔

''اپنا سیل چیک کرو کتنی مس کالز ہیں جب میں تمہیں اس کے بعد فون کر رہا تھا کم از کم ریسیو کر کے بتا تو دیتیں بلاوجہ ساری رات حرام کی۔'' اُس کے ساتھ ہی اُس نے اپنا سیل آف کر دیا۔ ہجر نے چیک کیا دس مس کالز تھیں۔ فون کی شاید آواز بند تھی اسی لیے اُسے پتہ ہی نہ چلا، ویسے بھی رات لائٹ نہ تھی اور جیسے ہی لائٹ آئی وہ ایسی مدہوش سوئی کہ طحہ کے فون کا علم ہی نہ ہوا۔ ورنہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہ ہوا کہ وہ فون کرے اور ہجر ریسیو نہ کرے وہ جانتی تھی کہ طحہ اس کے معاملے میں بہت حساس ہے اگر کبھی وہ اس کے میسج کے جواب میں بھی دیر کرتی تو وہ سخت خفا ہو جاتا۔ جبکہ کال کی تو بات ہی دوسری تھی۔ اس نے ٹائم دیکھا۔ کالج وین آنے والی تھی وہ جلدی سے یونیفارم لے کر واش روم گھس گئی اب اُسے واپس آ کر طحہ کو منانا تھا اور وہ کس طرح مانتا تھا یہ

بات پچھلے تین سالوں میں وہ بہت اچھی طرح جان گئی تھی۔

☆......☆......☆

''یہ احمد کئی دنوں سے نہیں آ رہا کہیں ٹیوشن چھوڑ تو نہیں دی اُس نے۔'' ممی نے کچن کی کھڑکی سے باہر صحن میں بیٹھے ہوئے بچوں پر نظر دوڑاتے ہوئے ہجر سے سوال کیا۔

''اُس کی طبیعت خراب ہے صبح آنٹی کا فون آیا تھا کہہ رہی تھیں کہ احمد کو بخار ہے مزید دو تین دن تک نہیں آئے گا۔''

''اچھا انہوں نے پچھلے ماہ کی ٹیوشن فیس تمہیں دے دی تھی؟'' ممی کو اچھی طرح یاد تھا کہ پچھلے ماہ احمد کی امی نے ہجر کو ٹیوشن فیس نہیں دی تھی اور وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ ہجر کی عادت بار بار تقاضا کرنے کی نہیں ہے اُس کی اِس عادت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اکثر ہی لوگ فیس میں ڈنڈی مار جاتے اس لیے وہ بار بار ہجر کو یاد کروایا کرتیں۔

''دے دی تھی انہی پیسوں سے تو میں نے طحہ کو سالگرہ کا گفٹ لے کر دیا تھا آپ شاید بھول گئی ہیں۔'' ممی، طحہ اور ہجر کے متعلق کافی کچھ جانتی تھیں کیونکہ ہجر اپنی کوئی بات ماں سے نہ چھپاتی تھی۔

''تم نے طحہ سے کہا نہیں کہ ہمیں اپنی امی سے ملوائے۔'' سالن میں چمچ چلاتے ہوئے انہوں نے ہجر سے پوچھا۔

''کہا تو تھا مگر اس کے ابو کی طبیعت خراب ہے فوڈ پوائزن ہو گیا تھا جس کے باعث وہ پچھلے کچھ دنوں سے اسپتال ایڈمٹ رہے بس اسی پریشانی میں وہ اپنے گھر ذکر نہیں کر سکا۔''

جو کچھ طحہ نے ہجر سے کہا تھا وہ اُس نے اپنی ماں کو بتا دیا۔

''دیکھو بیٹا تمہارے پاپا چاہتے ہیں کہ بی اے کرتے ہی تمہاری شادی کر دی جائے۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ اس سے زیادہ تمہیں تعلیم دلوانے کی ہماری ہمت ہی نہیں ہے۔ اب اس سلسلے میں انہوں نے ایک دو لوگوں سے کہا بھی ہے اور ویسے بھی بانو آپا، ثاقب کے لیے ڈھکے چھپے لفظوں میں کہہ گئی ہیں جس پر ہمیں اور تو کوئی اعتراض نہیں سوائے اس کے کہ اُس کی تعلیم صرف میٹرک ہے ورنہ تو اچھی خاصی دکانداری کرتا ہے اور پھر گھر کا دیکھا بھالا بچہ ہے۔''

انہوں نے ہر بات بیٹی کو سمجھانا اپنا فرض سمجھا۔

''فی الحال آپ انہیں منع کر دیں کیونکہ ثاقب تو مجھے خود بھی ذرا نہیں پسند۔'' ہجر نے منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

''جہاں تک طحہ کی بات ہے میں آج رات ہی اُس سے دوبارہ بات کروں گی پھر دیکھیں وہ جو بھی جواب دے آپ کو بتا دوں گی مگر پلیز آپ اس سلسلے میں کوئی ٹینشن مت لیں۔''

ماں کو سمجھانے کے بعد وہ کچن سے باہر نکل آئی۔ صحن میں اُس سے ٹیوشن پڑھنے کے لیے آنے والے بچوں کا جھمگٹا جمع تھا جن میں سے کئی ایسے تھے جن سے وہ فیس بھی نہ لیتی تھی کیونکہ اُن کے گھر والے افورڈ ہی نہیں کر سکتے تھے۔ مگر وہ چاہتی تھی کہ اُس کے ذریعہ علم جہاں تک پھیل سکتا ہے پھیلے، یہ ہی سبب تھا جو وہ کبھی کسی بچے سے اپنی فیس کا تقاضا بھی نہ کرتی جو کوئی لا دیتا وہ خوشی سے رکھ لیتی۔

☆......☆......☆

''اپنا سیل فون دکھاؤ۔'' اُس کے سامنے بیٹھے طحہ کو اچانک جیسے کچھ یاد آ گیا۔ ہجر نے

خاموشی سے اپنے سامنے رکھا فون اُٹھا کر اُسے دے دیا۔ جسے الٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد طحہ نے پہلے اس کی بیٹری نکالی اور پھر اندر موجود سم باہر نکال لی۔

''یہ کیا کر رہے ہو؟'' اُس کی یہ حرکت ہجر کی سمجھ میں نہ آئی اس لیے اُس نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

طحہ بنا کوئی جواب دیے خاموشی سے اپنے کام میں مصروف رہا سب سے پہلے اُس نے ہجر کے فون سے نکالی گئی سم کو دو ٹکڑے کر کے قریب موجود ڈسٹ بن میں ڈالا اور پھر پینٹ کی جیب سے والٹ نکالا، اُس میں سے ایک عدد سم برآمد کی اور اُسے ہجر کے فون میں لگا کر فون ہجر کی جانب بڑھا دیا۔

''یہ نمبر میرے سوا کسی کے پاس نہیں ہونا چاہیے تم ممی کو ایک ایسا سیل فون خرید دو جو انہیں استعمال کرنے میں آسانی ہو تا کہ وہ اپنے نمبر جسے چاہیں اپنی مرضی سے استعمال کر سکیں۔'' ہجر کو اپنے قیمتی مشورے سے نوازنے کے بعد وہ مینو کارڈ دیکھنے میں مصروف ہو گیا جبکہ اُس کی اس حرکت نے ہجر کو حیران کر دیا، حیرت کے ساتھ ساتھ اُسے خوشی بھی ہوئی کہ طحہ اُس کی محبت میں کس قدر حساس ہے نہیں چاہتا کہ وہ سوائے اُس کے کسی اور سے بات تک کرے، عام طور پر کسی بھی لڑکی کی زندگی میں شادی سے قبل لڑکوں کا ایسا رویہ اُن کے دلوں میں یہ اعتماد پیدا کر دیتا ہے کہ بس اب سامنے بیٹھا شخص سوائے اُن کے کسی اور کا نہیں اور اسی اعتماد نے ہجر کے دل کو ایک گونہ سکون بخش دیا۔

''کن سوچوں میں گم ہو بتاؤ کیا آرڈر کروں؟'' اُسے اپنے خیالوں میں گم دیکھ کر طحہ نے پکارا۔

''جو تمہارا دل چاہے منگوا لو۔''

طحہ پچھلے ایک ہفتے سے اُس سے ناراض تھا، آج اُس کی ناراضگی دور کرنے کے لیے ہی ہجر اُسے اِس ریسٹورنٹ میں لنچ کے لیے لائی تھی۔ کیونکہ رات ہی احمد کی امی نے اُسے دو ماہ کی ٹیوشن فیس دی تھی۔ اُس کے علاوہ بھی کچھ پیسے اُس نے جمع کر رکھے تھے۔ ہمیشہ اُس کے جمع شدہ پیسے اسی طرح طحہ کی ناراضگی پر ہی خرچ ہوا کرتے اور ایسے خرچے پر ہجر کو کبھی افسوس نہ ہوتا۔

''ابھی کچھ ہی دیر میں عادل بھی یہاں آنے والا ہے۔ تو میرا خیال ہے کہ لنچ کا آرڈر تین لوگوں کے لیے دے دیا جائے ٹھیک ہے نا۔'' ہاتھ میں موجود سیل فون پر میسج پڑھتے ہوئے وہ ہجر سے مخاطب ہوا۔

''پیسے تو ہیں نا تمہارے پاس۔''

''ہاں ہاں بالکل ہیں تمہیں جو کھانا ہے تم آرڈر کرو۔'' طحہ کی ناراضگی ختم ہو گئی ہجر کے لیے اس سے بڑی بات کوئی اور نہ تھی۔ عادل تو ویسے بھی طحہ کا جگری دوست تھا۔ وہ اور اس کی ایک دوست اکثر ہی ان دونوں کے ساتھ شریک ہوتے آج اتفاق تھا جو عادل اکیلا آ رہا تھا جس پر ہجر کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

☆......☆......☆

''جانے کیوں تمہارے پاپا کا بخار پچھلے کچھ دنوں سے کم ہی نہیں ہو رہا جو کھاتے ہیں وہ بھی ہضم نہیں ہوتا فوراً اُلٹیاں شروع ہو جاتی ہیں۔'' اس کی قمیض کی ترپائی کرتے ہوئے ممی کو جیسے اچانک پاپا کا خیال آ گیا۔

''ہاں پاپا پہلے سے خاصے کمزور بھی دکھائی دے رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ انہیں کسی اچھے

اسپتال لے کر جانا چاہیے۔'' اپنے پاپا کی صحت کو لے کر ہجر کے لہجے میں بھی تشویش در آئی۔

''ڈاکٹر زیدی کے پاس تو لے کر جا ہی رہی ہوں اب انہوں نے جو ٹیسٹ لکھ دیے ہیں فی الحال کروانا میرے لیے ناممکن ہے۔'' قمیض سیدھی کر کے انہوں نے ہجر کے حوالے کی۔

''اب دیکھو آج ہفتہ ہو گیا وہ کام پر بھی نہیں جا رہے کون سی سرکاری نوکری ہے جو لگی بندھی تنخواہ بے فکری سے گھر آ جائے گی۔ آج بائیس تاریخ ہو گئی بڑی مشکل سے پندرہ دن کے پیسے بنے ہیں جو سیٹھ انہیں دے گا وہ بھی کہیں جا کر پانچ تاریخ تک اب سوچنا پڑے گا اس میں گھر کا راشن ڈالوں یا اُن کے ٹیسٹ کروالوں۔'' ممی کے لہجے میں تشویش کے ساتھ تھکن بھی اُتر آئی۔

اُن کی بات بھی درست تھی۔ ڈاکٹر زیدی کے ایک وزٹ کی فیس 8 ہزار روپے تھی جو وہ کئی ماہ سے دے رہی تھیں۔ ہجر نے حساب لگایا دو دن قبل تک اِس کے پاس خاصے پیسے تھے جو کل ہی اُس نے عادل کو اُدھار دیے کیونکہ اُسے اپنی فیس جمع کروانی تھی مانگے تو اُس نے طحہ سے تھے مگر چونکہ طحہ اپنا اے ٹی ایم کارڈ اپنے شوروم پر ہی چھوڑ آیا تھا۔ اس لیے ہجر نے عادل کی مدد کے خیال سے اپنے پاس موجود رقم اُسے دے دی۔ اب اچھا نہ لگتا تھا کہ وہ دوسرے ہی دن طحہ سے اُن پیسوں کا تقاضہ کر دیتی۔ لہٰذا اُس نے دل میں کچھ سوچا اور ممی کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

''آپ پریشان مت ہوں بانو خالہ سے کچھ رقم اُدھار لے کر پاپا کے ٹیسٹ کروالیں اور ویسے بھی ہماری ایک کمیٹی بھی اُن کے پاس ہے پوچھیں اگر دے دیں تو، ورنہ میں اگلے ماہ ٹیوشن فیس سے اُن کا قرض اُتار دوں گی اس کے علاوہ ایگزامز ختم ہوتے ہی کسی اسکول میں بھی جاب کی کوشش کروں گی۔''

''کمیٹی تو تمہاری شادی کے لیے ڈالی ہے وہ تو میں اُن سے نہیں لینے والی۔'' ممی نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا۔

''آپ میری شادی کی فکر مت کریں طحہ کے گھر والوں کو اللہ تعالیٰ نے بہت نوازا ہے اسے میرے جہیز کی ضرورت نہیں ہے ابھی اُس نے مجھے میسج پر بتایا ہے کہ اُس کے پاپا نے اُسے بالکل نئی کار خرید کر گفٹ کی ہے اب وہ چاہ رہا ہے سب سے پہلے اُس کی گاڑی میں، میں بیٹھوں پھر کوئی اور......''

''اچھا یہ تو بہت اچھی بات ہے پھر بھی بیٹا کچھ تو ہماری ذمہ داری بھی بنتی ہے۔ اب ایسے تو تمہیں خالی ہاتھ رخصت نہیں کیا جا سکتا۔''

بیٹی کے چہرے پر پھیلا اطمینان انہیں پُرسکون کر گیا مگر ابھی بھی وہ تذبذب کا شکار تھیں۔

''ابھی فی الحال آپ سب کچھ چھوڑیں اور مجھے یہ بتائیں کہ طحہ گھر آنا چاہتا ہے پاپا کی طبیعت پوچھنے اور ساتھ ہی مجھے اپنی نئی گاڑی دکھانے تو اب میں اُسے کیا جواب دوں۔'' ہجر خوشی سے بھرپور لہجے میں بولی۔

''اکیلا آ رہا ہے یا گھر کا کوئی اور فرد بھی ساتھ ہے؟'' ممی کیا پوچھنا چاہ رہی تھیں وہ سمجھ گئی۔

''فی الحال تو اکیلا ہی ہے وہ چاہتا ہے کہ پاپا سے مل کر انہیں سب کچھ بتا دے تاکہ پاپا یہاں وہاں فضول لوگوں سے میرے رشتے کی بات نہ کریں۔''

طحہ کی محبت فخر بن کر اُس کے لہجے میں بول رہی تھی۔

''تو تم نے اُسے سب کچھ بتادیا پھر اُسے چاہیے تھا کہ وہ اکیلا نہ آتا اپنے ساتھ اپنی امی کو بھی لے کر آتا۔'' جانے کیوں انہیں ہمیشہ یہ خدشہ رہتا کہ طحہ کی امی کبھی بھی ہجر اور طحہ کے رشتے کے لیے آمادہ نہیں ہوں گی جس کی بڑی وجہ ان دونوں کے اسٹیٹس میں نمایاں اور واضح فرق تھا مگر طحہ نے اپنے ہر عمل کے ذریعے ہمیشہ ان کے اس خیال کی تردید کی۔ جس کی ایک بہترین مثال اس وقت اس کا گھر آ کر ہجر کے پاپا سے ملنا اور اپنے بارے میں آگاہ کرنا تھا ورنہ عام طور پر کوئی لڑکا اس طرح لڑکی کے گھر والوں سے ملنے کبھی نہ آتا اور یہ ہی بات انہیں طحہ کے مخلص ہونے کا پتہ دے رہی تھی۔

''انشاء اللہ انہیں بھی جلد ہی لے آئے گا فی الحال تو وہ لاہور گئی ہیں وہاں اُن کی والدہ یعنی طحہ کی نانی کی طبیعت خراب ہے۔''

''اچھا چلو ٹھیک ہے تم اُسے بلوا لو اور کہنا کہ لنچ بھی ہمارے ساتھ ہی کرے۔'' ممی نے کچن کی جانب جاتے ہوئے ہجر کو ہدایت کی جسے سنتے ہی وہ خوش ہوگئی اور فوراً ہی میسج کے ذریعے طحہ کو گرین سگنل کی خوش خبری سنا دی۔

☆......☆......☆

''آپ ہجر ہیں؟'' اُس کے سیل پر کسی انجان نمبر سے آنے والا میسج اُسے حیران کر گیا یہ نمبر سوائے طحہ کے کسی اور کے پاس نہ تھا اب اُس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ جواب دے یا نہ دے، ابھی وہ اسی شش و پنج میں تھی کہ ایک میسج آ گیا۔

''میرے میسج کا جواب تو دیں میں طحہ کا چھوٹا بھائی حذیفہ ہوں میں نے آپ کا نمبر طحہ ہی کے سیل سے لیا ہے۔'' اب جواب دینے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

''جی میں ہجر ہی ہوں آپ کو کیا کام ہے مجھ سے؟'' میسج سینڈ ہوتے ہی اسی کے موبائل پر حذیفہ کا فون آ گیا۔

''السلام علیکم بھابی......!'' کال ریسیو کرتے ہی حذیفہ کی آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی پہلے ہی جملے میں موجود لفظ 'بھابی' نے اُسے اندر تک شانت کر دیا۔

''وعلیکم السلام خیریت تو ہے نا۔'' حذیفہ کے اس طرح کال کرنے کے عمل نے اُسے تھوڑا سا پریشان کر دیا۔

''آپ سے ایک کام تھا مگر پہلے آپ وعدہ کریں کہ طحہ سے کوئی بات نہ کریں گی ورنہ وہ مجھے جان سے مار دے گا۔''

حذیفہ کا لہجہ کسی خاص بات کی نشاندہی کر رہا تھا اُس کا دل دھڑکنے لگا۔

''تم مجھ پر اعتماد کر سکتے ہو۔'' وہ جلد از جلد جاننا چاہتی تھی کہ حذیفہ کیا کہنا چاہ رہا ہے۔

''آپ کو طحہ نے بتایا ہوگا کہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ پاکستان ٹور پر جا رہا ہے۔'' حذیفہ نے بات شروع کرنے کے لیے تمہید باندھی۔

''ہاں اور میرا خیال ہے جمعرات کی صبح اُن کی روانگی ہے۔''

''مجھے آپ سے اسی سلسلے میں بات کرنی تھی رات پاپا اور طحہ کا چھوٹا سا جھگڑا ہو گیا ہے کیونکہ وہ اپنے شوروم سے عادل کو کافی رقم اُدھار دے چکا ہے۔ جس کا علم ہوتے ہی پاپا نے اُسے خوب ڈانٹا اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ اب وہ عادل کو ادھار دی ہوئی اپنی رقم واپس لے ورنہ پاپا اُسے پاکستان ٹور پر جانے کے لیے ایک روپیہ بھی نہ دیں گے۔'' اتنا کہہ کر حذیفہ ایک سیکنڈ کے لیے

خاموش ہوا۔

''اوہ تو پھر......'' وہ جانتی تھی کہ عادل اتنی جلدی رقم واپس نہ کرے گا کیونکہ دو ماہ سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود اُس نے ہجر سے اُدھار لی ہوئی رقم بھی ابھی تک واپس نہ کی تھی تو وہ طحہ کے پیسے کیا واپس کرتا۔

''تو یہ کہ فی الحال عادل کے پاس پیسے ہیں نہیں اور اسی طرح طحہ کا پاکستان ٹور والا پروگرام کینسل ہونے جارہا ہے لیکن اگر آپ اس کی مدد کریں تو وہ ممکن ہے کہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ چلا جائے۔''

''میں اِس سلسلے میں اُس کی کیا مدد کرسکتی ہوں؟'' حذیفہ کی بات پوری طرح اس کی سمجھ میں نہ آئی۔

''ممکن ہو سکے تو اُسے کچھ رقم دے دیں مگر اس طرح کہ اُسے شک بھی نہ ہو اور آپ اُس کی مدد بھی کر دیں۔''

''اوہ.....اچھا......'' حذیفہ کی بات اب اُس کی سمجھ میں آئی طحہ اور اُس کے پاپا کے درمیان ہونے والا یہ جھگڑا نیا نہ تھا اکثر ہی وہ کسی نہ کسی بات پر اُس سے ناراض ہو کر اُسے جیب خرچ دینا بند کر دیتے اور ایسے میں ہجر ہی اُس کے کام آتی مگر اس بار شاید طحہ نے مارے شرمندگی اُس سے کوئی بات نہ کی تھی اُسے طحہ کے پاپا پر بہت غصہ آیا جو ہمیشہ اُس کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے۔

''اندازاً اُسے کتنے پیسوں کی ضرورت ہے؟'' ہجر کے سوال کے جواب میں حذیفہ نے اپنے اندازے سے ایک رقم اُسے بتادی بانو خالہ نے اسی ماہ انہیں کمیٹی دی تھی جو ممی کے پاس محفوظ تھی ویسے بھی کمیٹی کے آدھے پیسے تو ہجر اپنی ٹیوشن فیس سے ہی دیا کرتی۔ اسی لیے اُسے امید تھی کہ اِن پیسوں میں سے کچھ رقم ممی اُسے باآسانی دے دیں گی۔ یہ ہی سوچ کر ہجر نے حذیفہ سے طحہ کی مدد کا وعدہ کرلیا۔

''بہت بہت شکریہ بھابی آپ نے میری پریشانی دور کردی ورنہ یقین جانیں طحہ کے نہ جانے کی مجھے اس قدر تکلیف تھی کہ میں بیان نہیں کرسکتا بہر حال آپ مجھ سے ایک وعدہ کریں کہ طحہ کو میرے فون کا نہیں بتائیں گی اور نہ ہی اُسے یہ علم ہونا چاہیے کہ آپ اُسے یہ رقم میرے کہنے پر دے رہی ہیں۔'' فون رکھنے سے قبل حذیفہ نے اُس سے ایک بار پھر سے راز داری کا وعدہ لے لیا۔

☆......☆......☆

''تمہیں ایک دم پندرہ ہزار کی کیا ضرورت پڑ گئی؟'' ممی نے ہجر کی طرف دیکھتے ہوئے حیرت سے سوال کیا اور اب ہجر کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ ممی کو کیا جواب دے۔

''بولو ہجر کیا کرنے ہیں تمہیں پندرہ ہزار۔'' ممی اُس کے سامنے کھڑی جواب طلب تھیں اور جواب دینا اُس کے لیے خاصا مشکل امر تھا۔

''وہ ممی دراصل مجھے نہیں طحہ کو ضرورت ہے پندرہ ہزار کی، اگلے ماہ واپس کر دے گا۔'' اب بتائے بنا کوئی دوسرا چارہ نہ تھا۔

''طحہ کو......؟'' ممی نے حیرت سے دہرایا۔

''اُن کی تو ماشاءاللہ اتنی بڑی فرنیچر کی دکان ہے جو مارکیٹ میں عین کاروبار کی جگہ پر ہے اور دکان کا کاؤنٹر بھی طحہ ہی سنبھالتا ہے۔ پھر اُس نے تم سے پندرہ ہزار کیوں مانگے؟''

''ممی دکان نہیں شوروم کہا کریں۔'' ہجر کو پہلا اور فوری اعتراض ممی کے لفظ 'دکان' کہنے پر ہوا۔

''اور پیسے مجھ سے طحہ نے خود نہیں مانگے اُس کے گھر میں کوئی مسئلہ ہو گیا تھا لہذا اُس کے پاپا نے اُسے پاکستان ٹور کے لیے رقم دینے سے انکار کر دیا یہ بات مجھے اس کے بھائی نے بتائی ہے اب میں صرف اس کی مدد کے ارادے سے اُسے رقم دینا چاہتی ہوں جبکہ وہ خود مجھ سے یہ رقم کسی بھی صورت لینے کو تیار نہیں۔'' ہجر ہمیشہ سے ممی کو ہر بات بتانے کی عادی رہی تھی یہ ہی وجہ تھی کہ وہ ان سے کچھ چھپا ہی نہ سکی تھی۔

''جب اس نے تم سے روپے مانگے ہی نہیں تو تم اُسے دو گی کس طرح؟''

ممی نے خاموشی سے رقم اُس کے سامنے لا کر رکھتے ہوئے سوال کیا۔

''میری اُس کے دوست عادل سے بات ہوئی ہے وہ کل طحہ کے ساتھ شاپنگ سینٹر آئے گا وہاں ہی میں اُس سے ملوں گی پھر کسی طرح یہ رقم اُسے دے دوں گی۔ ویسے بھی اس سلسلے میں عادل نے میری مدد کا وعدہ بھی کیا ہے۔''

''ہجر بہت اچھی طرح جانتی ہو تم تمہارے پاپا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے دو ماہ سے وہ کام پر نہیں گئے گھر کا گزر بسر میری سلائی اور تمہاری ٹیوشن سے ہو رہا ہے ایسے میں یہ کچھ جمع شدہ رقم ہے جو میں نے تمہارے پاپا کے علاج کے لیے رکھی ہے ان کا سی ٹی اسکین اور ایم آئی آر ہونا ہے جس کی فیس اچھی خاصی ہے۔ اور میں نہیں چاہتی کہ ان حالات میں ہم اپنی جمع شدہ رقم کو اس طرح ضائع کریں پہلے تم پیسہ جہاں اور جیسے بھی خرچ کرتی تھیں میں نے کبھی منع نہیں کیا مگر اب بات اور ہے اب ہمیں ایک ایک پائی سوچ سمجھ کر خرچ کرنی ہے۔''

ممی نے بات کے دوران ہجر کے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔

''تم ماشاء اللہ خود عقل مند ہو اسی لیے جو تمہیں بہتر لگے وہ کرو اور ساتھ ہی کوشش کرو طحہ جس قدر جلد ہو سکے اپنے گھر والوں کو تمہارے رشتے کے لیے لے آئے۔''

''اُس کی بڑی بہن کی شادی ہے ممی وہ ہو جائے تو پھر طحہ ضرور اپنی امی کو لے کر آئے گا۔'' سادگی میں کہہ گئی اس کی بات سن کر شہلا حیران رہ گئیں۔

''اُس نے تو ہمیں اپنی بہن کی شادی میں نہیں بلایا۔'' ممی کا اعتراض بجا تھا۔

''اُس کی بہن کی شادی میں کافی فیملی پرابلم تھے ایک طرف اس کے چاچا آپی کا رشتہ مانگ رہے تھے اور دوسری طرف آپی خود کسی کو پسند کرتی تھیں۔ اسی جھگڑے کی بدولت بڑی افراتفری میں ان کی شادی طے ہوئی ہے۔

''اچھا......'' ممی پُر سوچ لہجے میں بولیں۔

''ویسے تو پچھلے ہفتے جب وہ اپنی گاڑی میں تمہارے پاپا کو ہاسپٹل لے کر گیا تو یقین جانو انہیں بے حد خوشی ہوئی کہہ رہے تھے کہ طحہ نے آج میرے بیٹے کی کمی کا احساس بالکل ختم کر دیا۔'' ایک پل میں ہی ممی کو اُس کی پچھلے ہفتے کی جانے والی ایک بے ضرری مدد یاد کرا کے خوش کر گئی اور ممی کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر ہجر کا دل بھی مطمئن ہو گیا۔

☆......☆......☆

''یہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' گاڑی کو اجنبی راستے کی طرف جاتا دیکھ کر ہجر نے حیرت سے سوال کیا۔

''میں تمہیں اپنے گھر لے کر جا رہا ہوں۔''

طحہ نے اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔

''اوہ تو پھر پہلے بتاتے نا میں ذرا اچھا سا تیار ہو کر آتی۔'' طحہ کے گھر جانے کا سن کر وہ ایک دم ہی کانشس ہوگئی۔

''کوئی فائدہ نہیں کیونکہ گھر میں بھی سوائے میرے کوئی اور نہیں ہے۔ سب لاہور کزن کی شادی میں شرکت کے لیے گئے ہیں۔'' طحہ نے اس کے چہرے کو بغور تکا۔

''پھر کیا ضرورت ہے اکیلے اس طرح گھر جانے کی کوئی دیکھ لے گا تو بلاوجہ کی باتیں بنائے گا۔''

''تمہیں کسی کی باتوں سے کیا لینا دینا جب میں تمہیں اپنے ساتھ لے کر جارہا ہوں اور ہاں یاد آیا یہ پیچھے سیٹ پر رکھا بیگ اٹھالو اس میں تمہارے لیے عبایہ ہے آئندہ جب تم گھر سے باہر نکلو تو اسے پہن لینا کیونکہ مجھے یہ بات بالکل پسند نہیں کہ تمہیں میرے علاوہ کوئی اور دیکھے۔''

بات کرتے کرتے اُس کے لہجے میں محبت کے ساتھ ساتھ ایک عجیب سی سختی بھی آگئی جو ہجر کو اچھی لگی اور اس نے خاموشی سے سیٹ پر رکھا بیگ اٹھالیا، گاڑی ایک پوش علاقے کے خوبصورت بنگلے کے سامنے جاکر رک گئی۔ ہجر حیران رہ گئی، طحہ کے گھر کے بڑے سے گیٹ کے آگے کھڑے ہو کر اُس کے ذہن میں ایک چھوٹی سی کالونی میں موجود اپنا گھر آ گیا، جسے چلانے کے لیے اُس نے آج صبح ہی ایک اسکول میں بھی جاب شروع کردی تھی۔ گیٹ کھولنے والا بوڑھا چوکیدار تھا۔ وہ طحہ کے ساتھ خاموشی سے اندر داخل ہوگئی، گھر کی ایک ایک چیز اُس کی توجہ اپنی جانب مبذول کروارہی تھی۔ طحہ کی سنگت میں چلتی ہجر کو ایک پل میں ہی اپنی قسمت پر رشک آ گیا یہ سب کچھ تو اُس نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا جو طحہ کی محبت میں اُسے ملنے والا تھا۔

''تم نے مجھے کبھی نہیں بتایا کہ تمہارا گھر اتنا بڑا اور عالیشان ہے۔'' وہ یہاں وہاں دیکھتے ہوئے قابلِ ستائش لہجے میں بولی۔

''یہاں تو ہم اسی ماہ شفٹ ہوئے ہیں دراصل آپی کے سسرال والے ہمارے فلیٹ میں رشتہ لے کر آنے پر تیار نہ تھے لہٰذا امی کے مشورے کے مطابق ہم نے یہ بنگلہ کرائے پر لیا اور اسی طرح ہمارا اسٹینڈرڈ آپی کے سسرال والوں کے برابر ہوگیا اور پھر اُن کا رشتہ آسانی سے طے ہوگیا۔

بظاہر اُس کا انداز بالکل سادہ سا تھا مگر ہجر کو اس کی بات کافی عجیب محسوس ہوئی وہ ایک دم خاموش ہوگئی۔

''تم بیٹھو میں نے عادل کو فون کیا ہے وہ بس ابھی کھانا لے کر آرہا ہوگا کھانا کھاتے ہی ہم نکل چلیں گے اور پھر میں تمہیں گھر چھوڑ دوں گا یاد آیا راستے میں الشفاء لیبارٹری سے پاپا کی رپورٹس بھی اُٹھانی ہیں۔''

''یہ کھانا ہم کسی ریسٹورنٹ میں بھی کھا سکتے تھے اس کے لیے گھر آنے کی کیا ضرورت تھی۔'' یہ سب ہجر نے سوچا ضرور مگر کہا نہیں کیونکہ جانتی تھی کہ طحہ کو چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض ہونے کی بیماری ہے اس دن اتنے سالوں میں پہلی بار ہجر کو طحہ کا رویہ کچھ شو آف سا محسوس ہوا جسے چاہتے ہوئے بھی وہ نظرانداز نہ کرسکی۔

☆......☆......☆

ہجر کے پاپا کی رپورٹس آ گئی تھیں انہیں معدے کا کینسر تھا۔ ممی نے جب سے یہ سنا اُن کا رو رو کر برا حال تھا ممی کو سنبھالتے ہوئے ہجر کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ وہ اپنا دکھ کس سے بیان کرے۔

"پلیز ممی اس طرح مت روئیں آپ اس طرح ہمت ہار دیں گی تو میں کیا کروں گی کس طرح پاپا کو سنبھالوں گی۔" ہجر نے اُن کے آنسو پونچھتے ہوئے بے بسی سے کہا۔

"میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا میرے بچے کہ اب ہم دونوں اکیلی عورتیں کیا کریں گی ان حالات میں تمہارے پاپا کا علاج کس طرح ممکن ہوگا تمہاری اسکول کی تنخواہ اور ٹیوشن سب ملا کر بھی ہم اتنا خرچہ نہیں کر سکتے۔" پریشانی کے ساتھ ساتھ انہیں پیسوں کی بھی فکر تھی۔

"آپ پریشان مت ہوں بس ہمت کریں سب کچھ ہو جائے گا میں شام میں بھی کہیں جاب کر لوں گی۔" اُس نے ماں کو تسلی دینا چاہی۔

"بس تم اب کوئی جاب نہیں کرو گی بلکہ بہتر ہوگا طحہ سے کہو کہ اپنے گھر والوں کو لے آئے میں چاہتا ہوں کہ جلد از جلد اپنی زندگی میں ہی تمہیں بیاہ کر اپنے گھر بار کا کر دوں۔" پاپا اُن کی آواز سن کر باہر صحن میں آ گئے تھے۔ ہجر نے اُن کے تھکے تھکے زرد چہرے پر ایک نظر ڈالی اور اُس کی آنکھیں ایک بار پھر پانی سے بھر گئیں جنہیں اُس نے جلدی سے اپنے ہاتھ کی پشت سے صاف کر لیا مبادا پاپا کی نظر نہ پڑ جائے اس طرح یقیناً اُن کا دل خراب ہوتا۔

"ہاں میں بھی سوچ رہی ہوں کہ اب طحہ سے خود بات کروں ایسا کرو کہ تم اسے فون کرو کہ ہم سے آ کر ملے۔" ممی نے پاپا کو جواب دیتے ہوئے ہجر کو مخاطب کیا۔

"ٹھیک ہے ممی......!" انہیں جواب دے کر وہ اندر کمرے میں آ گئی بیڈ پر رکھا اپنا سیل فون اٹھایا صبح سے طحہ کا کوئی میسج نہ آیا تھا۔ وہ بے خیالی میں اپنا سیل چیک کر رہی تھی جب اس کے سامنے ایک نمبر آ گیا، یہ نمبر طحہ کے پاپا کا تھا، ہجر کے پاس اُس کے امی اور پاپا دونوں کے نمبر موجود تھے۔ طحہ اُسے کئی بار یہ یقین دہانی کروا چکا تھا کہ اس کی امی اور پاپا دونوں ہجر کے متعلق سب کچھ جانتے ہیں اور ہجر جب چاہے انہیں فون کر سکتی ہے اور اگر چاہے تو اپنے اور طحہ کے بارے میں سب کچھ بتا سکتی ہے اور اس سلسلے میں ہمیشہ اس کا لہجہ اتنا مضبوط ہوتا کہ ہجر کو کبھی اس کا دیا ہوا نمبر آزمانے کی ضرورت ہی نہ پڑی مگر آج جانے کیا ہوا وہ بے خیالی میں اس کے پاپا کا نمبر ملا بیٹھی دوسری ہی بیل پر کسی نے فون ریسیو کر لیا۔ گھبراہٹ میں اُس نے فوراً سلام کر دیا۔

"السلام علیکم انکل!" فون تو کر چکی تھی اب اُسے سمجھ ہی نہ آیا آگے کیا بات کرے۔

"وعلیکم السلام کون بات کر رہا ہے؟" طحہ کی طرح اُس کے پاپا کی آواز اور لہجہ دونوں بہت خوبصورت تھے۔

"جی میں ہجر بات کر رہی ہوں۔" جواب دے کر وہ دوسری سمت متوقع شناسائی کے لیے پُرامید تھی۔

"ہجر تو سنا تھا ہجر آج پہلی بار سن رہا ہوں اور اگر یہ آپ کا نام ہے تو بہت خوبصورت ہے۔" اُن کا جملہ ہجر کو یہ سمجھانے کے لیے کافی تھا کہ وہاں شناسائی نامی کوئی چیز سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ دوسرا طحہ کے پاپا کا جملہ اور بولنے کا انداز وہ اپنا اعتماد بالکل کھو بیٹھی اور مارے گھبراہٹ کے فون بند کر دیا اُسے اس وقت شدید حیرت ہوئی جب اگلے ہی پل اس کے فون پر طحہ کے پاپا کی کال آ گئی جسے ریسیو کرنے کا اُس کا کوئی ارادہ نہ تھا وہ تو صرف طحہ کی کہی ہوئی بات آزمانا چاہتی تھی جس میں پہلے ہی مرحلے پر وہ

ناکام ٹھہری۔ اُسے اندازہ ہوا کہ طٰحہ نے اُس سے جھوٹ بولا تھا مگر کیوں یہ وہ سمجھ نہ پائی مگر اُس ایک کال کے بعد سے اُسے طٰحہ کے پاپا نے فارورڈ ٹیکسٹ بھیجنا شروع کر دیے۔

طٰحہ کے جھوٹ کے ساتھ ساتھ یہ بھی اُس کے لیے سمجھنا مشکل تھا کہ اُس کے پاپا ایسا کیوں کر رہے ہیں مگر سچ صرف یہ تھا کہ آگہی زندگی کا سب سے بڑا عذاب ہے جب تک آپ دوسروں کے متعلق کچھ نہیں جانتے یقین جانیے آپ بڑے فائدے میں ہیں لیکن جسے ہی یہ جان پہچان کا مرحلہ شروع ہوتا ہے آپ کا فائدہ نقصان میں بدلنے لگتا ہے اور آپ کے سامنے وہ سب کچھ آجاتا ہے جو نہیں آنا چاہیے اور یہ بھی کیفیت اس وقت ہجر کی تھی۔ طٰحہ کے پاپا سے ہونے والی معمولی سی شناسائی اُسے ایک عذاب میں مبتلا کر گئی۔ اس کے بعد مزید خوف یہ کہ اگر کبھی اُن کا فون طٰحہ کے سامنے آ گیا تو وہ اُسے کیا جواب دے گی جبکہ وہ آج تک یہ ہی سمجھ رہا ہے کہ اُس کا نمبر سوائے اُس کے کسی اور کے پاس نہیں پھر وہ ہر ملاقات میں ہجر کے فون کی میموری چیک کرنے کا بھی عادی تھا اور اس پر ایک صورت میں ہجر کے لیے پریشانی بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

''کہاں ہو تم......'' اس کے فون ریسیو کرتے ہی طٰحہ نے جلدی سے پوچھا۔

''پاپا کے ساتھ ہاسپٹل......'' اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔ آج اُن کی کیموتھراپی ہے۔ باپ کو پہنچنے والی متوقع تکلیف کے احساس نے اس کے دل کو دکھی کر دیا تھا۔

''اچھا......'' اتنا کہہ کر لائن کے دوسری طرف مکمل خاموش چھا گئی۔

''ویسے سب خیریت تو ہے نا؟'' وہ جاننا چاہتی تھی کہ طٰحہ اس کی بابت کیوں دریافت کر رہا ہے کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔

''خیریت ہی ہے اصل میں امی تم سے ملنا چاہ رہی تھیں اس لیے سوچا اگر تم گھر ہو تو تمہیں پک کر لوں لیکن چلو خیر کوئی بات نہیں پھر کبھی سہی اللہ حافظ۔''

''تم پاپا کا خیال رکھو اس وقت انہیں تمہاری زیادہ ضرورت ہے۔''

اس کے ساتھ ہی اُس نے فون بند کر دیا۔ ہجر نے پاپا کی کیموتھراپی سے متعلق طٰحہ کو ایک ہفتہ قبل ہی بتا دیا تھا وہ تو دن اور ٹائم بھی جانتا تھا۔ اُسے چاہیے تھا کہ اپنی امی سے ملاقات کا وہ ٹائم طے کرتا جس میں ہجر فری ہوتی یہ ہلکا سا شکوہ اس کے دل میں ابھرا۔ جسے اگلے ہی پل اُس نے خود ساختہ دلیل کی مدد سے فوراً ہی سُلا دیا۔ یقیناً طٰحہ بھول گیا ہوگا کہ آج کیا تاریخ ہے۔ یہ خیال دل میں آتے ہی اس کا دماغ بھی فوراً ہی مطمئن ہوگیا۔ ویسے بھی اس کے دل کو دماغ پر فوقیت حاصل تھی۔ دماغ اس کے دل کے تابع تھا جو اس کا دل چاہتا اور کہتا وہ اس کا دماغ باآسانی مان جاتا۔

☆......☆......☆

''ہیلو کیسی ہو آپ؟'' طٰحہ کے پاپا کی طرف سے آنے والے اس میسج نے ہجر کو پریشان کر دیا۔ پھر اپنی یہ پریشانی وہ زوبیہ سے نہ چھپا پائی۔ زوبیہ سے اس کی دوستی اسکول جاب کے ساتھ ہی شروع ہوئی تھی مگر جلد ہی وہ اُس پر اتنا اعتماد کرنے لگی کہ اُس سے طٰحہ کی ہر بات شیئر کر لیتی وہ باتیں بھی جو وہ اپنی ممی کو بھی نہ بتا سکتی تھی۔ بلاشبہ زوبیہ سے بات کر کے اُسے کئی بار ایسا بھی محسوس

ہوتا جیسے وہ طحہ کے معاملے میں کچھ مشکوک ہو۔اس کی باتوں سے ہجر نے کئی بار شک کی بو سونگھی ضرور مگر پروانہیں کی کیونکہ جتنا وہ طحہ کو جانتی تھی اتنا اس سے ملے بنا زوبیہ اُسے نہ جان سکتی تھی اور ہمیشہ یہ ہی سوچ دل میں آکر اُس کے دماغ کو مطمئن کر دیتی۔ اس وقت بھی انکل کے حوالے سے اپنی پریشانی شیئر کرنے کے لیے اُسے زوبیہ سے بہتر ساتھی کوئی نہ دکھائی دیا۔اسکول کی بریک ہوتے ہی وہ اُسے ساتھ لیے باہر گراؤنڈ میں آ گئی۔ مقصد صرف اتنا تھا کہ اندر اسٹاف روم میں موجود کوئی دوسری ٹیچر اُن کے درمیان ہونے والی گفتگو نہ سن سکے۔

''کیا بات ہے ہجر تم اتنی پریشان کیوں ہو؟''

اُس کے چہرے پر چھائی پریشانی زوبیہ نے فوراً محسوس کر لی۔ جواباً ہجر نے اُسے طحہ کے پاپا کو کیے جانے والے فون سے لے کر آج اُن کی طرف سے ملنے والے میسج تک ہر بات سچ سچ بتا دی جسے سنتے ہی زوبیہ ہنس دی۔

''میری جان پر بنی ہے اور تم ہنس رہی ہو۔''

وہ سخت برا مان گئی۔

''مجھے تو ڈر ہے اگر کسی دن طحہ نے میرے فون پر اپنے پاپا کا آنے والا کوئی میسج پڑھ لیا تو جانے کیا ہو۔'' وہ طحہ کو لے کر کچھ خوف زدہ بھی تھی۔

''تو اچھا ہے نا پڑھ لے کم از کم اُسے بھی تو پتہ چلے اپنے مہان پاپا جانی کا جن کی تعریف میں وہ زمین آسمان کے قلابے ملاتا رہتا ہے۔'' زوبیہ اردو کی ٹیچر تھی اس لیے اُس کی گفتگو میں محاوروں کی بھرمار ہوتی۔

''وہ تو ٹھیک ہے مگر یہ بھی تو سوچو نہ آخر اُن کے پاس میرا نمبر آیا کیسے اور جب وہ یہ پوچھے گا تو مجھے لامحالہ یہ بتانا پڑے گا کہ پہل میری طرف سے ہوئی۔''

طحہ کے پاپا کی طرف سے کی جانے والی گھٹیا حرکت سے زیادہ اُسے اس بات کی فکر تھی کہ پہل اُس کی جانب سے ہوئی اور یہ بات طحہ کی ناراضگی کا باعث بنے گی۔

''میں ہنسی اس لیے تھی کہ اس مسئلے کا ایک بہت ہی آسان سا حل ہے جو شاید پریشانی میں تمہارے دماغ سے نکل گیا۔'' ہجر کے چہرے پر اڑی ہوائیاں دیکھ کر زوبیہ کو سنجیدہ ہونا پڑا اور وہ حل یہ ہے کہ تم ''انکل جی'' کا نمبر بلاک کر دو۔'' اس نے لفظ ''انکل جی'' پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''اوہ شٹ یہ بات مجھے پہلے سمجھ کیوں نہ آئی بلاوجہ اتنے دن پریشانی سے موت کی سوئی پر لٹکی رہی۔'' زوبیہ کے انداز میں ہی اردو بولتے ہوئے وہ ہنس دی۔

''تھینک یو زوبیہ تم نے میری ایک بڑی پرابلم حل کر دی ویسے بھی مجھے امید تھی کہ تمہارے پاس میرے مسئلے کا حل ضرور ہوگا۔''

اس نے اپنے فون پر طحہ کے پاپا کا نمبر بلاک کرتے ہوئے زوبیہ کا شکریہ ادا کیا۔

''ویسے ایک بات کہوں ہجر بُرا مت منانا۔'' زوبیہ نہایت سنجیدگی سے اس کے چہرے کی جانب تک رہی تھی۔

''ہاں کہو ویسے بھی میں تمہاری کسی بات کا کبھی برا نہیں مناتی۔'' ہجر کے جواب میں مبالغہ آمیزی کا عنصر قطعی شامل نہ تھا۔

''انسان کا کردار اس کے خاندان سے پتہ چلتا ہے اور جس خاندان کا سربراہ ہی اتنا چھچھورا ہو کہ ایک انجان نمبر سے آنے والے فون پر کسی لڑکی کی آواز سن کر بنا اپنی عمر کا لحاظ کیے اُسے میسج

کیے جارہا ہوتو بھلا بتاؤ اُس خاندان کی نوجوان نسل کس قدر قابل اعتبار ہوگی جہاں تک میں سمجھتی ہوں ایک فیصد بھی نہیں۔'' زوبیہ کا انداز قطعی تھا۔

''اپنی اپنی سوچ ہے ورنہ ضروری نہیں کہ گھر کا ہر فرد دوسرے کا آئینہ ہو ہر فرد اپنے کردار کی تشکیل کا ذمہ دار خود ہوتا ہے اور ویسے بھی کسی فرد کے کردار کی تعمیر میں اولیت ماں کو حاصل ہوتی ہے باپ کہاں ٹائم دیتے ہیں اور جہاں تک میں سمجھتی ہوں طحہ کی امی ایک آئیڈیل خاتون ہیں جن سے ابھی تک میں ملی نہیں ہوں لیکن ایسا مجھے ہمیشہ طحہ کی باتیں سن کر اندازہ ضرور ہوتا ہے اور وہ اپنے باپ سے زیادہ ماں کے قریب ہے۔''

ہجر کی سمجھ میں اب آرہا تھا کہ طحہ اور اس کے والد کے درمیان ہر وقت ہونے والے اختلافات کی وجہ کیا رہی ہوگی ضرور اُسے علم تھا کہ اُس کے والد کی سرگرمیاں کیا ہیں یہ ہی سبب تھا جو وہ اُن سے اس قدر چڑتا تھا۔

''اللہ کرے تمہارا یقین طحہ پر ایسے ہی برقرار رہے حالات اُسے کبھی بھی متزلزل نہ کریں۔'' زوبیہ نے دل کی گہرائیوں سے اُس سادہ اور معصوم لڑکی کو دعا دی جس کی زندگی کا محور سوائے طحہ کے کوئی اور نہ تھا اور نہ ہی کبھی ہو سکتا تھا اس کا اندازہ کچھ ہی ماہ میں زوبیہ کو بہت اچھے سے ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

''تمہیں پتہ ہے آپی کی بیٹی ہوئی ہے۔'' وہ طحہ کے ساتھ لنچ پر آئی تھی جب اچانک ہی اُس نے ہجر کو یہ خوش خبری سنائی ہجر نے دیکھا یہ خبر سناتے ہوئے طحہ کا چہرہ خوشی سے کھلا پڑا تھا وہ اپنی اکلوتی بہن سے بہت محبت کرتا تھا اسی حوالے سے اپنی بھانجی بھی اُسے خاصی عزیز ہوگی یہ بات بنا کہے ہجر سمجھ سکتی تھی۔

''تقریباً چوبیس سال بعد ہماری فیملی میں آپی کے بعد دوسری بیٹی ہوئی ہے۔'' اُس نے کھلکھلاتے لہجے میں اپنی خوشی کی وجہ بھی بتادی۔

''بہت مبارک ہو طحہ، میں بھی آپی کی بیٹی دیکھنا چاہوں گی اگر تم چاہو تو......'' اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے اُس نے طحہ کے چہرے پر ایک نظر ڈالی جو ہجر کی بات سنتے ہی کسی سوچ میں گم ہو گیا تھا۔

''ٹھیک ہے آجاؤ چلیں......'' کچھ سوچتے ہوئے اُس نے ٹیبل سے گاڑی کی چابیاں اٹھائیں اور فوراً اُسے پیشتر اُٹھ کھڑا ہوا۔

''ابھی......'' وہ شش و پنج میں مبتلا ہوئی اُسے لگا طحہ مذاق کر رہا ہے مگر اس کے چہرے پر طاری سنجیدگی نے ہجر کو تھوڑا سا پزل کردیا۔

''ہاں کیوں ابھی کیا ہے؟'' جواب کے ساتھ ہی سوال بھی کیا۔

''میرا مطلب ہے کہ تم مجھے پہلے بتاتے میں تیار ہو کر آتی اور خاص طور پر اُس ننھی پری کے لیے کوئی اچھا سا تحفہ بھی لے لیتی اس طرح خالی ہاتھ جانا کچھ عجیب سا لگ رہا ہے وہ بھی پہلی بار۔'' اُس نے ہچکچاتے ہوئے اپنی بات مکمل کی مبادا طحہ برا نہ مان جائے بات تو تمہاری ٹھیک ہے لیکن جہاں تک تحفہ کی بات ہے وہ ہم راستے سے لے لیں گے رہی بات تمہاری تیاری کی تو اُس کے لیے اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے تم ماشاء اللہ اتنی خوبصورت ہو کہ وہاں موجود تمام لوگوں میں نمایاں ہی نظر آؤ گی اپنی اس سادگی سمیت اور یہ میرا یقین ہے جو کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔''

طحہ نے اس طرح خراج تحسین پیش کرکے

اُس کے چہرے کو ایک رونق سی بخش دی اس نے اپنے لفظوں کی ایسی جادوگری دکھائی کہ ہجر فوراً ہی اپنا ہینڈ بیگ سنبھالتی اس کے پیچھے باہر نکل آئی۔ طحہ نے گاڑی کا فرنٹ ڈور اُس کے لیے کھول دیا، ایئر فریشنر اور اے سی کی ٹھنڈک نے اس کے اعصاب پر ایک خوشگوار سا تاثر چھوڑا۔

''تم کسی دن ٹائم نکالو میں تمہیں بھی گاڑی چلانا سکھا دوں۔'' شاید کچھ مرد عورت کی نفسیات پر مکمل عبور رکھتے ہیں طحہ بھی اُن میں سے ایک تھا ہجر کو مکمل طور پر اپنی گرفت میں لینے کا ہنر جانتا تھا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی ہجر کے چہرے پر دکھائی دینے والی خوشی دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ اُسے کون سی بات متاثر کرسکتی ہے چہرے دیکھ کر اندر تک جھانکنے کا فن وہ خوب جانتا تھا۔

''بلکہ ایسا کرو کہ کوئی ڈرائیونگ اسکول جوائن کرلو میں اُس کی فیس پے کردوں گا۔'' ابھی وہ پہلے ہی اُس کے پھیلائے گئے حسین لفظوں کے جال سے باہر نہ نکلی تھی کہ طحہ نے اُسے ایک بار پھر سے قید کرلیا۔

''ٹھیک ہے تمہارے پاس جب ٹائم ہو ایڈمیشن کے لیے لے جانا۔'' انکار کی کوئی گنجائش تھی اور نہ ہی وجہ، سو سر تسلیم خم کیا جو حکم یار ہوا کہ مصداق وہ اُس کی ہر بات پر عمل کے لیے تیار تھی۔

''او کے اب یہ بتاؤ کہ آپی کی ننھی پری کے لیے کیا تحفہ لینا ہے۔'' گاڑی مین روڈ پر ڈالتے ہی وہ اپنے مطلب کی طرف آ گیا۔

''میں نے تو کبھی کسی چھوٹے بچے یا بچی کے لیے کوئی تحفہ نہیں خریدا اب تمہیں جو بہتر لگے وہ لے لو۔''

''تمہارے پاس کتنی رقم ہے تا کہ تحفہ کا تعین بھی اُسی حساب سے کیا جائے۔'' اُس کے ہلکے پھلکے لہجے میں کیے گئے اس سوال نے ہجر کو سوچ میں ڈال دیا وہ سمجھی تھی کہ تحفہ طحہ خود ہی خریدے گا۔ اس کا یہ اطمینان فوراً ہی رخصت ہوگیا اس نے ہینڈ بیگ میں موجود اپنے پیسوں کا حساب لگایا۔ پاپا کی دوائیاں خریدنے کے بعد اس کے پاس صرف تین یا چار سو روپے باقی بچتے تھے جو کسی بھی اچھے تحفہ کے لیے ناکافی تھے۔

''اگر پیسے نہیں ہیں تو پھر کسی دن چلے جائیں گے تم پریشان مت ہو۔'' طحہ نے ہجر کے سوچتے ہوئے چہرے پر نظر ڈالی ویسے میں نے آپی کو میسج کر کے تمہارے آنے کا بتا دیا تھا کوئی بات نہیں میں منع کردیتا ہوں۔'' اس جملہ کے ساتھ اُس نے ہجر کے لیے سوچنے کی گنجائش بالکل ختم کردی۔

''نہیں..... ہم آج اور ابھی جائیں گے تم گاڑی کسی جیولر شاپ پر لے جاؤ۔'' وہ دل ہی دل میں جیسے کوئی فیصلہ کرتے ہوئے بولی۔

''جیولر شاپ.....'' طحہ پل بھر کو حیران ہوا۔

''اتنے پیسے ہیں تمہارے پاس۔''

''پیسے تو نہیں ہیں البتہ یہ بالیاں ہیں۔'' اُس نے کان سے اپنی بالیاں اُتارتے ہوئے طحہ کو دکھائیں۔

''مجھے اب یہ چھوٹی لگنے لگی ہیں ممی کہہ رہی تھیں کہ پاپا کے ٹھیک ہونے کے بعد وہ یہ بالیاں کسی جیولر کو دے کر مجھے دوسرے ایئر رنگ لے دیں گی۔'' اس نے ساری بات طحہ کو بتاتے ہوئے بالیاں اپنے سامنے ڈیش بورڈ پر رکھ دیں۔

''تو تم اپنی ممی سے کیا کہو گی بالیاں کہاں گئیں؟'' سوال کے ساتھ ساتھ طحہ نے گاڑی سڑک کنارے روک دی۔

''کچھ بھی کہہ دوں گی اُسے تم چھوڑو فی الحال

کسی جیولر کے پاس چلو تا کہ ان بالیوں کو پالش کروا کر اچھی سی پیکنگ کروالیں۔''

وہ طحہ کے سوال کو چٹکیوں میں اڑاتے ہوئے بڑے اطمینان سے بولی۔

''ویسے تمہاری مرضی ہے لیکن مجھے اچھا نہیں لگ رہا کہ تمہارے کان خالی کروا کر میں آپی کی بیٹی کو تحفہ دے دوں۔'' طحہ ابھی تک تذبذب کا شکار تھا۔

''افوہ طحہ جلدی کرو آپی انتظار کر رہی ہوں گی۔'' وہ پہلی بار طحہ کے ساتھ اُس کی فیملی سے ملنے جا رہی تھی جس کی خوشی اُس کے ہر انداز سے جھلک رہی تھی۔

''ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی......'' ایسے جیسے وہ ہجر کی ضد کے آگے ہار مان گیا ہو۔ اگلے پانچ منٹ بعد وہ ایک جیولر شاپ پر تھے، ہجر نے بالیاں پالش کروا دیں پھر ایک خوبصورت سا باکس خرید کر اس میں رکھتے ہوئے اپنے ہینڈ بیگ میں ڈال لیں۔ اب اس کا پرس بالکل خالی تھا کیونکہ اس میں موجود چار سو روپے جیولر کی نذر ہو چکے تھے مگر ہجر کو اس کی کوئی پرواہ نہیں تھی تقریباً بیس منٹ بعد وہ شہر کے ایک بڑے میٹرنٹی ہوم کے باہر کھڑی تھی۔ طحہ اُسے گیٹ کے سامنے اُتار کر گاڑی پارک کرنے گیا اور جب دس منٹ بعد وہ گاڑی پارک کر کے واپس آیا تو موبائل کانوں سے لگائے وہ کسی سے مصروف گفتگو تھا۔ ہجر نے دیکھا وہ چہرے سے کچھ پریشان لگ رہا تھا اب وہ بے چینی سے طحہ کے فون بند کرنے کی منتظر تھی تا کہ پتہ چلے کیا بات ہے۔

''ایک پرابلم ہوگئی ہے؟'' فون بند کرتے ہی ہجر کے کچھ پوچھے بنا ہی وہ آہستہ سے بول اٹھا۔

''خیریت تو ہے کیا ہوا؟'' طحہ کی پریشانی اُسے ہمیشہ اسی طرح بے چین کرتی تھی۔

''یار سرمد بھائی کے دادا اسپتال آگئے ہیں سرمد بھائی اور ان کے ابو بھی ساتھ ہی ہیں۔'' وہ تمہید باندھتے ہوئے بولا۔

''تو پھر......'' وہ سمجھ نہ پائی طحہ کیا کہنا چاہتا ہے۔

''پھر یہ کہ وہ لوگ کافی پرانے خیالات کے مالک ہیں تمہیں میرے ساتھ دیکھ کر باتیں بنائیں گے کہ بنا کسی رشتے تم کس طرح میرے ساتھ گھوم رہی ہو وغیرہ وغیرہ۔

''اوہ......'' اصل بات اب اُس کی سمجھ میں آئی۔

''مگر تم نے تو بتایا تھا کہ آپی اور سرمد بھائی کی بھی پسند کی شادی ہے۔''

''ہاں یہ بات صحیح ہے مگر اس بات کا علم اُن کے دادا کو نہیں ہے بہر حال اب اُسے چھوڑو اصل مسئلہ یہ ہے کہ میں تمہیں اندر لے جا کر کس طرح متعارف کرواؤں یہ ہی سب سوچ کر میں نے عادل کو فون کر دیا ہے بس ابھی وہ آتا ہی ہوگا جیسے ہی وہ آئے ہم اندر جائیں گے وہاں سب کے سامنے میں کہہ دوں گا کہ تم عادل کی بہن ہو اور عادل کو تقریباً سب ہی لوگ جانتے ہیں۔''

لیکن تم نے تو بتایا تھا کہ آپی مجھے تمہارے حوالے سے جانتی ہیں تم تو شاید انہیں میری تصاویر بھی دکھا چکے ہو۔'' اس کے ساتھ ساتھ چلتی ہجر اس نئی اور غیر متوقع صورت حال سے کچھ اَپ سیٹ ہوگئی تھی۔

''ہاں ہاں تم گھبرا کیوں رہی ہو آپی کو ساری بات کا علم ہے میری اُن سے میسج پر بات ہوگئی ہے اور میں نے انہیں سب کچھ بتا دیا ہے اُن ہی کے مشورے پر میں نے عادل کو کال کی تھی۔'' ایک

سکینڈ میں ہی طحہ کے جواب نے اُس کی ساری پریشانی دور کردی اور وہ قدرے مطمئن ہوگئی اگلے ہی پل وہ اس پرائیویٹ روم کے اندر تھی جہاں آپی اپنی نومولود بیٹی کے ساتھ موجود تھیں۔ ساتھ ہی طحہ کی امی اور سرمد بھائی بھی تھے اُس کے علاوہ وہاں کوئی نہ تھا، عادل آچکا تھا

''یہ میری چھوٹی بہن ہجر ہے اسے ہمیشہ سے چھوٹے بچے بہت اچھے لگتے ہیں۔'' عادل کے اس تعارف پر وہاں موجود کسی فرد کے چہرے پر کوئی شناسائی دکھائی نہ دی۔ وہ سب کے لیے قطعی اجنبی تھی۔ آپی اور آنٹی کے عام سے رویے نے اُسے خاصا مایوس کیا اُسے لگا تھا طحہ کے گھر والے اس کا والہانہ استقبال کریں گے ورنہ کم از کم طحہ کے حوالے سے اُن کا رویہ ہجر کے ساتھ خاص الخاص ہوگا مگر وہاں ایسا کچھ بھی نہ تھا بلکہ آپی نے تو اس کے ساتھ سوائے سرسری سی گفتگو کے زیادہ بات بھی نہ کی اُن کے پُرغرور رویہ نے ہجر کو تھوڑا سا شرمندہ بھی کیا خاص طور پر اُس وقت جب اُس نے اپنے بیگ سے بالیاں نکال کر انہیں دیں۔

''ارے اِن کی کیا ضرورت تھی؟'' آپی نے بالیاں کھول کر دیکھے بنا ہی سائیڈ پر رکھ دیں اور اس کے ساتھ ہی اُسے مکمل اگنور کر کے وہ سرمد بھائی کے ساتھ مصروف گفتگو ہوگئیں۔ طحہ وہیں رُک گیا اور وہ پہلی بار دلبرداشتہ حالت میں عادل کی بائیک پر اپنے گھر واپس آئی وہ اتنی پریشان تھی کہ سارے راستے اس نے عادل سے کوئی بات بھی نہ کی یہاں تک کہ دروازے پر اُتر کر اُس کا شکریہ ادا کیے بنا ہی اندر چلی گئی۔

☆......☆......☆

زوبیہ کو اُس کی بات سنتے ہی حیرت کا جھٹکا لگا۔

''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہے۔'' وہ ہجر کی جانب تکتے ہوئے غصے سے بولی۔

''جب اُس شخص نے اپنے گھر والوں سے تمہارا کوئی تعارف نہیں کروایا تو تمہیں کیا ضرورت تھی اپنے کان کی بالیاں اُتار کر انہیں دینے کی، میں نے تمہارے جیسی بیوقوف لڑکی آج تک نہیں دیکھی۔'' غصے سے زوبیہ کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔

''تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میں طحہ کی بھانجی کو بنا کچھ دیے واپس آجاتی۔'' وہ زوبیہ کے غصے کو قطعی نظر انداز کرتے ہوئے آہستہ سے بولی۔

''ظاہر ہے جب وہ ہر قدم پر تمہیں بیوقوف بنا رہا ہے تو کچھ حق تو تمہارا بھی بنتا تھا اس سے بدلہ لینے کا، جیسا جھوٹ بول کر وہ تمہیں وہاں لے کر گیا تھا ویسا ہی جھوٹ تم بھی بول دیتیں کہہ دیتیں کہ بالیاں تمہارے بیگ سے کہیں گر گئیں۔''

زوبیہ کے انداز میں جھلکتی ہمدردی ہجر سے چھپی نہ تھی وہ جانتی تھی کہ زوبیہ اپنی محبت میں اس قدر جذباتی ہوکر یہ سب کچھ کہہ رہی ہے شاید وہ یہ سب کہنے میں حق بجانب تھی کیونکہ اتنے ماہ میں ایک دفعہ بھی اس کی طحہ سے ملاقات نہ ہوئی تھی اور بنا ملے کسی کے بارے میں لگایا جانے والا اندازہ حتمی نہیں ہوسکتا۔ مگر پھر زوبیہ کا یہ جملہ کہ طحہ اُسے بیوقوف بنا رہا ہے ہجر کو ذرا اچھا نہ لگا اس لیے وہ ٹوکے بنا نہ رہ سکی۔

''پہلی بات تو یہ کہ تم اپنی یہ غلط فہمی دور کرلو کہ طحہ مجھے بیوقوف بنا رہا ہے کیونکہ ایسا کچھ نہیں ہے جو تم سوچ رہی ہو۔'' وہ وضاحت دے تو رہی تھی مگر آج پہلی بار اُسے اپنا لہجہ خود بھی کھوکھلا محسوس

ہوا۔

شاید طحہ کے کل والے رویے نے اُسے بھی تھوڑا سا مایوس کر دیا تھا۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو اور جو تم سوچ رہی ہو وہ درست ہو جبکہ میری سوچ میری طرح غلط ثابت ہو۔'' اُس کا خلوص ہجر کو دی جانے والی دعا میں پوری طرح شامل تھا جس سے ہجر کو انکار نہ تھا۔

''لیکن میں تمہیں ایک مشورہ ضرور دوں گی اب تم ایک بار طحہ کے گھر والوں سے ضرور ملو، اُسے مجبور کرو کہ وہ تمہیں اپنی امی یا آپی سے ملوائے۔''

''ٹھیک ہے میں اُس کی امی سے خود بات کروں گی میرے پاس اُن کا نمبر ہے۔ مطلب تم انہیں خود سے فون کرو گی؟'' زوبیہ کا سوال حیرت سے خالی نہ تھا۔

''ہاں اور انہیں یہ بتاؤں گی کہ میں ہجر ہوں۔'' ہجر مضبوط لہجے میں بولی۔

''یہ بات تو کل انہیں اسپتال میں طحہ نے بھی بتائی تھی کہ تم ہجر ہو جسے سن کر انہوں نے کوئی ردِ عمل ظاہر نہ کیا پھر فون پر تمہارا نام سننے کے بعد ایسا کیا ہونے والا ہے جو تمہارے تمام مسائل حل کر دے گا۔''

وہ کمر پر ہاتھ رکھے ہجر کے سامنے کھڑی اُس سے جواب طلب تھی۔

''نہیں میں صرف نام نہیں بتاؤں گی انہیں اپنا اور طحہ کا رشتہ بھی بتا دوں گی۔''

''چلو کوشش کر کے دیکھ لو لیکن میں نہیں سمجھتی اس کا تمہیں کوئی فائدہ ہوگا اس کے باوجود میری نیک خواہشات تمہارے ساتھ ہیں۔'' زوبیہ نے ہجر کے ٹھنڈے برف ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں دباتے ہوئے کہا۔ جواباً ہجر صرف اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی لیکن اگلے کئی دنوں تک وہ اپنی پریشانی میں طحہ کی امی کو فون ہی نہ کر سکی۔

☆......☆......☆

پاپا کی حالت دن بدن بگڑتی جا رہی تھی۔ اسکول، ٹیوشن، اسپتال ان سب چیزوں نے مل کر ہجر کو تھکا دیا تھوڑی بہت جمع شدہ رقم جو ممی کے پاس تھی آہستہ آہستہ کر کے ختم ہوگئی۔ اب اُسے لگتا کہ ٹیوشن کے علاوہ اُسے لازمی شام میں کوئی جاب ڈھونڈنی چاہیے اور ان دنوں جب وہ عالمِ پریشانی میں جاب تلاش کر رہی تھی اُسے ایک بوتیک سے اچھی سیلری پیکیج پر آفر آ گئی۔ یہاں اُس نے انٹرنیٹ کے ذریعے اپلائی کیا تھا اور تقریباً ایک ماہ کی کوشش کے بعد اُسے انٹرویو کے لیے کال آئی اب اصل مسئلہ پاپا سے اجازت کا تھا جو اُسے کسی بھی صورت شام کے اوقات میں گھر سے نکلنے کی اجازت نہ دیتے اور یہ ہی بات ہجر کے لیے باعث پریشانی تھی وہ خاموشی سے ممی کے ساتھ جا کر انٹرویو دے آئی۔

بوتیک ایک بڑے مال میں تھا جس کے اوقات رات 11 بجے تک تھے جبکہ عید کے دنوں میں اس سے بھی لیٹ لیکن یہ جاب اُس کی مجبوری تھی کیونکہ اس وقت پیسہ اس کی سب سے بڑی ضرورت تھا وہ چاہتی تھی کہ ممی پاپا سے ہجر کی اس جاب کا ذکر کریں اور کوشش کریں کہ وہ آمادہ ہو جائیں۔ لیکن ابھی ممی نے پاپا سے بات بھی نہ کی تھی کہ وہ یہ ذکر طحہ سے کر بیٹھی جسے سنتے ہی وہ غصے سے بھڑک اٹھا۔

''تم پاگل ہوگئی ہو جو شام چار سے لے کر رات بارہ بجے تک گھر سے باہر رہو گی۔ اور پھر جانتی ہو وہ مال تمہارے گھر سے کتنا دور ہے؟''

اُس نے غصے سے ہجر کو گھورتے ہوئے سوال کیا جواباً ہجر کے منہ کوئی آواز نہ نکلی طحہ کے اس قدر غصے نے اُسے قدرے خوف زدہ کر دیا تھا تقریباً بارہ بجے وہاں سے نکل کر گھر آتے آتے تمہیں ایک بج جائے گا پھر تمہیں وہاں سے کون واپس لے کر آئے گا؟ اُس کے کئے گئے سارے سوال ایسے تھے جن کا ہجر کے پاس فی الحال کوئی جواب نہ تھا۔

''اب خاموش کیوں ہو جواب دو میری بات کا، رات بارہ بجے تم کس کے ساتھ گھر آؤ گی؟'' وہ غصے سے دھاڑا۔

''وہ لوگ مجھے پک اینڈ ڈراپ دیں گے۔'' بالآخر ہمت کر کے وہ بول ہی پڑی۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے ایسی بے ہودہ جاب کرنے کی، لڑکیوں کے لیے سوائے اسکول کے کوئی جاب اچھی نہیں ہوتی، جس ڈرائیور کے ساتھ تم رات ایک بجے گھر آؤ گی۔ کیا وہ تمہارا رشتہ دار ہوگا؟ اور پھر جس محلے میں تم رہتی ہو وہاں اتنی رات کو تمہیں آتا جاتا دیکھ کر لوگ باتیں نہ کریں گے؟''

ایک اور سوال جس کے بارے میں ہجر نے ابھی تک سوچا ہی نہ تھا۔

''ایک منٹ طحہ......'' آخر ہمت کرتے ہوئے اُس نے بات شروع کی۔

''اگر مجھے اس طرح آتا جاتا دیکھ کر لوگ باتیں کریں گے تو کرنے دو، مجھے اپنے پاپا کے علاج کے لیے رقم کی ضرورت ہے۔ جو نہ مجھے محلے والوں نے دینی ہے اور نہ ہی کسی رشتے دار نے اور نہ ہی میرا کوئی بڑا بھائی ہے جو اس لمحہ گھر سنبھالنے کے لیے میرے ساتھ کھڑا ہو مجھے جو بھی کرنا ہے اکیلی کو کرنا ہے۔ مجھے اپنا باپ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔'' اس نے رندھی ہوئی آواز میں وضاحت دی۔

ایک پل کے لیے طحہ خاموش ہو گیا ہجر کو لگا وہ اپنا نقطہ نظر سمجھانے میں کامیاب ہو گئی ہے۔ مگر اگلے ہی پل طحہ کے جواب نے اُس کی اِس غلط فہمی کو دور کر دیا۔

''جو تم کہہ رہی ہو بے شک وہ سب ٹھیک ہے میں تمہاری کسی بات سے انکار نہیں کر رہا لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اس طرح تم محلے بھر میں بدنام ہو جاؤ گی کیونکہ تم جس جگہ رہتی ہو وہاں اپنی چھوٹی چھوٹی باتوں کا ایشو بنا کر انہیں بہت اچھالا جاتا ہے اور صاف بات یہ ہے کہ میرے گھر میں تو جاب والی لڑکی کو ہی پسند نہیں کیا جاتا اور ایسے میں اتنی غلط ٹائم والی جاب، قطعی ناممکن میں نہیں سمجھتا کہ اس کے بعد میں کبھی بھی اپنے گھر والوں کو تمہارے لیے رضا مند کر سکوں گا، اب آگے تمہاری مرضی جو تمہارا دل چاہے تم کرو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

حقیقت کی تلخیوں سے آگاہ کرنے کے بعد وہ فیصلہ کا حق اُسے سونپ کر مطمئن ہو گیا۔ ہجر منتظر رہی شاید وہ اس سلسلے میں اُس کی کسی مدد کے لیے بھی کچھ کہے کہہ دے کہ تمہیں جب ضرورت ہوگی پاپا کے علاج کے لیے کچھ نہ کچھ انتظام رقم کی صورت میں، میں بھی کر دوں گا یا پھر یہ کہ بوتیک سے واپسی کی ذمہ داری میں لے لیتا ہوں یا پھر یہ کہ جاب سے قبل میں اپنے گھر والوں سے بات کر کے تم سے نکاح کر لیتا ہوں اس طرح دنیا کو باتیں بنانے کا موقع کم ملے گا، مگر ان میں سے کوئی بھی بات طحہ نے نہ کی اس کا انتظار مایوسی میں بدل گیا۔ طحہ کے اتنا سب کچھ کہنے کے بعد کوئی ایسی گنجائش باقی نہ بچی تھی کہ وہ مزید اس جاب کے

لیے کوشش کرتی یا پاپا کو راضی کرنے کی بات کرتی لہٰذا بوتیک کی اس جاب کا موضوع طحہ سے گفتگو کے بعد اُس روز وہیں ختم ہوگیا اور اُس نے دوبارہ ممی سے اس کا ذکر بھی نہ کیا جانتی تھی کہ پاپا بھی آمادہ نہ ہوں گے۔

☆......☆......☆

''یہاں بیٹھو بیٹا مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔'' پاپا نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان ہجر کا ہاتھ تھام کر اپنے قریب ہی بٹھالیا کچھ دیر قبل ہی وہ کیموتھراپی کروا کر آئے تھے ہر بار کیموتھراپی کے بعد اُن کی حالت اتنی ہی بگڑ جاتی تھی کہ بات بھی بمشکل کر پاتے ایسے میں اگر وہ ہجر سے کچھ کہنا چاہتے تھے تو لازمی تھا کہ بات بے حد ضروری تھی وہ خاموشی سے اُن کے قریب بیٹھ گئی۔

''میں چاہتا ہوں کہ جتنی جلد ہو سکے تمہاری شادی کر دی جائے۔'' انہوں نے بمشکل اپنا جملہ مکمل کیا' پاپا کی کہی جانے والی بات اتنی غیر متوقع تھی کہ ہجران کا منہ ہی تکتی رہ گئی۔

''دیکھو بیٹا وقت بہت بدل گیا ہے میری بیماری کے ان چھ ماہ نے ہمارے حالات کو قدرے تبدیل کر دیا ہے میری بیماری ہر لحاظ سے خطرناک ہے اور یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتی ہو کہ کینسر جیسے موذی مرض کا علاج بہت مہنگا ہے۔''

بات کرتے کرتے انہیں کھانسی کا دورہ سا اٹھا ہجر نے جلدی سے اُٹھ کر قریب موجود بوتل سے گلاس میں پانی ڈالا اور اُن کے لبوں سے لگا دیا صرف دو گھونٹ کے بعد ہی انہوں نے گلاس پرے کر دیا۔

''رفتہ رفتہ ساری جمع پونجی ختم ہو رہی ہے۔'' انہوں نے اپنی بات دوبارہ شروع کی۔

''میں جانتا ہوں کہ تم دن رات محنت کر کے گھر کا خرچ چلا رہی ہو مجھے تمہاری اس خدمت سے قطعی انکار نہیں۔''

''میں جو کر رہی ہو وہ میرا فرض ہے پاپا آپ پر کوئی احسان نہیں۔'' پاپا کی ہر بات کا جواب اُس نے صرف ایک ہی جملے سے دیا۔

''بانو آپا ثاقب کے لیے تمہارا رشتہ چاہ رہی ہیں۔'' انہوں نے جیسے اُس کی بات سنی ہی نہیں۔

''اب فیصلہ تم پر ہے تم کیا چاہتی ہو؟'' پاپا طحہ اور اس کے تعلق کے متعلق سب کچھ جانتے ہوئے بھی ثاقب کا ذکر کر رہے تھے یہ بات اُس کے لیے حیران کن تھی۔

''میرا فیصلہ تو آپ بہت پہلے سے جانتے ہیں پاپا طحہ آپ سے مل کر ہر بات کر چکا ہے۔'' ہر لڑکی کی طرح وہ بھی سہانے سپنے دیکھنے کے عادی تھی ایسے سپنے جہاں ایک خوبصورت ہیرو زندگی کے آخری لمحہ تک ساتھ نبھاتا ہے اور یہ ہی سہانے سپنے اُس کے لہجے میں بھی جھلک رہے تھے۔

''پتہ نہیں کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میری بیماری اور ہمارے بگڑے معاشی حالات نے طحہ کو خاصا تبدیل کر دیا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو کیا میری عیادت کے لیے اُس کے گھر سے کسی کا آنا فرض نہ تھا؟''

پاپا کی جانب سے کیا جانے والا یہ سوال بالکل جائز تھا اور یہ بات اُسے کئی بار زوبیہ بھی جتا چکی تھی مگر شاید طحہ کی محبت نے اُس سے سوچنے سمجھنے کی ہر صلاحیت چھین لی تھی۔

''جہاں رشتے ناطے طے کرنے کا ارادہ ہو وہاں دنیا داری بھی نبھائی جاتی ہے اور یہ بات تو

تم بھی اچھے سے جانتی ہو کہ اتنے برسوں میں طحہ نے آج تک تمہیں اپنے گھر والوں سے نہیں ملوایا سوچو ذرا کیوں؟"

بات کرتے کرتے اُن کی سانس پھول گئی مگر آج شاید وہ ہر بات کر لینا چاہتے تھے یہ ہی سبب تھا جو ہجر بنا رو کے اُن کی ہر بات سنتی گئی اُسے اندازہ ہوا کہ زوبیہ کے بعد پاپا بھی طحہ سے بدظن ہو رہے ہیں۔ اُس نے پاپا کو طحہ کی بہن اور ماں سے اسپتال میں ہونے والی اپنی سرسری سی ملاقات کے متعلق کچھ نہ بتایا تھا۔

"اور اگر پھر بھی تمہیں طحہ پر اعتماد اور بھروسہ ہے تو اُس سے کہو اپنے گھر والوں کو لے کر آئے ورنہ میں بات آپا کو ہاں کر دوں گا۔" پاپا کا لہجہ سخت اور حتمی تھا اب مزید کسی دلیل کی گنجائش نہ تھی۔

"ٹھیک ہے پاپا میں اُس سے آج ہی بات کروں گی۔"

پاپا کے ہاتھ تھامتے ہوئے اُس نے انہیں ضرور یقین دلایا جبکہ اُس کا دل خود یقین سے خالی تھا۔ جہاں کہیں نہ کہیں یہ احساس موجود تھا کہ فی الحال طحہ اُس کی یہ بات نہیں مانے گا جس کا اندازہ وہ اِس دن اسپتال میں طحہ کے رویہ سے لگا چکی تھی۔ طحہ اُسے ڈھکے چھپے لفظوں میں بتا چکا تھا۔ اُس کے والد ہجر کے گھر آنے پر آمادہ نہیں ہو رہے وجہ اسٹیٹس کا نمایاں فرق تھا۔ بقول طحہ کے اُس کے والد ان لوگوں میں سے تھے جو ہمیشہ بلندی کی جانب دیکھتے ہیں اور جن کے نزدیک لوگوں کی پہچان اُن کے رتبے سے ہوتی ہے اور یہ ہی وہ سبب تھا جو اُس کی اپنے والد سے نہیں بنتی لیکن دوسری طرف وہ ہجر کو یہ بھی یقین دلا چکا تھا کہ وہ آپی اور امی کو بے حد پسند آئی ہے اور جلد ہی امی ابو کو اس رشتے پر آمادہ کر لیں گی یہ بات ان دونوں کے درمیان ابھی چند دن قبل ہی ہوئی تھی ایسے میں اُس کی سمجھ میں نہ آیا کہ پاپا کی کہی ہوئی باتیں طحہ تک کس طرح پہنچائے وہ کہیں یہ نہ سمجھ لے کہ مجھے اس کی محبت پر اعتبار نہیں اور یہ بات ہمیشہ طحہ کے لیے ناراضگی کا سبب بنتی تھی اور اس کی ناراضگی ہجر کی جان نکال لیتی تھی یہ ہی سبب تھا جو اس نے طحہ سے کوئی بات کرنے کا ارادہ فی الحال کچھ دنوں کے لیے ملتوی کر دیا۔

☆......☆......☆

"کیا بات ہے ہجر تم اتنی پریشان کیوں ہو؟ انکل کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔" بریک ہوتے ہی زوبیہ نے اُس کے ستے ہوئے چہرے پر ایک نظر ڈالتے ہوئے سوال کیا، اُسے آج صبح سے ہی ہجر کچھ بے چین سی نظر آرہی تھی۔

"آں...... ہاں......" اُس کی بات سنتے ہی ہجر نے خالی خالی نظروں سے اُس کی جانب تکا ایسے جیسے وہ زوبیہ کی بات سمجھی ہی نہ ہو۔

"کیا بات ہے انکل تو ٹھیک ہیں نا؟" اُس نے اپنا سوال ایک بار پھر سے دہرایا۔ کیونکہ ہجر کی اس قدر پریشانی کی وجہ فی الحال اُسے کوئی اور دکھائی نہ دے رہی تھی۔

"ہاں وہ تو ٹھیک ہیں۔" مختصر سا جواب دے کر ہجر خاموش ہو گئی۔

"پھر تمہاری پریشانی کی وجہ کہیں یہ تو نہیں؟" اُس کے خاموش ہوتے ہی زوبیہ نے اپنے موبائل کی اسکرین اُس کی طرف کرتے ہوئے سوال کیا۔ ہجر نے چونک کر موبائل اسکرین پر ایک نظر ڈالی تصویر کسی اجنبی لڑکی کی تھی جسے اس سے قبل اُس نے کبھی نہ دیکھا تھا۔

"کون ہے یہ؟" ہجر نے حیرت سے زوبیہ کی جانب تکتے ہوئے سوال کیا اُس کے چہرے

پر شناسائی کی ہلکی سی رمق بھی نہ تھی جس کا اندازہ زوبیہ کو بخوبی ہو چکا تھا اُس نے بنا جواب دیے اپنے فون کی اسکرین کو پریس کیا اور آنے والی اگلی تصویر ہجر کے سامنے کر دی۔ ہجر نے دیکھا اب اُس لڑکی کے ساتھ طحہ موجود تھا جسے دیکھتے ہی یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ اُس لڑکی کو بہت پرانا جانتا ہے وہ لڑکی کون تھی؟ اس سے زیادہ دلچسپی ہجر کو یہ تھی کہ وہ طحہ کے ساتھ کیوں تھی؟ اور یہ تصویر زوبیہ نے کہاں سے حاصل کی۔

''تمہیں یہ تصویر کہاں سے ملی؟'' سوال سے زیادہ انداز مشکوک تھا۔

''ایڈیٹنگ نہیں ہے حقیقی تصویر ہے۔'' زوبیہ نے برا سا منہ بناتے ہوئے موبائل اُس کے سامنے سے اٹھالیا۔

''فیس بک پر ایڈ ہو اُس کے پاس؟'' فون بند کر کے بیگ میں رکھتے ہوئے وہ ہجر سے مخاطب ہوئی۔

''نہیں کیونکہ میں اتنا زیادہ نیٹ استعمال نہیں کرتی اور ویسے بھی طحہ کو لڑکیوں کا فیس بک اکاؤنٹ بنانا بالکل پسند نہیں۔''

پہلی سے زیادہ دوسری بات میں سچائی تھی اور یہ بات زوبیہ سے زیادہ کوئی نہ جان سکتا تھا۔

''اچھا...... لیکن میں اُس کے پاس ایڈ ہوں۔'' زوبیہ نے اطمینان سے اُس کے چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

''معاف کرنا ہجر تم سے طحہ کا ذکر سن کر جانے کیوں مجھے ہمیشہ ایسا لگا وہ لڑکا تمہارے ساتھ صرف ٹائم پاس کر رہا ہے۔'' زوبیہ نے دیکھا ہجر کے چہرے پر غصے کی ہلکی سی سرخی چھا گئی ہے جس کی اُسے کوئی پروا نہ تھی کیونکہ وہ صرف اتنا چاہتی تھی کہ اُس کی سادہ لوح اور مخلص سی یہ دوست مزید کسی دھوکے سے بچ جائے، جس کے لیے ہر ممکن کوشش کر رہی تھی اور ابھی کچھ دیر قبل دکھائی جانے والی یہ تصاویر بھی اُس کی ان ہی کوششوں کا ایک معمولی سا نتیجہ تھیں۔

''میں جانتی ہوں تمہیں میری یہ بات بہت بری لگی ہے لیکن سچ یہ ہے کہ تم ایک نہایت بے وقوف لڑکی ہو اگر تم طحہ کے پاس ایڈ ہوتیں تو تمہیں پتا چلتا کہ آج کل اُس کی آئی ڈی صرف اور صرف اس لڑکی کی تصاویر سے بھری ہوئی ہے وہ ہر جگہ اُس کے ساتھ ہوتا ہے اسی لیے تمہیں مسلسل اگنور کر رہا ہے۔''

''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے زوبیہ!'' وہ جب بولی تو اُس کا لہجہ چہرے کی نسبت زیادہ مطمئن تھا۔

''یہ دراصل اُس کی کزن ہے جو آج کل لاہور سے آئی ہوئی ہے چونکہ یہ پہلی بار کراچی آئی ہے اس لیے طحہ اکثر اُسے کہیں نہ کہیں گھمانے کے لیے لے جاتا ہے اور وہاں لی جانے والی تصاویر وہ اپنی آئی ڈی میں ڈال دیتا ہے۔''

زوبیہ کو محسوس ہوا جیسے اُس کے سامنے ہجر کی جگہ طحہ کھڑا اپنی صفائی پیش کر رہا ہو۔

''چلو میں تمہاری بات مان لیتی ہوں تو پھر تمہارے چہرے پر نظر آنے والی پریشانی کی وجہ کیا ہے یہ تو کم از کم بتا دو۔'' زوبیہ زچ ہوتے ہوئے بولی۔

''دراصل طحہ کے ابو اس پر زور ڈال رہے ہیں کہ وہ اپنی اس کزن سے شادی کر لے جبکہ طحہ اور اس کی امی اس رشتہ پر بالکل آمادہ نہیں اُس کی امی چاہتی ہیں کہ طحہ کی مرضی کے مطابق اُس کا رشتہ مجھ سے طے ہو اسی بات کو لے کر آج کل ان کے گھر میں ٹینشن چل رہی ہے۔''

جو کچھ اُسے طحہ نے کہا تھا وہ اُس نے من وعن زوبیہ کے سامنے بیان کر دیا، زوبیہ کا دل چاہا اپنے پاس رکھا موبائل اٹھا کر سامنے بیٹھی اس بیوقوف اور احمق لڑکی کے سر پر دے مارے جو محبت کے نام پر اپنا سب کچھ لٹانے کو تیار تھی بنا یہ جانے کہ دوسرا فریق بھی اس معاملے میں پُرخلوص ہے یا نہیں۔ جو تصاویر زوبیہ کے پاس موجود تھیں انہیں دیکھ کر کوئی بھی یہ جان سکتا تھا کہ طحہ خود بھی اپنی اس کزن میں دلچسپی لے رہا ہے۔ مگر شاید اِن تصاویر کو جس زاویے سے زوبیہ دیکھ رہی تھی۔ ہجر کبھی نہ دیکھ سکتی تھی اور دونوں میں یہ بھی فرق تھا کہ طحہ ہجر کے لیے بہت خاص الخاص تھا جبکہ زوبیہ کے نزدیک وہ ایک عام سالڑکا تھا۔

''اچھا......'' زوبیہ کا دل نہ چاہا کہ اب وہ ہجر سے اس سلسلے میں مزید کوئی بات کرے یہ بتاؤ اب انکل کی طبیعت کیسی ہے؟'' اُس نے ہجر کی توجہ دوسری جانب مبذول کرواتے ہوئے سوال کیا۔

''ویسے ہی ہیں بلکہ کل سے تو بے تحاشہ اُلٹیاں کر رہے ہیں کچھ کھایا پیا ہضم نہیں ہو رہا۔'' اِس نے تشویش زدہ لہجے میں جواب دیا۔

''چلو اللہ تعالیٰ اُن کے حق میں بہتر کرے۔''

''آمین......'' ہجر نے آہستہ سے جواب دیا۔

''ویسے ایک بات کہوں ہجر۔'' بریک بند ہونے کی آواز ان دونوں کے کانوں سے ٹکرائی تو زوبیہ ٹیبل پر رکھا اپنا بیگ اٹھاتے ہوئے ہجر سے مخاطب ہوئی۔

''تم طحہ کی امی کو خود سے فون کرو تھوڑی سی ہیلو ہائے کرو انہیں بتاؤ کہ تم طحہ کی دوست ہجر ہو پھر اِن کا ردِعمل دیکھو ان کا بات کرنے کا انداز جانچو اُس سے شاید تمہیں بہتر اندازہ ہو سکے کہ وہ تمہارے اور طحہ کے درمیان موجود تعلق سے کس قدر آگاہ ہیں اور آیا وہ واقعی ہی تمہارے حق میں طحہ کے ابو کی مخالفت میں کھڑی میں یا طحہ محض تمہیں بے وقوف بنانے کے لیے یہ من گھڑت کہانیاں سنا رہا ہے۔'' اپنی بات کہہ کر وہ رُکی نہیں بلکہ ہینڈ بیگ اٹھائے سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی یہ دیکھے بنا کہ اُس کے پیچھے رہ جانے والی ہجر پر اُس کی اس رائے کا کیا اثر ہوا ہے وہ ہجر کو ایک گہری سوچ میں ڈوبا چھوڑ کر جا چکی تھی۔

☆......☆......☆

''کیا بات ہے می آپ اس قدر پریشان کیوں نظر آرہی ہیں۔'' وہ صبح سے ہی دیکھ رہی تھی کہ ممی کچھ گم صم سی ہیں کھانا پکاتے ہوئے بے دھیانی میں انہوں نے اپنا ہاتھ بھی جلا لیا ابھی بھی وہ خاصی دیر سے اسی طرح خاموش بیٹھی تھیں بالآخر ہجر سے نہ رہا گیا اور وہ پوچھ ہی بیٹھی۔

''تمہارے پاپا کی بیماری نے مجھے پریشان کر دیا ہے سمجھ میں نہیں آرہا اتنا مہنگا علاج ہم دونوں ماں بیٹیاں کس طرح برداشت کریں گی ڈاکٹرز کا کہنا ہے کہ کیموتھراپی سے قبل انہیں ہر دفعہ ایک انجکشن لگوانا ضروری ہے جس کی مالیت تقریباً پچیس ہزار ہے لیکن اسپتال والے ہمیں وہ انجکشن بیس میں دے دیں گے مہینہ میں ایک بار ہو تو ٹھیک ہے لیکن ہر پندرہ دن بعد بیس ہزار روپے کہاں سے آئیں گے۔'' ممی نے تفصیل سے اُس کی ہر بات کا جواب دیا۔

''اوہ......'' اب اُس کی سمجھ میں آیا کہ وہ صبح سے اتنی گم صم کیوں دکھائی دے رہی تھیں۔

''اللہ مالک ہے ممی جہاں اور سب کچھ آسان ہو گیا یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔''

''بغیر حیلہ کے وسیلہ نہیں بنتا۔'' انہوں نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کر بیٹی کی جانب دیکھا یہ ایک توجہ طلب بات ہے کہ ہم ہر ماہ تقریباً پچاس سے ساٹھ ہزار کہاں سے لائیں گے جبکہ پہلے ہی کیموتھراپی سرکاری اسپتال کی بدولت مفت میں ہو رہی ہے لیکن اتنی مہنگی دوائیوں کے بعد اب یہ انجکشن میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''کیموتھراپی کب ہے؟'' وہ اندازہ لگانا چاہتی تھی کہ اُسے رقم جمع کرنے کے لیے کتنا وقت مل رہا ہے۔

''اگلے ہفتے......'' ممی نے جواب دے کر اُس کے چہرے پر نظر ڈالی

''میں سوچ رہی تھی کہ......'' وہ اپنی بات کہتے کہتے رُک گئیں۔

''کیا سوچ رہی ہیں آپ؟''

''یہ کہ تمہاری بالیاں بیچ دوں اس سے ملنے والی رقم سے میرا خیال ہے ایک انجکشن تو لگ سکتا ہے جبکہ ایک کے پیسے میرے پاس ہیں اس طرح اس ماہ ہم دونوں دفعہ کیموتھراپی کروا سکتے ہیں۔'' اس کی بات سنتے ہی ہجر گڑبڑا گئی کوئی اور وقت ہوتا تو اُسے یہ بالیاں بیچنے میں کوئی اعتراض نہ تھا جبکہ اس وقت وہ بالیاں اُس کے پاس موجود ہی نہ تھیں اب اُس کی سمجھ میں ہی نہ آیا کہ وہ ممی کو کیا جواب دے۔

''بالیاں کہاں رکھی ہیں؟'' اُسے خاموش دیکھ کر ممی نے سوال کیا۔

''بالیاں......'' وہ یک دم گڑبڑا گئی۔

''پتہ نہیں پچھلے ویک سے وہ مجھے مل نہیں رہیں۔'' اب چھپانے کا کوئی فائدہ نہ تھا اُس نے اپنی ماں سے جھوٹ بولنے کے لیے ہمت باندھی۔

''مطلب مل نہیں رہیں؟'' اُس کے جواب نے ممی کی پریشانی کو دُگنا کر دیا۔

''بیگ میں رکھی تھیں لیکن اب وہ وہاں موجود نہیں ہیں شاید کہیں گر گئی ہیں۔'' گھبرائی ہوئی آواز میں اپنی ماں کو جواب دے کر وہ جلدی سے اندر کمرے میں آ گئی مبادا ممی غصے میں آ کر کچھ اُلٹا سیدھا نہ سنا دیں اس کے جواب کے بعد ممی کا ردعمل کیا تھا اس میں یہ دیکھنے کی ہمت بھی نہ تھی اس کے بعد وہ کمرے سے اُس وقت تک باہر نہ نکلی جب تک ممی نے اُسے کھانے کے لیے نہ پکارا۔

☆......☆......☆

رات کا جانے کون سا پہر تھا جب اُس کی آنکھ کھلی وہ کچھ بے چین سی تھی۔ کچھ دیر تو وہ سمجھ نہ پائی کیوں؟ پھر اُسے ایک دم یاد آیا کچھ دنوں سے تبدیل ہونے والے طحہ کے رویے نے اُس کے دل کو بے سکون کر رکھا تھا۔ اُس کی کزن واپس لاہور جا چکی تھی لیکن اُس کے جانے کے بعد سے طحہ کچھ عجیب سا ہو گیا یا شاید پاپا کی پریشانی میں ہجر کو ہر شخص کا رویہ تبدیل محسوس ہو رہا تھا جو بھی تھی رات کے اس آخری پہر جو ہجر کی آنکھ کھلی تو لاکھ کروٹیں بدلنے پر بھی اُسے نیند نہ آئی اُس کا دل اندر ہی اندر ڈوب رہا تھا۔ شاید کچھ ہونے والا ہے کیا؟ یہ وہ نہ جانتی تھی وہ حالت بے سکونی میں بستر سے اُٹھ کھڑی ہوئی کھڑکی کھول کر پردہ ہٹایا ہی تھا کہ اذان کی تیز آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی یقیناً فجر ہو چکی تھی اُس نے اندر باتھ روم میں جا کر وضو کیا اور جائے نماز سنبھال کر خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ کے حضور جھک گئی اس یقین کے ساتھ کہ وہ واحد ہستی ہے جو کبھی آپ کو تنہا نہیں چھوڑتی اور اس وقت اللہ کے

ساتھ نے رفتہ رفتہ اُس کے بے سکون دل کو شانت کر دیا اور وہ جو اپنے رب کے حضور دعا کے لیے سجدہ میں جھکی تو کافی دیر تک اسی حالت میں رہی اُس کا دل ہی نہ چاہا کہ وہ اپنے رب کے سامنے جھکی گردن اٹھائے اور وہ کتنی ہی دیر اسی حالت میں اپنی اور اپنے پاپا کی صحت کے لیے دعائیں مانگتی رہی۔

☆......☆......☆

وہ زوبیہ کے ساتھ اسکول سے باہر نکلی جب سامنے موٹر سائیکل لیے عادل کھڑا نظر آیا وہ اس کے پاس سے نہایت خاموشی سے گزری تھی کہ عادل نے اُس کا نام پکارا۔ وہ حیرت سے اپنی جگہ کھڑی ہوگئی اُسے امید نہ تھی کہ عادل اُس سے ملنے آیا ہے کیونکہ آج سے قبل ایسا کبھی نہ ہوا تھا وہ اپنی جگہ ساکت ہوگئی جب عادل موٹر سائیکل گھسیٹتے اُس کے قریب آ گیا۔

''شکر ہے آپ مجھے یہاں مل گئیں ورنہ شاید میں آج آپ کے گھر آتا۔'' اُس کے قریب آ کر عادل نے موٹر سائیکل کو پیڈل پر کھڑا کر دیا۔

عادل اُس سے ملنے آیا تھا، یہ خبر ہجر کے لیے نہ صرف نئی بلکہ حیرت کا باعث بھی تھی ورنہ وہ تو یہ سمجھی تھی کہ شاید اس اسکول میں عادل کے جاننے والا کوئی بچہ زیر تعلیم ہے جسے وہ لینے آیا ہوگا مگر خلاف توقع وہ اس سے ملنے آیا تھا ناقابل یقین، اُس نے عادل کی شکل دیکھی وہ اُس کی جانب متوجہ تھا۔

''آپ اتنا حیران کیوں ہو رہی ہیں مجھے آپ کو کچھ بتانا تھا اس لیے یہاں آ گیا اگر آپ کو اچھا نہیں لگا تو کوئی بات نہیں میں آپ کے گھر آ جاتا ہوں۔'' ہجر کے رویے سے اُسے ایسا ہی محسوس ہوا۔

''ہاں اس طرح سرِراہ کھڑے ہو کر بات کرنا کچھ عجیب سا لگ رہا ہے۔ اس لیے پلیز اگر آپ برا نہ مانیں تو زیادہ بہتر یہ ہے کہ آپ میرے گھر آ جائیں۔'' طحہ کو کبھی اچھا نہ لگتا روڈ پر اس طرح کھڑے ہو کر عادل سے بات کرنا یہی سوچ کر وہ عادل کو اپنے گھر آنے کا کہہ بیٹھی۔

''اِٹس او کے میں شام میں آؤں گا۔'' وہ ایک سیکنڈ میں موٹر سائیکل اسٹارٹ کر کے اس کی نظروں کے سامنے سے غائب ہوگیا عادل اُس سے کیا کہنا چاہتا تھا یہی سوال سوچتے سوچتے وہ کب گھر پہنچی اُسے پتہ ہی نہ چلا۔

☆......☆......☆

شام سے رات ہوگئی عادل تو نہ آیا البتہ آٹھ بجے کے قریب طحہ ضرور آ گیا جسے دیکھ کر ہجر کو ایک خوشگوار سی حیرت ہوئی وہ پاپا کے لیے کچھ پھل بھی لایا تھا پاپا بھی اُسے دیکھ کر بے حد خوش ہوئے ممی جلدی سے کچن میں گھس گئیں تاکہ اُس کے لیے کچھ اچھا سا بنایا جا سکے۔ اُس نے پندرہ بیس منٹ پاپا کے پاس بیٹھ کر اُن کی خیریت دریافت کی اور اچھی اچھی باتیں کیں جن سے پاپا کا دل مزید خوش ہوگیا پاپا کو اس طرح خوش دیکھ کر ہجر کا دل بھی کھل اٹھا ویسے بھی اتنے دنوں بعد محبوب کو سامنے دیکھ کر چہرے پر جو رونق آتی ہے وہ کسی انجان شخص کو بھی ہجر کے چہرے پر باآسانی نظر آ سکتی تھی۔ بلیک ٹی شرٹ میں طحہ کی سرخ و سفید رنگت دمک رہی تھی وہ پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت دکھائی دے رہا تھا۔

''کیا بات ہے نظر لگاؤ گی؟'' اُسے مسلسل اپنی جانب تکتا پا کر طحہ شرارت سے بولا۔ پاپا پر شاید دوائیوں کا اثر تھا یا پھر بیماری، کمزوری وہ بیٹھے بیٹھے غنودگی میں چلے گئے تھے۔

تمہیں اتنے دنوں بعد دیکھا ہے اس لیے خود کو یقین دلانے کی کوشش کر رہی ہوں کہ یہ تم ہی ہو یا کوئی بھوت جو تمہارا روپ دھار کر ہمارے گھر آ گیا ہے۔'' ہجر کی آواز میں شرارت کا عنصر نمایاں تھا۔

''اپنے دل کو یقین دلاؤ کہ یہ میں ہی ہوں۔'' وہ آہستہ سے بولا اسی پل کمرے کا دروازہ کھول کر ممی اندر داخل ہوئیں ان کے ہاتھ میں جوس کا گلاس تھا جو انہوں نے طحہ کی جانب بڑھایا۔

''ارے آنٹی آپ نے بلاوجہ زحمت کی۔'' اُس نے ممی کے ہاتھ سے گلاس تھام کر لبوں سے لگالیا۔

''میں نے آج دوپہر کا کھانا بہت لیٹ کھایا ہے اس لیے اس وقت کچھ بھی کھانے یا پینے کا موڈ نہیں ہے۔''

ایک سپ لے کر اُس نے گلاس واپس ٹرے میں رکھ دیا۔

''ایسے کیسے موڈ نہیں ہے ممی تمہارے لیے کھانا تیار کر رہی ہیں اور تمہیں کھا کر جانا ہے۔'' ہجر کے لہجے میں محبت کے ساتھ مان بھی جھلک رہا تھا۔

''پھر کسی دن کھاؤں گا آج تو مجھے گھر بھی جلدی جانا ہے آپی کے سسرال میں کوئی شادی ہے اور امی میرا انتظار کر رہی ہوں گی انہیں میرے ساتھ جانا ہے۔''

وہ فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا اُسے اٹھتا دیکھ کر ہجر کا دل جیسے مرجھا گیا ابھی تو اُس نے جی بھر کر دیکھا بھی نہیں تھا کہ وہ جانے کے لیے بھی تیار ہو گیا اُس کا بس چلتا تو وہ طحہ کو کبھی اپنے سامنے سے اٹھنے نہ دیتی۔ اُس کا من چاہا وہ ساری عمر اسی طرح اُسے اپنے سامنے بٹھائے تکتی رہے مگر ہائے ری مجبوری کچھ خواہشیں ایسی جو صرف دل میں رہ جانے کے لیے ہی ہوتی ہیں ان میں سے ہی ایک وہ خواہش بھی تھی جو ابھی ہجر کے دل نے کی تھی اور جس کا پورا ہونا فی الحال اس وقت ممکن نہ تھا۔

''اب کب آؤ گے؟'' وہ دروازے کی چوکھٹ پکڑے کھڑی تھی، محبوب گیا نہ تھا کہ پھر سے آنے کی امید نے اُس کے دل کو اپنی گرفت میں جکڑ لیا۔

''پتہ نہیں یار میں آج کل ویسے بھی بہت پریشان ہوں سمجھ ہی نہیں آ رہا کیا کروں۔'' وہ جب سے آیا تھا خاصا ہشاش بشاش دکھائی دے رہا تھا اُس کی پریشانی کا اندازہ ہجر کو صرف اس ایک جملے سے ہوا۔

''خیریت ہے کیا ہوا؟'' طحہ کی پریشانی کا سن کر وہ بھی پریشان ہو اٹھی ابو نے بہت تنگ کیا ہوا ہے بنا میری رضا کے پھوپو کو ہاں کر بیٹھے ہیں۔''

''پھر......'' ہجر کا دل دھڑک اٹھا۔

''پھر کیا میں نے صاف انکار کر دیا کہ تم نہیں تو کوئی نہیں۔'' ہجر کی مایوسی کو اُس کے ایک جملے نے پھر امید میں بدل دیا۔ بہرحال اب دیکھو کیا ہوتا ہے یہ جنگ کون جیتا ہے میں یا ابو فیصلہ وقت کے ہاتھوں میں ہے۔'' اُسے دروازے میں کھڑا چھوڑ کر وہ جا چکا تھا۔ وہ بھی جانے کب تک اسی طرح اُس راہ گزر کو تکتی رہی جہاں سے وہ گزر کر گیا تھا اگر ممی آواز دے کر اُسے اندر نہ بلالیتیں۔

☆......☆......☆

''جھوٹ بول رہے ہو تم۔'' اُسے عادل کی بات پر ایک فیصد بھی یقین نہ آیا طحہ کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔

''محبت کا قصور صرف اتنا ہے کہ اس میں دماغ مرجاتا ہے اور صرف دل زندہ رہتا ہے اور ہجر اس وقت صرف اپنے دل سے ہی سوچ اور سمجھ رہی تھی اور اُسی کی سن رہی تھی باقی کوئی آواز سننے پر وہ آمادہ ہی نہ تھی۔ تمہارا دل چاہے تو یقین کرو ورنہ کوئی زبردستی نہیں ہے۔'' عادل کو شاید اُس کی بات بری لگی تھی۔

''جو بات آپ کہہ رہے ہیں اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ سچ ہے۔'' زوبیہ نے ہجر کے ٹھنڈے ٹھار ہاتھ کو اپنی مضبوط گرفت میں لیتے ہوئے عادل کی جانب تکتے ہوئے سوال کیا وہ آج ہجر ہی کے کہنے پر عادل سے ملنے آئی تھی کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ ہجر اُس سے کہیں باہر ملے۔

''میرے پاس ثبوت بھی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ آپ ہجر کو قابو کریں ایسا نہ ہو کہ ثبوت دیکھتے ہی یہ اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھے۔''

عادل کی بات قدرے درست تھی۔ زوبیہ نے ایک نظر ہجر کے زرد چہرے پر ڈالی۔ اور پھر جیسے کوئی فیصلہ کرتی ہوئی عادل سے مخاطب ہوئی۔

''آپ مجھے ثبوت دکھائیں۔'' بنا کوئی جواب دیے اگلے ہی پل عادل نے ان دونوں کے سامنے اپنی موبائل اسکرین کر دی جہاں طحہ کی اپنی کزن کے ساتھ تصویر موجود تھی ایسی تصاویر تو پہلے بھی زوبیہ اس کی آئی ڈی میں دیکھ چکی تھی۔

''اس تصویر میں ایسا خاص کیا ہے جو ہم یہ سمجھیں کہ طحہ اور ہانیہ کی منگنی ہوگئی ہے یا یہ کہ عنقریب دونوں کی شادی ہونے والی ہے۔''

یہ کوئی ایسا ثبوت نہ تھا کہ جس کی بنا پر ہجر طحہ کو بے وفا مان لیتی دیکھو ہجر میرا فرض صرف تمہیں سمجھانا تھا کیونکہ میں طحہ کا بچپن کا دوست ہوں اور اس کی فطرت سے بخوبی واقف ہوں یقین جانو وہ ایک شاطر کھلاڑی ہے جو محبت کے نام پر کئی لڑکیوں سے کھیل کھیل چکا ہے اور اسے وہ فلرٹ کا نام دیتا ہے وہ لفظوں کا حسین جال بُننے میں مہارت رکھتا ہے اور تم جیسی لڑکیوں کے دل و دماغ کو مفلوج کر دیتا ہے۔''

عادل نے اُسے سمجھاتے ہوئے فون اپنی جیب میں واپس رکھ لیا۔

''لیکن میں کیسے مان لوں جو آپ کہہ رہے ہیں وہ سب درست ہے ہوسکتا ہے آپ کی طحہ سے کوئی بات ہوگئی ہو جس کا بدلہ آپ مجھ سے لے رہے ہیں۔''

اپنے سوکھے لبوں پر زبان پھیرتے ہجر نے مشکوک انداز میں سوال کیا۔

''ویسے بھی عادل صاحب اگر آپ کو ہجر سے کوئی ہمدردی تھی تو یقیناً آپ کو بہت پہلے اُسے طحہ کی فطرت سے آگاہ کرنا چاہیے تھا نہ کہ اب جب اس کے لیے یہ سب کچھ سننا اور برداشت کرنا ناممکن ہو چکا ہے اور یہ بات آپ بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔'' زوبیہ ہجر کی آنکھوں میں آئے آنسو اچھی طرح دیکھ چکی تھی۔ جنہیں دیکھ کر اُس کا دل اپنی دوست کی محبت میں دکھی ہو گیا۔

''میں جانتا ہوں لیکن سچ یہ ہے کہ مجھے ایسا لگتا تھا کہ طحہ واقعی ہجر کے معاملے میں سنجیدہ ہے اور اس سے شادی کرے گا لیکن اب جب وہ اپنی کزن سے رشتہ طے کر چکا ہے تو میرا خیال تھا کہ وہ اس سلسلے میں ہجر کو سب کچھ خود سے ہی بتا دے گا مگر ایسا نہیں ہوا اب مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے شاید اُس کے لیے خود بھی مشکل ہو چکا ہے کہ وہ ہجر کو سچائی بتائے۔''

''کیا سچ تھا اور کیا جھوٹ زوبیہ کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا ایک طرف ہجر کی زبانی سنی جانے

والی طحہ کی محبت کی لازوال داستان اور دوسری طرف عادل کی زبانی اس کی فلرٹی طبیعت کے بارے میں جاننا، یقیناً فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا تھا۔

''طحہ نے تو کہا تھا کہ وہ اپنی امی کو میرے بارے میں سب کچھ بتا چکا ہے اور جلد ہی انہیں لے کر ہمارے گھر بھی آئے گا۔'' محبت نے ایک بار پھر سے دل کو سہارا دے کر محبوب کے دفاع کے لیے کھڑا کر دیا۔ ویسے بھی چار سالہ تعلق ایک پل میں توڑنا ناممکن تھا۔

''وہ سب سے ایسا ہی کہتا رہا ہے اور اگر یقین نہ آئے تو تم انہیں کال کر کے دیکھ لو سب کچھ عیاں ہو جائے گا وہ صرف اتنا جانتی ہیں کہ طحہ کی بہت ساری لڑکیوں سے دوستیاں ہیں جنہیں وہ ذاتی طور پر سخت ناپسند کرتی ہیں ہو سکتا ہے وہ تمہیں طحہ کی دوست کی حیثیت سے جانتی ہوں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔'' عادل جانے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔

''اور ہاں ہو سکے تو طحہ کو میرے بارے میں کچھ مت بتانا۔'' باہر نکلتے نکلتے اس نے ہجر کو تاکید کی جس کی تائید میں وہ بمشکل اپنا سر ہلا پائی۔

''میرا خیال ہے تم ابھی طحہ کی امی کو فون کرو۔'' زوبیہ کے ہدایت کرتے ہی بنا سوچے سمجھے وہ طحہ کی امی کا نمبر ملا بیٹھی دوسری ہی بیل پر انہوں نے فون ریسیو کر لیا۔

''السلام علیکم آنٹی میں ہجر بات کر رہی ہوں۔'' ان کی ہیلو سنتے ہی ہجر کی آواز میں آنسوؤں کی نمی گھل گئی اور بمشکل اُس کے حلق سے آواز نکلی۔

''ہاں بولو کیا کام ہے؟'' دوسری طرف انداز خاصا روکھا تھا۔

''وہ...... میں......'' وہ اپنے سوکھے لبوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔ سمجھ نہ آیا اب آگے کیا کہے ان کے رویے نے اُس کی رہی سہی ہمت بھی ختم کر دی تھی۔

''مجھے طحہ نے آپ کا نمبر دیا تھا وہ چاہتا ہے کہ میں......''

''ابھی تو میں بازار جا رہی ہوں تمہاری بات نہیں سن سکتی۔'' اُس کی بات کاٹتے ہوئے انہوں نے یہ جملہ ادا کیا اور فون بند کر دیا اور اب ہجر سے مزید برداشت کرنا ناممکن ہو گیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ زوبیہ نے روتی ہجر کا سر اپنے کندھے سے لگا لیا جانے کیوں وہ جانتی تھی کہ ہجر کے ساتھ کسی بھی لمحے یہ سب ہونے والا ہے کیونکہ اُسے شروع سے ہی طحہ کبھی بھی ہجر کے معاملے میں سنجیدہ محسوس نہ ہوا تھا جس کا علم آج ہجر کو بھی ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

جانے آج کتنے دن اور راتیں گزر گئی تھیں اُسے دنیا سے کٹے ہوئے می اور زوبیہ کی بے حد کوششیں بھی اُسے پہلے جیسی ہجر بنانے میں ناکام ہو چکی تھیں ہر وقت اپنا کمرہ بند کیے پڑی رہتی بھوک لگتی تو کھانا کھا لیتی ورنہ کپڑے بدلنا، تیار ہونا، ہنسنا مسکرانا یہ سب عمل جیسے اُس کی زندگی سے خارج ہو چکے تھے۔ طحہ کے نکاح کی خبر وہ عادل کے ذریعے سن چکی تھی جس کی تردید یا تصدیق اس لیے ناممکن تھی کہ وہ اپنا کانٹیکٹ نمبر بند کر چکا تھا محبت کے نام پر دھوکہ باز فلرٹ شاید ان لڑکے یا لڑکیوں کے لیے بہت آسان ہو جو اس کے عادی ہو چکے ہیں لیکن وہ لوگ جن کے نزدیک محبت ساری زندگی ٹھہری وہ یقیناً ہجر کی طرح برباد ہو جاتے ہیں اپنا آپ تیاگ دینے میں یہ جانے بنا کہ اس کا اثر دوسرے فریق پر ذرا

بھی نہیں پڑتا۔

☆......☆......☆

''ہجر یہ کیا حال بنا رکھا ہے تم نے اپنا اٹھ کر بیٹھو۔'' وہ گہری نیند میں تھی جب زوبیہ کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی وہ اُسے جھنجھوڑ کر جگانے کی کوشش کر رہی تھی۔

جبکہ ہجر نے رات پاپا کی دوائیوں میں سے نیند کی ایک ٹیبلیٹ لی تھی وجہ نیند کا نہ آنا تھا طحہ کی یادیں اور سوچیں اُسے چین سے سونے نہ دیتی تھیں اور آج اگر وہ چین کی نیند سوئی ہی تھی کہ زوبیہ آ گئی بمشکل ہجر نے اپنی موندی ہوئی آنکھیں کھولیں۔

''ہجر کیا ہو گیا ہے تمہیں کیوں اپنی زندگی ایک ایسے شخص کے لیے برباد کر رہی ہو جو بھی تمہارا تھا ہی نہیں۔'' زوبیہ نے اُسے بازو سے پکڑ کر اُٹھا کر بٹھا دیا۔

''اپنے پاپا کی حالت دیکھو ہجر کتنی خراب ہے ایسے میں تمہیں صرف اس بات کی تکلیف ہے کہ طحہ نے تمہیں دھوکہ دیا تم اتنی خود غرض تو نہ تھیں ہجر مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ طحہ کی چار سالہ رفاقت نے تمہیں بھی صرف اپنے لیے جینا سکھا دیا ہے۔'' زوبیہ کی باتیں کڑوی ہونے کے ساتھ ساتھ سچی بھی تھیں ہجر شرمندہ ہو گئی۔

''میں کیا کروں زوبیہ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ میں جس پل بھی جاگتی ہوں طحہ کی آواز، اس کی محبت بھری باتیں میرا سکون برباد کر دیتی ہیں۔ یہ احساس کہ وہ مجھ سے کھیل رہا تھا میرے جذبات میرے احساسات اُس کے لیے صرف تفریح کا سبب تھے مجھے جینے نہیں دے رہا مجھے یقین نہیں آتا کہ طحہ مجھے اس طرح دھوکہ دے سکتا ہے۔'' وہ بچوں کی طرح بلک کر رو دی اُسے اس طرح روتا دیکھ کر زوبیہ کو شدید غصہ آیا۔

''تم انتہائی درجہ کی احمق لڑکی ہو جو اس صدی میں بھی جہاں سوشل میڈیا نے انسان کو ہر طرح کا شعور بخش دیا ہو وہاں تم جیسی لڑکی ایک لڑکے کے ہاتھوں بے وقوف بننے کے بعد اس طرح اپنی زندگی برباد کیے بیٹھی ہو حد ہے ہجر میں تمہیں ایسا نہ سمجھتی تھی۔''

''پلیز زوبیہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اس وقت مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔'' وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے بولی۔

''تمہاری ماں اپنے شوہر کی زندگی بچانے کے لیے سرکاری اسپتالوں میں دھکے کھا رہی ہے اور تم خود یہاں ایک خود غرض لڑکے کی محبت کا ماتم منا رہی ہو۔

زندگی ایسے نہیں گزرتی ہجر اٹھو اٹھ کر حالات کا مقابلہ کرو ریت میں سر دے کر زندگی گزارنے سے زیادہ اچھا ہے کہ طحہ سے اپنا بدلہ لو ایسا بدلہ جو اُسے ساری زندگی یہ احساس دلاتا رہے کہ اُس نے تمہیں دھوکہ دیا۔'' زوبیہ نے اُس کا ہاتھ تھامتے ہوئے سمجھایا۔

''بانو آپا ابھی بھی امیدوار ہیں ہجر سب پر لعنت بھیج کر ثاقب سے شادی کر لو۔'' ممی نے زوبیہ کے سامنے شربت کا گلاس رکھتے ہوئے اُسے ایک بار پھر سے وہ بات سمجھانا چاہی جس پر اُس کا دل کبھی آمادہ نہ ہو سکتا تھا۔

''تم مجھے بتاؤ زوبیہ میں طحہ سے کیسے بدلہ لے سکتی ہوں۔'' ممی کو کمرے سے باہر نکلتا دیکھ کر وہ زوبیہ سے مخاطب ہوئی اور جواباً زوبیہ نے اُسے جو کچھ سمجھایا وہ سن کر ہجر کا منہ کا کھلا رہ گیا۔

''نہیں میرا خیال ہے میں یہ سب کچھ نہیں کر سکتی ناممکن......'' وہ اپنا سر نفی میں ہلاتے ہوئے

بولی۔

''سوچ لو ہجر اس سے بہتر انتقام تم اُس سے نہیں لے سکتیں میں مانتی ہوں یہ ایک مشکل کام ہے مگر ناممکن نہیں......'' زوبیہ جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اب تم کل سے اسکول آؤ پھر وہاں بیٹھ کر ہم ساری بات طے کریں گے۔'' زوبیہ اُسے سوچوں میں ڈوبا چھوڑ کر باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

وہ زوبیہ کی بات کبھی نہ مانتی اگر اُس رات وہ سب کچھ نہ ہوتا جس نے اس کے دکھی دل کو مزید دکھی کر کے بغاوت پر آمادہ کر دیا وہ صبح پاپا کے ساتھ ہاسپٹل میں تھی کیونکہ آج پھر ان کی کیموتھراپی تھی۔ اس مرحلے پر ہمیشہ پاپا کو دو سے تین دن اسپتال میں رہنا پڑتا۔ یہ ہی سبب تھا جو رات وہ دونوں ماں بیٹیاں تھکی ہوئی گھر واپس آئیں تھکن سے ہجر کا پورا جسم دکھ رہا تھا تھوڑا سا کھانا کھا کر اُس نے درد کی ٹیبلیٹ لی اور سو گئی اور گہری نیند میں جانے کے لیے طحہ اُس کے تصور میں آ گیا طحہ کا تصور آتے ہی اُس کا دل اس قدر بے چین ہوا کہ مارے گھبراہٹ اُس کی آنکھ کھل گئی اور اس پل اُس پر یہ انکشاف ہوا کہ وہ آج بھی طحہ کے عشق میں غرق ہے طحہ کی بے وفائی نے بھی ہجر کی محبت میں کوئی فرق نہ ڈالا تھا اس کا دل چاہا وہ طحہ کو دیکھے جانے اُس کو دیکھے ہوئے آج کتنے دن ہو گئے تھے یہ خیال ذہن میں آتے ہی وہ سرعت سے اٹھی۔

کمپیوٹر آن کیا اس کے پاس زوبیہ کا ای میل اور پاس ورڈ موجود تھا جس کی مدد سے اُس نے زوبیہ کی آئی ڈی کھولی چیک کیا اس کی فرینڈ لسٹ میں طحہ کا نام موجود تھا دھڑکتے دل سے نام پر کلک کر کے وہ اس کی پروفائل پر جا پہنچی کور فوٹو دیکھتے ہی جیسے اس کے دل کی دھڑکن ایک پل کو تھم سی گئی۔ طحہ کے ساتھ سجی سنوری لڑکی یقیناً ہانیہ تھی اور یہ تصویر ان دونوں کے نکاح کی تھی تصویر پر لکھا گیا کیپشن اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی تھا کہ یہ رشتہ باہمی رضامندی سے طے ہوا ہے۔

''طحہ کی آنکھوں میں جھلکتی ہانیہ کی محبت، اس سے زیادہ کوئی محسوس نہ کر سکتا تھا کیونکہ کبھی ان آنکھوں میں اس نے اسی طرح اپنا عکس بھی دیکھا تھا وہ محبت جو کبھی اس کے لیے طحہ کی آنکھوں میں ہوتی تھی آج اس کی جگہ ہانیہ نے لے لی تھی، ساری آئی ڈی طحہ اور ہانیہ کی محبت بھری تصاویر سے بھری ہوئی تھی۔

جنہیں دیکھتے ہی کئی دنوں سے ضبط کیے گئے آنسو اس کی آنکھوں سے ایک بار پھر بہہ نکلے اس نے ایک پل میں ہی تار کھینچ کر کمپیوٹر بند کر دیا۔ اُسے اتنی تکلیف پہنچی کہ دل چاہا کہ ابھی طحہ کے گھر جا کر اس کا گریبان پکڑ کر پوچھے کہ اُس نے ایسا کیوں کیا۔

اسی کیفیت میں گھرے وہ طحہ کا نمبر ملا بیٹھی دوسری طرف موجود آپریٹر کی مخصوص ریکارڈنگ یہ سمجھانے کے لیے کافی تھی کہ یہ نمبر اب کسی کے استعمال میں نہیں، جذبات کی رو میں بہک کر وہ اپنے ہوش کھو بیٹھی اور موبائل میں موجود طحہ کی امی کا نمبر ڈائل کر دیا تین سے چار بیل کے بعد ہی انہوں نے فون ریسیو کر لیا۔

''کون؟'' ان کی مخصوص روکھی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''ہیلو آنٹی میں ہجر بات کر رہی ہوں مجھے طحہ سے بات کرنی ہے۔''

اُس نے حلق میں آیا تھوک نگلتے ہوئے

بمشکل اپنی بات مکمل کی۔

''اِس وقت......'' ہجر کو ان کا لہجہ کچھ عجیب سا لگا تھا۔

''تمہارے گھر کوئی ہے نہیں جو تم اتنی آدھی رات کو لڑکے سے بات کرنے کے لیے اُن کی امی کا نمبر ڈائل کر بیٹھی ہو خیریت ہے۔''

ان کے الفاظ لہجہ سے بھی زیادہ عجیب تھے ہجر پر گھڑوں پانی پڑ گیا ابھی اُس نے ان کی بات کا کوئی جواب بھی نہ دیا تھا کہ اُس کے کانوں سے طحہ کی آواز ٹکرائی وہ شاید اپنی امی کے آس پاس ہی کہیں موجود تھا۔

''کون ہے امی؟'' ہجر کو لگا وہ سمجھ چکا ہے فون کے دوسری طرف کون ہے۔

''پتہ نہیں کون ہے تمہارا پوچھ رہی ہے خود بات کر کے دیکھ لو آدھی رات کو اُسے تم سے کیا چاہیے۔''

ان کا لہجہ شروع سے لے کر ابھی تک اتنا ہی تضحیک آمیز تھا کہ ہجر کا دل چاہا بنا کچھ کہے فون بند کر دے مگر طحہ اپنی امی سے فون لے چکا تھا۔ جس کا اندازہ اُس کی مخصوص ''ہیلو'' کی آواز سن کر ہجر کو ہوا اور اب لائن کاٹنا اس کے لیے ناممکن ہو گیا یہ ہی تو آواز تھی جسے سننے کے لیے اُس کے کانوں نے اتنی بے عزتی برداشت کی تھی۔

''طحہ میں بول رہی ہوں......'' اس کی آواز ہی ہمیشہ اُس کی پہچان رہی طحہ نے اُسے نام سے کبھی نہ پہچانا تھا، مگر اب وقت بہت بدل چکا تھا اب شاید طحہ کے کان اُس کی آواز سننے کے عادی نہ رہے تھے جس کا اندازہ اگلے ہی پل ہجر کو ہو گیا۔

''کون بول رہی ہو بھئی کس سے بات کرنی ہے۔'' ماں ہی کی طرح روکھا لہجہ وہ شرم سے زمین میں گڑ گئی۔

''بات کرنی نہیں ہوتی بلاوجہ نمبر ملا لیتے ہیں۔'' وہ جانتی تھی کہ طحہ اُس کی آواز سن کر بھی اُسے پہچاننے سے انکاری ہے۔

''چیپکو لوگ جان ہی نہیں چھوڑتے۔'' فون بند کرتے کرتے طحہ کے لبوں سے ادا ہونے والے اس جملے نے اُس کے دماغ کو بھک سے اڑا دیا اور یہ ہی وہ لمحہ تھا جس نے اُسے زوبیہ کے دیے گئے مشورہ کو نہ صرف ماننے بلکہ اس پر عمل کرنے کے قابل ہی کر دیا بس اب فیصلہ ہو گیا اُسے ہر حال میں طحہ کو نیچا دکھانا تھا اب اُس کے نزدیک جینے کا صرف ایک ہی مقصد تھا اور وہ تھا طحہ کو اپنے سامنے گڑگڑاتے دیکھنا اپنی پلاننگ پر عمل کرنے کی اُس نے ابھی اور اسی وقت ٹھان لی۔

☆......☆......☆

''پھر ان کا رویہ کیسا تھا منفی یا مثبت......'' زوبیہ نے بریک ٹائم میں اُس سے دریافت کیا۔

''فی الحال تو مثبت ہی ہے......'' ہجر نے آہستہ سے جواب دیا۔

''آئی ڈی میں اپنی تصویر ڈالو اور اس پر سے ہر طرح کی پرائیویسی ہٹا دو جیسے ہی وہ تمہاری تصویر لائک کریں گے وہ طحہ کے ہوم پر جائے گی جسے دیکھتے ہی سمجھو وہ حیرت سے مر جائے گا۔'' زوبیہ نے طحہ کی متوقع حالت کا تصور کرتے ہوئے جیسے مزہ لیا۔

''تصویر تو میں نے رات ہی ڈال دی تھی اب گھر جا کر دیکھوں گی انہوں نے لائک کی یا نہیں، پھر ہی پتہ چلے گا آگے کیا ہوا، آگے جو ہوا اس کے بارے میں اُسے شام طحہ کے آنے والے غیر متوقع فون نے ہی سمجھا دیا۔ بے شک نمبر اُس

کے لیے انجان تھا مگر وہ جانتی تھی کہ دوسری طرف طحہ کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ نمبر زوبیہ اور طحہ کے علاوہ کسی کے پاس نہ تھا۔ بنا ریسیو کیے ہجر نے نہ صرف کال کاٹ دی بلکہ فون کی پاور بھی آف کردی۔ فی الحال وہ طحہ کے کسی سوال کا جواب دینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی۔ ہاں البتہ اُس نے طحہ کے پاپا کے نمبر پر لگائی گئی ریجکشن ضرور ہٹا دی اب وقت اس کا تھا اور اُسے طحہ کا تماشا دیکھنا تھا بالکل اس طرح جیسے وہ اس کا دیکھتا آیا تھا اور ہجر کو امید تھی کہ وقت عنقریب آنے والا ہے۔

☆......☆......☆

ایک ماہ میں ہی ہجر طحہ کے پاپا سفیان قریشی سے دوستی کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی فی الحال یہ دوستی فیس بک اور فون سے آگے نہ بڑھی تھی مگر اب سفیان صاحب چاہتے تھے کہ ہجر ان سے ملے دوسری طرف ہجر زوبیہ کے کہنے پر عمل کرتے ہوئے یہاں تک تو آگئی تھی مگر اب ان سے ملنے کی ہمت خود میں نہ پارہی تھی اور یہ وہ واحد بات تھی جو اس نے ابھی تک اپنی ممی سے بھی شیئر نہ کی تھی جانتی تھی کہ وہ ماں ہیں اور ہجر کی یہ سرگرمی ان کے نزدیک قدرے ناپسندیدہ ہوگی جس پر ان کے متوقع ردعمل سے خوف زدہ ہجر نے انہیں کچھ بھی نہ بتایا ویسے بھی وہ آج کل گھر، اسپتال اور پاپا کے درمیان اس طرح گھن چکر بنی ہوئی تھیں کہ انہیں ہجر کو دیکھنے اور اس سے بات کرنے کا موقع ہی نہ مل رہا تھا اور ہجر بھی اپنی کوئی تکلیف ان سے بیان کرکے انہیں ٹینشن نہ دینا چاہتی وہ اب اپنا یہ مسئلہ زوبیہ سے ڈسکس کرنا چاہتی تھی مگر اتفاق کی بات تھی جو دو دن سے زوبیہ اسکول ہی نہ آرہی تھی۔ آج اس کا ارادہ اسکول سے سیدھے اُس کے گھر جانے کا تھا مگر ممی کے غیر متوقع فون نے اُس کے اِس ارادے کو پورا کرنے سے قبل ہی ختم کردیا۔

''بیٹا تم اسکول سے سیدھا اسپتال آجاؤ ڈاکٹرز کا کہنا ہے کہ اب تمہارے پاپا کو میڈیسن سے زیادہ سکائی کی ضرورت ہے اور سکائی کا یہ عمل دوسرے سرکاری اسپتال میں ہوگا لہٰذا ہمیں اب وہاں جاکر تاریخ لینا ہوگی کہ وہ کب اس عمل کے لیے ہمیں بلواتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے ممی......!'' اس نے فون بند کرکے بیگ میں رکھا ہی تھا کہ وہ ایک بار پھر سے بج اٹھا ہجر نے دیکھا اسکرین پر ثاقب کا نمبر جگمگا رہا تھا اس نے خاموشی سے فون ریسیو کرلیا۔

''ہجر میں اسکول کے باہر ہی کھڑا ہوں جیسے ہی چھٹی ہو آجاؤ تمہیں ہاسپٹل چھوڑ دوں۔'' ہجر کی ہیلو کے جواب میں وہ جلدی سے بولا۔

''ٹھیک ہے۔'' مختصر جواب دے کر ہجر نے فون بند کردیا اور پھر چھٹی کے بعد وہ ثاقب کے ساتھ اسپتال آئی جہاں سے ممی سے فائل لے کر وہ دوسرے سرکاری اسپتال پہنچی تاکہ پاپا کی سکائی کی تاریخ لی جاسکے اور اس سارے عمل میں ثاقب اُس کے ساتھ رہا سب کاموں سے فارغ ہوکر رات تھکی ماندی وہ گھر آئی تو فون چیک کرتے ہی پتہ چلا سفیان صاحب صبح سے نہ صرف کئی فون کالز بلکہ میسیج بھی کرچکے ہیں باوجود تھکن کے ہجر نے ان کے سارے میسیج کھول لیے۔

''کہاں غائب ہو، Reply کیوں نہیں کررہی ہو، تم مجھ سے ملنے سے کیوں کترا رہی ہو یقین جانو میں تمہیں صرف اپنی دوست سمجھتا ہوں اور کچھ نہیں۔'' آخری میسیج پڑھ کر ہجر ہلکا سا مسکرا دی اُسے حیرت تھی اتنے ماہ میں ایک بار بھی

ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب

اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں

ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر L-5/79 ڈاکخانہ 5.L/78 تحصیل وضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر: 03225494228

ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

سفیان صاحب نے اُسے بیٹی یا بہن جیسی نہ کہا بلکہ ہمیشہ لفظ دوست اور دوستی ہی استعمال کیا۔

''غائب نہیں تھی پاپا کے ساتھ ہاسپٹل تھی۔''

نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے جواب دے دیا اور رات کے اسی پل کھٹ سے ان کا جوابی میسج ایک بار پھر سے آ گیا۔

''اسی لیے کہتا ہوں مجھ سے ملو میرے بہت سے ڈاکٹرز جاننے والے ہیں کوشش کروں گا اُن کا علاج کسی اچھے اسپتال سے کروایا جاسکے۔''

آخر والد تو طحہ کے ہی تھے گھیرنے کا طریقہ ایک جیسا ہی تھا بس اسٹائل تھوڑا جدا تھا وہ اپنی محبت کے نام پر دھوکہ دیتا رہا اور یہ باپ کی محبت کا حوالہ دے کر بے وقوف بنا رہے تھے۔

''جی انشاء اللہ......'' اس کا دل بے حد خراب ہوا جس کے باعث فی الحال اس کا ارادہ ان سے مزید بات کرنے کا نہ رہا۔

''دیکھو ہجر میرے فرینڈز سرکل میں عورتیں اور لڑکیاں بھی شامل ہیں جن کا علم یقیناً میری بیگم کو ہمیشہ سے رہا اور اس نے اس سلسلے میں کبھی کوئی اعتراض بھی نہ کیا اور اب اس سرکل میں تم بھی شامل ہو اور اچھے دوستوں کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ ایک دوسرے سے مل کر اپنے مسائل حل کریں۔''

ان کا ایک میسج پھر سے آ گیا جس کا جواب دینا ہجر کے لیے ضروری نہ تھا اس لیے وہ اپنا سیل تکیے کے نیچے رکھ کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن ساتھ ہی اس نے یہ تہیہ کرلیا کہ وہ ہر حال میں کل زوبیہ سے یہ مسئلہ ڈسکس کر کے اپنا اگلا لائحہ عمل طے کرتے ہوئے انہیں جواب ضرور دے گی کیونکہ اب وہ جلد ہی اس سارے ڈرامہ کا کلائمکس چاہتی تھی تاکہ انتقامی طور پر شروع کیا جانے والا یہ عمل کسی ایک نتیجہ پر پہنچ کر اختتام پذیر ہو سکے۔

☆......☆......☆

''میرا ایک بہت اچھا دوست ہے علی رضا شاید تم نے اُس کا نام سنا ہو۔'' سفیان صاحب نے اس کے صبیح چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے اپنا سگار سلگایا، وہ زوبیہ کے سمجھانے پر آج پہلی بار اُن سے ملنے آئی تھی۔

جس ریسٹورنٹ میں وہ دونوں لنچ کرنے آئے تھے۔ وہاں کے ڈائننگ ہال میں بھی خاصا رش تھا اور یہ ہی بات ہجر کے لیے باعث تسکین تھی۔

''کون علی رضا سر میں نے تو شاید اپنی زندگی میں یہ نام ہی پہلی بار سنا ہے۔'' اور حقیقت بھی یہی تھی کہ اُس نے یہ نام اس سے پہلے کبھی نہ سنا تھا۔

''ارے تم علی رضا کو نہیں جانتیں بہت بڑا فیشن ڈیزائنر ہے بہر حال اُسے اپنے فیشن شو کے لیے کچھ نئے چہرے درکار ہیں اگر تم انٹرسٹڈ ہو تو میں بات کروں پے منٹ اچھی کرے گا اور اس طرح تمہارے بھی خاصے معاشی مسائل حل ہو جائیں گے۔'' اس کا مسئلہ جس طرح وہ حل کرنا چاہتے تھے ہجر نے تو ایسا سوچا بھی نہ تھا۔ اِسے محسوس ہوا جیسے وہ اُس کو، کوئی غلط لڑکی سمجھ رہے ہیں۔

''سوری سر آپ غلط سمجھے میں اس ٹائپ کی لڑکی نہیں ہوں مطلب فیشن شو یا ماڈلنگ وغیرہ یہ سب میرے بس کی بات نہیں ہے اور نہ ہی مجھے اپنے گھر سے ان سب باتوں کی اجازت ملے گی۔''

''ہاں مجھے تم سے بات کر کے اس بات کا

اندازہ ہو چکا ہے کہ تم ایک شریف لڑکی ہو در اصل میں بھی اپنی گھریلو پریشانیوں سے بچنے کے لیے ایسی بے ضرر دوستیاں کرتا ہوں جن کا مقصد کچھ غلط نہیں تم نہیں جانتیں میری بیوی بڑی فسادی عورت ہے اُس نے میری زندگی سے سکون بالکل ختم کر دیا ہے۔'' ان کا بیان کردہ یہ انکشاف ہجر کے لیے نہ صرف نیا بلکہ حیرت انگیز بھی تھا۔

''میں نے جب بھی اُسے سزا دینے کا سوچا ہمیشہ خیال آیا دوسری شادی کرلوں مگر پھر جوان بچوں کا سوچ کر خاموش ہو گیا۔'' ہجر خاموشی سے اُن کی باتیں سن رہی تھی وہ جاننا چاہتی تھی کہ ان تمام باتوں کا مقصد کیا ہے۔

''بہر حال اگر تم چاہو تو میں تم سے شادی کرسکتا ہوں جس کا علم میرے گھر میں سے کسی کو نہ ہوگا اور تم اپنے ہی گھر اپنے والدین کے ساتھ رہنا۔''

ہجر کی چار ماہ کی کوشش اتنی جلدی رنگ لے آئیں گی اُسے یقین ہی نہ آیا، سفیان صاحب اتنا آسان شکار ثابت ہوں گے یہ تو اُس نے سوچا ہی نہ تھا۔

''لیکن سر آپ سے شادی کر کے مجھے کیا فائدہ ہوگا۔''

وہ ان کی طرف جھکتے ہوئے آہستہ سے بولی۔ اس وقت اس کا دل دھڑک دھڑک کر سینے سے باہر آنے کو تیار تھا بات کرنے کے ساتھ ساتھ ہجر کی نظر سامنے لگی وال کلاک پر بھی تھی۔

''میں جانتا ہوں کوئی بھی جوان لڑکی کسی بوڑھے شخص سے شادی بغیر کسی ذاتی مفاد کے نہیں کرتی۔'' سفیان صاحب نے اطمینان سے کرسی سے ٹیک لگائی۔

''میں نہ صرف تمہیں ایک گھر لے دوں گا بلکہ تمہارے والد کے علاج کے لیے بھی رقم فراہم کروں گا۔''

ریسٹورنٹ میں رش ہونے کے باوجود خاصی خاموشی تھی اور یہ ہی کسی اچھے اور عالیشان ریسٹورنٹ کا فائدہ ہوتا ہے اور یہ فائدہ کوئی اٹھائے یا نہ اٹھائے ہجر نے ضرور اٹھایا وہ اُن کی آواز بڑی آسانی سے ریکارڈ کر چکی تھی۔

''ٹھیک ہے سر میں آپ کو ایک یا دو دن تک سوچ کر بتاؤں گی۔''

وہ اپنا ہینڈ بیگ سنبھال کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''چلو میں تمہیں ڈراپ کر دیتا ہوں۔'' اس کے اٹھتے ہی سفیان صاحب بھی کھڑے ہو گئے اور یہ ہی وہ لمحہ تھا جب عادل کی سنگت میں طحہ اور اس کی والدہ ریسٹورنٹ میں داخل ہوئے جن پر نظر پڑتے ہی وہ مسکرا کر سفیان صاحب کے اس قدر قریب جا کھڑی ہوئی کہ اس کا چہرہ طحہ کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

سفیان صاحب کی پشت داخلی دروازے کی جانب تھی انہیں اندازہ نہ ہوا کہ ان کے پیچھے کون آن کھڑا ہوا ہے۔

''بہتر ہوگا کہ آپ مجھے گھر تک چھوڑ دیں اس طرح میں آپ کو اپنے والد سے بھی ملوا دوں گی کیونکہ رشتہ کی بات کرنے کے لیے تو آپ کو ان سے ملنا ہی ہوگا۔''

اُس نے نہایت محبت سے سفیان صاحب کا بازو تھام لیا۔

''کیا ہو رہا ہے یہ؟'' طحہ کی والدہ کی چیختی لیکن دبی ہوئی آواز اُن دونوں کے کانوں سے ٹکرائی جسے سنتے ہی سفیان صاحب اچھل کر اُس سے دور ہو گئے جبکہ ہجر نے پلٹ کر ایک معصومیت بھری نگاہ طحہ اور اس کی والدہ پر ڈالی جن کے پیچھے

عادل کھڑا بند ہونٹوں سے مسکرا رہا تھا۔
''تم ......'' طحہ اُسے دیکھتے ہی چونک اٹھا۔
''تمہیں شرم نہیں آئی، تم اتنی گھٹیا لڑکی ہو میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔'' وہ ہجر کے سر پر پہنچ کر چلایا۔
''تمیز سے بات کرو طحہ بلکہ بہتر ہوگا جو بات کرنی ہے مجھ سے کرو۔'' نئی نئی محبت اور وہ بھی اتنی جوان اور خوبصورت سفیان صاحب کے سر پر چڑھی بول رہی تھی یہ ہی سبب تھا جو انہیں طحہ کا یہ لب ولہجہ بالکل پسند نہ آیا۔
''پاپا آپ نہیں جانتے یہ بہت خراب لڑکی ہے۔'' وہ سمجھ نہ پایا کہ اپنے باپ کو کسی طرح ہجر کے چنگل سے آزاد کروائے۔
''میں ہجر کے خلاف تمہارے منہ سے مزید ایک لفظ نہ سنوں۔'' ہجر کا جادو اُن کے سر چڑھ کر بول رہا تھا ہجر نے ایک نظر طحہ کے سرخ چہرے پر ڈالی اور دوسری طرف اس کے ساتھ کھڑی اس کی پُرغرور ماں پر جس کے چہرے پر نہ صرف غم اور کم مائیگی بلکہ شرم کی زردی بھی کنداں تھی۔ وہ ایک پل میں ہی اُسے اپنی عمر سے دس سال بڑی دکھائی دیں۔ وہ سب جو ہجر چاہتی تھی آج اُس کے سامنے دکھائی دے رہا تھا۔
وہ چاہتی تو سفیان صاحب سے شادی کر کے طحہ اور اس کی ماں سے ایسا انتقام لیتی جو ساری زندگی انہیں سر اٹھانے کے قابل نہ چھوڑتا مگر اس کا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا وہ ان تمام لوگوں کو ایک دوسرے سے اُلجھتا چھوڑ کر خاموشی سے باہر نکل آئی۔ جہاں ریسٹورنٹ کی پارکنگ میں ثاقب موٹر سائیکل لیے اس کا منتظر تھا وہ خاموشی سے اُس کے پیچھے جا بیٹھی اور ایک ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ لیا وہ فیصلہ جو اس کا دل نہ مانتا تھا دماغ قبول کر چکا تھا ایک ایسا ہی فیصلہ تھا جو زندگی گزارنے کے لیے ضروری تھا ورنہ اپنا دل تو وہ آج بھی طحہ کے پاس ہی چھوڑ آئی تھی۔
سو یہ طے پایا کہ محبت نفع ونقصان نہیں دیکھتی نہ ہی محبت میں بدلہ ہوتا ہے محبت تو صرف محبت ہوتی ہے جو کسی دل میں ایمانداری سے داخل ہو جائے تو وہیں اپنا گھر بنا لیتی ہے وہ چاہتی تھی کہ طحہ کو احساس ہوا کہ ہجر اس کا سب کچھ چھین لینے کی قدرت رکھتے ہوئے بھی سب کچھ اُسے لوٹا دینے کا حوصلہ رکھتی ہے اور آج یہ احساس طحہ کو بخش کر اُس نے ثاقب کا ساتھ چن لیا۔
ثاقب موٹر سائیکل اسٹارٹ کر کے مین روڈ پر آ گیا جب اچانک ہجر کا موبائل بج اٹھا آنے والا نمبر یقیناً طحہ کا تھا جس پر سے رجیکشن وہ ہٹا چکی تھی مگر اب اُس کا اس نمبر پر بات کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا یہ ہی سبب تھا جو اُس نے اپنے فون کی بیٹری نکال کر اس میں موجود سم نکالی اور اُسے روڈ کنارے فٹ پاتھ پر دور کر کے پھینک دیا البتہ اپنی اور سفیان صاحب کی ریکارڈنگ ابھی بھی اس کے فون میں موجود تھی جسے ڈیلیٹ کرنے کا فی الحال اُس کا کوئی ارادہ نہیں تھا اس سم کو باہر پھینکتے ہی اس نے اپنے دل میں مصمم ارادہ کیا کہ اب اُسے زندگی بھر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھنا کیونکہ زندگی آگے کی جانب بڑھنے کا نام ہے اور پیچھے دیکھنے والے ہمیشہ اپنی زندگی کے دکھوں پر روتے ہی نظر آتے ہیں جبکہ اب اُسے رونا نہ تھا اور کوشش کرنی تھی کہ اپنا کوئی دکھ لے کر وہ ثاقب کی زندگی میں داخل نہ ہو اور ثاقب کی موٹر سائیکل سبک خرامی کے ساتھ اُسے ساتھ لیے آگے کی جانب رواں دواں تھی۔

☆☆......☆☆

اُف! یہ محبت

''عمار نے کوئی رابطہ نہیں کیا؟'' اُس دن کیمپس سے واپس ہاسٹل جاتے ہوئے میں نے پوچھ لیا۔ ''ہاں، کیا تھا! تین دن میں ایک دفعہ...... لیکن اگر وہ اِن تین دنوں میں ایک سو ایک دفعہ بھی رابطہ کرتا تو میں جواب نہ دیتی۔'' وہ غصے میں تھی۔ ''کیا مطلب......

ہاسٹل کے در و دیوار پر شام کے ملگجے سائے دھیرے دھیرے اپنے پر پھیلا رہے تھے جب وہ دھڑام سے دروازہ کھول کر چہکتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

''ہیلو...... اُداس بلبل......'' سارہ کی چہکار پر میں کھڑکی بند کر کے پلٹی۔ اس کے کمرے میں آتے ہی کمرہ پرفیوم اور میک اپ کی ملی جلی خوشبوؤں سے مہکنے لگا تھا۔

''اتنی دیر لگا دی۔ میں نے کتنا انتظار کیا...... کھانا کھانے بھی نہیں گئی۔'' میں نے منہ بسورا۔

''چ...... چ...... اوہو...... سوری یار...... کھانا کھا لیتی تم...... خوامخواہ میرا انتظار کیا...... خیر آہستہ آہستہ عادی ہو جاؤ گی۔ شروع شروع میں ہر لڑکی جب نئی نئی گھر چھوڑ کر ہاسٹل آتی ہے تو کوئی اُداس بلبل بنی ہوتی ہے، کوئی مسکین کوئل، پھر بعد میں ہاسٹل اور یونیورسٹی کی دلکشی و رنگینی میں ایسے کھو جاتی ہیں جیسے یہیں کا حصہ ہوں۔'' سارہ نے دوران گفتگو شاپنگ بیگ اپنے بستر پر پھینکے۔

''اچھا یہ بتاؤ اتنی دیر کیوں لگائی؟'' میں دوزانو ہو کر اس کے سامنے حساب کرنے بیٹھ گئی۔

''ہائے کیا بتاؤں عمار کے ساتھ ہوتی ہوں تو وقت گویا پر لگا کر اُڑتا ہے کم بخت پتا ہی نہیں چلتا کب صبح سے دوپہر ہوئی اور دوپہر سے شام۔'' اس نے خوابناک لہجے میں کہا اور پھر منہ بنا کر بولی۔

''میں تو اب بھی نہ آتی...... اگر وارڈن کا ڈر نہ ہوتا۔''

''اچھا...... چلو آؤ کھانا کھانے چلتے ہیں۔ میں کب سے تمہارا ویٹ کر رہی ہوں۔'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''میں تو کھانا کھا کر آئی ہوں مومی! اصل میں عمار ضد کر رہا تھا۔'' چہرے پر زمانے بھر کی مسکینی طاری کرتے ہوئے اس نے وضاحت دی مجھے بڑی مایوسی ہوئی۔ اکیلے کھانا کھانے کی عادت نہ تھی۔ گھر میں سب مل کر کھانا کھاتے اور جب سے میں ہاسٹل شفٹ ہوئی تھی ہر دفعہ اکیلے

کھانا کھانے کا سوچ کر مجھے کوفت ہونے لگی تھی۔
سارہ بستر پر بظاہر آنکھیں بند کیے لیٹی تھی مگر ذہن مسلسل 'عمار' کو سوچ رہا تھا۔

"مومی!"

"ہوں۔" میں الماری کھول کر صبح پہن کر جانے والے کپڑے نکالنے لگی۔

"مجھے عمار سے محبت ہوگئی ہے۔ اور یہ اچانک نہیں ہوئی۔ بہت دن سے...... میں بڑی شدت سے یہ محسوس کررہی ہوں کہ میں اُس سے محبت کرنے لگی ہوں۔" سحر انگیز لہجے میں اُس نے کہا۔

کپڑے استری اسٹینڈ پر رکھ کر میں اس کے پاس آبیٹھی۔

"مجھے وہ دنیا کی ہر شے سے زیادہ پیارا ہے۔ اِس کی شخصیت اتنی سحر انگیز ہے کہ جی چاہتا ہے دیکھتے ہی رہو، اوراس کی آواز...... اتنی دلکش ہے کہ جی چاہتا ہے سنتے رہو، میں ہر دفعہ مدہوش سی ہوجاتی ہوں اس کی آواز سن کر...... جی چاہتا ہے کہ وہ بولتا رہے میں سنتی رہوں اور یوں ہی زندگی تمام ہوجائے۔"

سارہ اس وقت بھی خیالوں میں عمار حسن کی آواز کو محسوس کر کے کچھ مدہوش سی ہوگئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ستاروں کی سی چمک تھی۔ میں دیکھتی ہی رہ گئی۔

"تمہیں پتا ہے نا مومنہ! خوبصورت آواز میری کمزوری ہے۔ بلکہ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ عمار حسن کی آواز ہی نہیں اس کی پوری کی پوری شخصیت ہی میری کمزوری بن گئی ہے۔" سارہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

☆......☆......☆

میں صبح نماز کے لیے اٹھی تو سارہ الماری سے اپنا میک اپ کا سامان نکال نکال کر میز پر ڈھیر کرتی جارہی تھی۔ نماز پڑھ کر میں نے تلاوت کی اور ہاسٹل کے لان میں چہل قدمی کے لیے نکل آئی۔ تقریباً چالیس منٹ بعد میں کمرے میں واپس آئی تو سارہ دل وجان سے میک اپ کرنے میں مصروف تھی۔

"ناشتہ کیا کروگی؟"

"دو سلائس، ایک ہاف فرائی اور ایک کپ چائے۔" باڈی اسپرے کی پھوار سے جسم کو تر کرتے ہوئے اس نے عجلت میں جواب دیا۔

"کینٹین چلو گی یا کمرے میں ہی لے آؤں؟" میں نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"یار یہاں ہی لے آؤ۔" سارہ کو میس اور کینٹین میں جاکر کھانا ہمیشہ عذاب لگتا تھا اس لیے وہ کمرے میں ہی کھانا منگوالیتی تھی۔ کبھی مجھ سے اور کبھی روم میڈ سے۔ کینٹین سے ناشتہ لے کر میں کمرے میں آئی تو وہ دوپٹے سے بے نیاز آئینے کے سامنے کھڑی ہر ہر زاویے سے مختلف پوز بنا بنا کر خود کو دیکھ رہی تھی کہ کہیں کوئی کمی تو نہیں رہ گئی۔

"لو بھئی...... گرما گرم ناشتا...... جلدی آجاؤ...... ٹھنڈا ہوگیا تو بالکل مزہ نہیں آئے گا۔" میں نے ناشتے کی ٹرے میز پر رکھی۔

"کیسی لگ رہی ہوں......" روز کی طرح دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر اِک ادا سے اُس نے پوچھا۔ بغیر آستینوں کی تنگ قمیض میں اس کے جسمانی خدوخال خاصے نمایاں تھے...... کھلے بال سلیقے سے پشت پر ڈالے گئے تھے۔ میک اپ تیز مگر کافی نفاست سے کیا گیا تھا۔ وہ اچھی لگ رہی تھی مگر اتنی بھی نہیں جتنی میں اس کی تعریف میں رطب اللسان تھی۔ ہمیشہ کی طرح تعریف کو اپنا حق سمجھ کر وصول کرتے ہوئے وہ دلکشی سے مسکرائی۔

☆......☆......☆

یونیورسٹی کے مین کوریڈور سے گزرتے ہوئے وہ گلاب کی طرح کھل اٹھی۔ عمار حسن اپنے لمبے قد اور ورزشی جسم کی وجہ سے دور سے ہی آتا ہوا نظر آگیا تھا۔ بلیک پینٹ پر سی گرین شرٹ

کے ساتھ وہ خاصا جاذب نظر لگ رہا تھا۔ بال سلیقے سے جمائے گئے تھے۔

''مومنہ تم کلاسز سے فری ہو کر ہاسٹل چلی جانا...... میں ذرا......'' بات ادھوری چھوڑ کر اس نے آنکھ دبائی اور مستانی چال چلتی ہوئی عمار حسن کی طرف بڑھ گئی۔

میں نے بیگ کو بائیں سے دائیں کندھے پر منتقل کیا اور اپنے ڈپارٹمنٹ کی طرف بڑھ گئی۔ مجھے معلوم تھا کہ ہر روز کی طرح سارہ آج بھی کلاسز نہیں لے گی۔ ویسے بھی جب سے وہ عمار حسن کی محبت میں مبتلا ہوئی تھی بس اُس کی ہو کر رہ گئی تھی۔ ہفتے میں ایک یا دو دن وہ مشکل سے کلاس لے پاتی تھی۔ بیشتر وقت اس کا عمار حسن کا ڈپارٹمنٹ میں ہی گزر جاتا تھا اور بہت سے نئے اسٹوڈنس اسے کیمسٹری ڈپارٹمنٹ کی ہی طالبہ سمجھتے تھے جبکہ وہ ایم ایس سی باٹنی کے تیسرے سمسٹر میں تھی۔

مجھے یونیورسٹی آئے دو ماہ ہی ہوئے تھے۔ دو ماہ پہلے جب میرا یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہوا تو مارے خوشی کے پاؤں زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ صد شکر کہ یونیورسٹی کے ہاسٹل میں الاٹمنٹ بھی ہو گئی تھی مگر ہوش اس وقت ٹھکانے پر آئے جب وقت رخصت آیا۔ خود بھی بہت روئی اور گھر والوں کو بھی رُلایا...... گوجرہ سے فیصل آباد تک کا سفر آنسوؤں کے ساتھ طے ہوا گو کہ ابو اور بھائی ہاسٹل تک چھوڑنے ساتھ آئے تھے مگر گھر کی دہلیز پار کرتے ہی جدائی اور تنہائی کا احساس دل چیر رہا تھا کیونکہ زندگی میں پہلی دفعہ میں اس طرح پڑھائی کی خاطر شہر سے باہر آئی تھی۔ یہ احساس ہی میرے لیے سوہانِ روح تھا کہ اب مجھے ہاسٹل میں اپنے والدین اور بہن بھائیوں کے بغیر دو سال رہنا ہے۔

ہاسٹل لائف کے ابتدائی ایام بڑی مشکل سے رو دھو کر گزرے...... پڑھائی میں دل ہی نہیں لگتا تھا نیند اور بھوک تو اکثر غائب ہی رہتی تھی۔

مگر پھر سارہ جیسی شوخ و چنچل روم میٹ ملی تو دل کافی حد تک بہل گیا۔

☆......☆......☆

''بھئی...... میں نے تو آج اسے صاف صاف کہہ دیا کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں...... اور تمہارے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔'' ناخنوں سے رگڑ رگڑ کر نیل پالش صاف کرتے ہوئے اُس نے گویا اعلان کیا۔

''اچھا......!'' نوٹس ایک طرف رکھ کر میں پوری کی پوری اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''پھر کیا کہا اُس نے......؟''

''کچھ بھی نہیں۔'' وہ مایوس تھی۔

''مطلب......!'' مجھے حیرت ہوئی۔

''کچھ بھی نہیں کہا...... یعنی تم نے صاف صاف اظہارِ محبت کر ڈالا اور اُس نے جواباً کچھ بھی نہ کہا، کمال ہے...... اقرار، انکار؟'' میں نے تکیہ گود میں رکھا اور ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ ٹکا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے ناخن رگڑنے میں تیزی آ گئی۔

''بس ایک قہقہہ......'' میری بات سن کر اُس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور میرا دل جل کر رہ گیا۔ اس نے نیل پالش ریموور کی شیشی میز پر زور سے رکھی اور ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کرنے لگی۔

مجھے بڑی حیرت ہو رہی تھی عمار حسن کے قہقہے کی بابت سن کر۔

''عجیب آدمی ہے۔'' یہ اقرار تھا یا انکار...... میں سمجھ نہ سکی نہ سارہ۔

"شاید وہ میری محبت کو مذاق سمجھ رہا تھا یا پھر بچپنا۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"پھر......! تم نے کیا کہا اُس کو۔" مجھے تجسس ہوا۔

"میں نے کہا آئی ایم سیریس عمار...... مجھے بے حد دکھ تھا کہ اُس نے میری محبت کو ہوا میں اڑا دیا تھا۔ کچھ لمحے وہ چپ چاپ میری طرف سنجیدگی سے دیکھتا رہا۔ میں نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا وہاں کچھ بھی نہ تھا وہ خالی خالی آنکھوں سے مجھے تکے جا رہا تھا پھر کچھ دیر بعد بے حد عام سے لہجے میں بولا۔

"کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے یار...... اور تمہیں پتا ہے کہ مجھے ٹھنڈی کافی بہت بدذائقہ لگتی ہے۔" اس نے اپنا بھرا مگ اٹھالیا۔ غصے کی ایک لہر میرے دل و دماغ میں سرایت کر گئی۔

یعنی میں اتنی اہم بات کر رہی تھی۔ اس کے جواب کی منتظر تھی۔ محبت کے جواب میں محبت چاہتی تھی۔ اور اُسے کافی ٹھنڈی ہونے کی فکر تھی۔ کیا اس کے نزدیک کافی کی اہمیت مجھ سے زیادہ تھی؟"

"جہنم میں جائے کافی۔" میں نے کافی کا مگ اُٹھا کر دیوار پر دے مارا۔ کیفے ٹیریا میں بیٹھے سب لوگ ہی ہماری طرف متوجہ ہو گئے تھے مگر پھر میں ایک لمحے کے لیے بھی نہ رُکی اور واپس آ گئی۔ مجھے بے حد حیرت ہوئی نہ اُس نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر میرے پیچھے آنے کی زحمت گوارا کی اور نہ ہی مجھے روکنے کا تردد کیا۔

یہ سب بتاتے ہوئے اُس کی آنکھیں مکمل طور پر بھیگ چکی تھیں۔

"مومی! مجھے بڑا دکھ ہوا اس کے رویے پر۔" اس نے میز پر پڑے ڈبے سے نیا ٹشو نکالا اور بڑی نفاست سے آنکھوں کے کنارے صاف کر کے کاجل پھیلنے سے بچالیا۔

"عمار کا رویہ واقعی عجیب ہے۔ مگر میری جان منفی سوچوں کو ذہن میں جگہ نہ دو۔ منفی سوچیں انسان کو کھوکھلا کر دیتی ہیں۔" میں نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر نرمی سے تھپتھپایا۔

"ہو سکتا ہے اس کی کوئی مجبوری ہو سارہ! اور شاید مناسب وقت آنے پر وہ تم سے خود اس حوالے سے بات کرے۔"

"اونہہ...... مجبوری! مائی فُٹ...... میں لڑکی ہو کر پہل کر سکتی ہوں اور وہ لڑکا ہو کر منہ سیے بیٹھا ہے اور میں نے کون سا اُس سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ابھی کے ابھی مجھ سے نکاح کر لو۔ اگر وہ مجھ سے محبت کرتا ہے تو اظہار کرنے میں کون سی مجبوری مانع تھی۔ حالانکہ میں لڑکی ہوں...... اس سے زیادہ مسائل ہیں میرے...... مجھے اس کے لیے اپنے گھر والوں کے سامنے باقاعدہ جنگ کرنی پڑتی۔ مگر...... مگر اس نے کیا کیا میرے ساتھ...... آس کا جگنو امید کا دیا۔ ایک قہقہے کے ساتھ اُس نے مجھے خالی ہاتھ لوٹا دیا۔" شدت غم سے اُس کی آنکھیں سرخ ہو کر دوبارہ برسنے کو تیار تھیں۔

☆......☆......☆

اگلے تین دن تک سارہ ہاسٹل سے کیمپس میرے ساتھ ہی جاتی اور اُس کی واپسی بھی میرے ساتھ ہی ہوتی تھی جس کا صاف مطلب یہ تھا کہ اِن تین دنوں میں اُس کی عمار کے ساتھ کوئی ملاقات ہوئی نہ بات، اور یہ خاصی تشویش ناک بات تھی۔ وہ لڑکی جسے عمار حسن کے بنا ایک پل چین نہیں آتا تھا جس کی آواز اُس کا نشہ تھی۔ وہ خود اقرار کرتی کہ خوب صورت آواز میری

کمزوری ہے اور عمار کی آواز اتنی سحر انگیز اتنی دلکش ہے کہ نشہ سا طاری ہو جاتا ہے دل معمول سے ہٹ کر دھڑکنے لگتا ہے اور اب ان تین دنوں میں اُس نے ایک بار بھی عمار کا نام نہیں لیا تھا۔ اس نے جامد چپ سادھ رکھی تھی۔ اِن دنوں وہ مجھے کسی اندھیری برف پوش چوٹی کی طرح سرد، سپاٹ اور منجمد دکھائی دیتی تھی۔ ہر وقت چہکنے والی لڑکی کو اِس طرح چپ دیکھ کر مجھے ہول اٹھتے رہے۔

''عمار نے کوئی رابطہ نہیں کیا؟'' اُس دن کیمپس سے واپس ہاسٹل جاتے ہوئے میں نے پوچھ لیا۔

''ہاں، کیا تھا! تین دن میں ایک دفعہ..... لیکن اگر وہ اِن تین دنوں میں ایک سو ایک دفعہ بھی رابطہ کرتا تو میں جواب نہ دیتی۔'' وہ غصے میں تھی۔

''کیا مطلب.....؟ تم نے اس کے رابطہ کرنے پر کوئی جواب نہ دیا۔''

''ہاں ...... ظاہر ہے۔ پھر وہ دوبارہ کیوں رابطہ کرتا۔''

''میری محبت اتنی بے مول نہیں ہے مومنہ..... میں اسے احساس دلانا چاہتی ہوں۔ اِسے بھی تو قدر ہو میری محبت کی۔ تم نہیں جانتی مومنہ میں نے اُس کو دل کی کس اونچی مسند پر بٹھا رکھا ہے۔ میں اس سے کتنی محبت کرتی ہوں۔ شاید خود عمار کو بھی اندازہ نہیں...... میں چاہتی ہوں اُسے احساس ہو۔ وہ بھی تو محسوس کرے کہ سارہ اسلام اُسے کتنا ٹوٹ کر چاہتی ہے۔ وہ سارہ اسلام جس نے اپنے ڈپارٹمنٹ کے کتنے ہی خوبرو ،امیر کبیر لڑکوں کو ٹھکرا کر عمار حسن کا ہاتھ تھاما...... اُس کی چاہ کی...... آج بھی کتنے ہی لڑکے سارہ اسلام کی اِک نظر التفات کے منتظر ہیں۔ مگر میں نے عمار......'' شدت جذبات سے اُس کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ اور چلتے چلتے اُس کا سانس پھولنے لگا تھا۔ مجھے اس کی بے بسی پر بڑا ترس آیا میرے پاس اس کو تسلی دینے کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہ تھا۔ راستے میں کینٹین پر رک کر میں نے دو اورنج جوس کے ڈسپوزیبل گلاس لیے اور سارہ کے نا ،نا کرنے کے باوجود زبردستی اسے ایک گلاس تھما دیا۔ میرا ارادہ اب ہاسٹل جانے کا ہرگز نہیں تھا۔ سو میں نے سارہ کا دھیان بٹانے کی خاطر Botanical Gardan کا رخ کیا۔

☆......☆......☆

موسم بدل گیا تھا۔ سردی زور پکڑتی جا رہی تھی۔ رات ہلکی ہلکی حرارت محسوس ہو رہی تھی۔ جو صبح تک بخار کی شکل اختیار کر گئی سو آج کیمپس جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بستر پر لیٹی میں نیم وا آنکھوں سے اس کی تیاری دیکھ رہی تھی جو تین گھنٹے کے میک اپ سے سکڑ کر ایک کولڈ کریم تک محدود ہو گئی تھی اور کریم بھی وہ یوں چہرے پر لگاتی جیسے ماتمی انداز میں گال پیٹ رہی ہو۔ آنکھیں کاجل سے خفا کسی ویرانے کا منظر پیش کر رہی تھیں۔ ہونٹ لپ اسٹک سے مبرا تھے۔ اس وقت اس نے سادہ سا گرم سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا۔

''چلو...... ہیلتھ کیئر سینٹر سے دوائی لے لیتے ہیں۔'' گرم شال کو شانوں پر جماتے ہوئے اُس نے کہا۔

''نہیں، تم جاؤ...... دیر ہو گئی تو لیکچر مس ہو جائے گا۔ میں خود چلی جاؤں گی۔ اور میں کوئی اتنی زیادہ بھی بیمار نہیں ہوں یار۔'' میں نے دھیمے سے مسکرا کر کہا۔

''ٹھیک ہے میں چلتی ہوں۔'' بیگ اُٹھا کر وہ

باہر نکل گئی اور میں بہت دیر تک اُس کے بارے میں سوچتی رہی۔

☆......☆......☆

کمرے کا دروازہ بڑی زوردار آواز میں کھلا اور بند ہونے کی آواز اُس سے بھی زیادہ تھی۔ نیم غنودگی کی کیفیت میں، میں ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی۔ دوائی سے بخار میں کچھ کمی واقع ہوئی تھی۔ مگر اس وقت میں آنے والی افتاد پر جاگے سوئے ذہن کے ساتھ غور کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ سارہ پر نظر پڑی، انہونی کا احساس ہوا...... چہرہ غم و غصے سے سرخ اور آنکھیں متورم تھیں۔

کمرے میں داخل ہونے کے بعد پہلی ٹھوکر اس نے کرسی کو ماری، دوسری میز کو اور پھر راستے میں آنے والی ہر چیز اُس کی ٹھوکروں کی نذر ہوگئی۔

بیگ کندھے سے اُتار کر دیوار پر دے مارا اور کرسی پر بیٹھ کر زور زور سے ٹانگیں ہلانے لگی۔

کچھ دیر بعد اٹھی۔ مٹھیاں بھینچ کر کمرے میں غصے سے ٹہلنے لگی۔ کچھ سمجھ نہ آیا تو غصے سے تکیہ اُٹھا کر کھڑکی کے کھلے پٹ پر دے مارا۔ میں مجسم حیرت اس ساری کارروائی کو دیکھ رہی تھی۔

''سارہ...... ! کیا ہوا......؟ کیا ہوا ہے آخر؟'' میں گرم بستر کو پرے دھکیل کر اس کی طرف بڑھی۔

''تم...... تم نے ٹھیک کہا تھا مومی! اُس کی کوئی مجبوری ہوگی...... اور آج...... آج میں نے اُس کی 'کوئی مجبوری' دیکھ لی۔ چھوٹی موٹی نہیں پوری پانچ فٹ پانچ انچ کی مجبوری ہے اُس کی...... اس کے ڈپارٹمنٹ کی ہے...... جونیئر ہے اُس کی۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''پتا نہیں کب سے چل رہا تھا یہ سب...... میرے سامنے تو اب آیا ہے...... وہ کہتا ہے وہ نازیہ سے محبت کرتا ہے۔ تو پھر میں...... میں کہاں کھڑی ہوں۔'' وہ بھرائی آواز میں چیخنے لگی۔

''سارہ پلیز...... آرام سے بیٹھ کر بات کرلو۔'' اس نے میرا ہاتھ اپنے شانوں سے جھٹک دیا۔

''میں نے پوچھا...... اگر وہ نازیہ سے محبت کرتا تھا تو میرے ساتھ اِس کا کیا تعلق تھا وقت گزاری...... ٹائم پاس......؟'' وہ بتا رہی تھی۔

''وہ کہتا ہے...... ہم اچھے دوست ہیں بس! وہی گھسا پٹا جملہ...... اچھے دوست...... بس اچھے دوست؟ جہنم میں جائے یہ دوستی آگ لگے اس دوستی کو جس نے میری محبت نگل لی۔ حالانکہ میں نے اُسے کبھی دوست نہیں سمجھا مومنہ...... بلکہ دوست سے بہت بڑھ کر...... کچھ خاص...... میں نے اُس کو ہمیشہ یہ احساس دلایا کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں...... ٹائم پاس نہیں...... حقیقی محبت...... میں اس کی زندگی کا حصہ بننا چاہتی تھی مگر اُس نے کتنی آسانی سے 'دوستی' کا سہارا لے کر جان چھڑالی۔'' چیخ چیخ کر بولتے ہوئے اُسے احساس ہی نہیں ہوا کہ اس کے آنسو تواتر سے اس کے رخساروں کو گیلا کر رہے تھے۔

''مجھے دکھ ہوا...... بے حد دکھ...... میں نے دھیرے سے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا مگر تسلی، دلاسے، کچھ بھی اس کی ڈھارس نہ بندھا سکا۔

''وہ...... وہ نازیہ سے محبت کرتا تھا تو اُسے بہت پہلے ہی بتا دینا چاہیے تھا...... وہ اندھا، گونگا، بہرہ تھا کیا؟ اس کو سنائی نہیں دیتا تھا، دکھائی نہیں دیتا تھا کہ میں ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کی محبت میں آگے ہی آگے جارہی ہوں۔'' وہ اب زمین پر بیٹھی ہچکیوں سے رو رہی تھی میں نے بے

بسی سے اس کی طرف دیکھا۔

"کتنا کم ظرف اور دھوکے باز نکلا یہ عمار۔"

☆......☆......☆

وہ کمرہ جہاں نت نئے پرفیومز، باڈی اسپرے اور تازہ پھولوں کی خوشبو ہمہ وقت رقص کرتی تھی۔ سارہ کے رنگین ملبوسات یہاں سے وہاں تک بکھرے رہتے تھے۔ چوڑیاں کھنکتی، قہقہے گونجتے وہ کمرہ اب خاموش تھا۔

سارہ حزن و ملال کی تصویر بنی بیٹھی رہتی یا بستر پر چت لیٹی چھت کو گھورتی رہتی، کبھی بے چین روح کی طرح بکھرے بالوں اور ملگجے کپڑوں میں کوریڈور کے چکر لگاتی رہتی۔ سردی کی یخ بستہ راتوں میں ہاسٹل کے لان کے اندھیرے گوشے سے اس کی دبی دبی سسکیاں کئی لڑکیوں نے سنی تھیں۔

مجھے اس کی حالت دیکھ کر ترس آتا تھا۔ پھول سے جھاڑی ہوگئی تھی وہ...... بالکل سوکھی جھاڑی۔ کسی بات پر ضد نہ کرتی...... اب تو کھانا بھی کمرے میں لانے کا آرڈر نہ دیتی۔ چپ چاپ کسی ربوٹ کی طرح اُٹھ کر میرے ساتھ میس چلی جاتی۔ اس کی خوراک بس دو چار لقمے تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔

"کیوں اپنی زندگی ضائع کر رہی ہو سارہ!" میں نے بڑے پیار سے اِس کے بکھرے، اُلجھے کھچڑی بالوں کو سنوارا وہ ہنوز خاموشی سے لیٹی رہی۔ کتابی کیڑا تو وہ پہلے بھی نہ تھی مگر آج کل تو وہ یہ بھی بھول بیٹھی تھی کہ وہ گھر سے دور یونیورسٹی کے اس ہاسٹل میں کس مقصد کے لیے آئی ہے۔

"سارہ......"

"ہوں۔"

"محبت کو روگ نہ بناؤ، ورنہ زندگی عذاب ہو جائے گی۔ کسی ایک شخص کے لیے وہ بھی جسے تمہاری محبت کی قدر ہے نہ پروا۔ کیوں زندگی برباد کرنے پر تلی ہوئی ہو۔" میں مزید کچھ کہتی۔ اس نے کروٹ بدل لی جس کا صاف مطلب تھا کہ آج وہ میری نصیحتیں سننے کے موڈ میں نہیں ہے۔ یہ وہ باتیں تھیں جو میں ہر روز اُس کے سامنے دہراتی۔

اُسے واپس زندگی کی طرف لانے کے لیے۔ میں اُسے سمجھاتی کہ ہم یہاں جس مقصد کے لیے آئے ہیں اُس کو حاصل کرنے کی طرف پوری توجہ دینا ہی ہمارا فرض ہے۔

سارہ میری باتیں غائب دماغی سے سنتی رہی۔ کبھی ہوں، ہاں میں جواب دے دیتی اور کبھی خاموش بیٹھی رہتی۔ میں نے ایک لمبی سانس لی اور اُس کے بستر سے اُٹھ کر لائٹ آف کر کے اپنے بستر پر آئی اور موبائل پر صبح کے لیے الارم سیٹ کرنے لگی۔

☆......☆......☆

"جلدی تیار ہو جاؤ...... ٹائم کم ہے۔" میں نے تیزی سے کپڑے پریس کرتے ہوئے کہا۔ وہ کھڑکی میں کھڑی ہاسٹل کی چہل پہل کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے یہاں پہلی دفعہ آئی ہو۔

"میرا موڈ نہیں ہے۔ تم چلی جاؤ۔" ہر روز اس کا یہی جواب ہوتا تھا مگر میں پھر بھی زبردستی گھسیٹ کر اسے کیمپس لے جاتی کبھی کبھار وہ خوش قسمتی سے ایک آدھا لیکچر اٹینڈ کر لیتی ورنہ ڈپارٹمنٹ کے عقب میں بنے لان میں بیٹھی سوچتی رہتی یا پرندوں کو درختوں پر آتے جاتے شور مچاتے دیکھتی رہتی۔

میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ کم از کم ہاسٹل سے باہر نکل آتی ہے۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

آج بھی میں اُسے حسبِ معمول زبردستی کیمپس لائی تھی۔ قسمت بری کہ مین کوریڈور میں عمار حسن سے سامنا ہو گیا۔

ہمیشہ کی طرح زندگی سے بھرپور وہ ہنستا مسکراتا نازیہ کے ساتھ شوخیاں کرتا چلا جا رہا تھا۔ نفرت و اشتعال کی ایک لہر میرے اندر اٹھی میں نے منہ پھیر لیا۔

سارہ ٹھٹک کر رکی اور آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھے گئی۔ میں نے سارہ کو وہاں سے گھسیٹا، اس کے سپاٹ چہرے پر محبت، نفرت، غم اور غصے کے جذبات ایک ساتھ ابھرے۔

کوریڈور عبور کر کے ڈپارٹمنٹ میں داخل ہوتے ہوئے میں نے دیکھا وہ آنچل کے کونے سے اپنی نم آنکھیں رگڑ رہی تھی۔

☆......☆......☆

بڑے بے کیف اور سرد و سپاٹ دن گزر رہے تھے۔ فائنل پیپرز کی ڈیٹ شیٹ کا اعلان ہوا تو ہاسٹل اور کیمپس میں ہلچل سی مچ گئی۔ ہر کوئی کتابی کیڑا بنا پھرتا تھا۔

پورا سمسٹر مزے کرنے والا طلبہ و طالبات کتابیں کھنگالتے نظر آئے۔ ہاسٹل کا ٹی وی لاؤنج ویران تھا۔ لڑکیاں ساری ساری رات کوریڈور میں ٹہل ٹہل کر رٹے لگاتیں رہتیں۔ لائبریری اسٹوڈنٹس سے کھچا کھچ بھری رہتی۔

مجھے امید تھی کہ اس ہلچل کا سارہ کی طبیعت پر کچھ اثر تو پڑے گا۔ مگر وہاں خاموشی تھی، سکوت تھا۔ اس کی زندگی ہنوز منجمد سی تھی۔ مجھے آزردگی نے گھیر لیا۔

☆......☆......☆

پیپرز کے دنوں میں وقت پر لگا کر اڑ جاتا ہے فائنل پیپرز میں صرف پانچ دن باقی تھے۔ سمسٹر کے لیکچرز پورے ہو گئے تھے سو ڈیپارٹمنٹس نے اسٹوڈنٹس کو فری کر دیا تھا۔

رات دیر تک پڑھنے کی وجہ سے صبح دیر سے آنکھ کھلتی تھی۔

اس دن بھی قریب گیارہ بجے میری آنکھ کھلی۔ کسلمندی سے اٹھ کر بال سمیٹے اور اگلے ہی لمحے مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ کمرے کا نقشہ کچھ بدلا بدلا سا تھا۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے آنکھیں رگڑیں اور پوری آنکھیں کھول کر دیکھا کہ نظر کا دھوکا تو نہیں۔

سامنے میز پر مختلف رنگوں کی لپ اسٹک، نیل پالش، ہیئر اسپرے، فیس پاؤڈر، آئی شیڈ، بلش آن، مسکارا، باڈی اسپرے، پرفیوم، جیولری اور پتا نہیں کیا کیا الا بلا پڑا تھا۔ میں دنگ رہ گئی۔

وہ تولیے سے گیلے بال رگڑتی اندر داخل ہوئی اور دھیمی سی مسکان میری طرف اچھال کر بولی۔

''صبح بخیر۔'' یہ حیرت کا ایک اور جھٹکا تھا۔

''یا اللہ! وقت پیچھے چلا گیا ہے یا سارہ زندگی کی طرف لوٹ آئی ہے۔ آخر یہ ماجرا کیا ہے؟''

''ایسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تو نہ دیکھو یار! میں کنفیوژ ہو رہی ہوں۔''

وہ جھینپ کر بولی۔

تولیہ بستر پر پھینک کر اس نے سر کو جھٹکا دے کر گیلے بال پشت پر ڈالے اور بولی۔

''میں نے سوچا اور بہت سوچا...... سوچ سوچ کر میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ بس بہت منا لیا پہلی محبت کا سوگ، عمار کی خاطر اب میں باقی کی زندگی برباد نہیں کروں گی۔'' برش سے بال سلجھا کر وہ آئینے کے سامنے بیٹھ گئی۔

''تم صحیح کہتی تھیں مومنہ! محبت کو روگ نہیں بنانا چاہیے۔ زندگی عذاب ہو جاتی ہے۔'' میک

اب اس کے چہرے پر رنگ بکھیرنے لگا۔

''میں نے سوچا...... میں ہی کیوں؟ بس بہت ہو گیا۔ بہت جل لیا ہجر کی آگ میں۔'' کاجل نے اس کی ویران آنکھیں آباد کر دیں۔

''میری اس حالت سے اس کو کیا فرق پڑا...... میں اکیلی روتی کرلاتی رہی۔ اس کو کیا، وہ تو خوش ہے، مگن ہے اپنی زندگی میں، نازیہ کے سنگ......'' مسکارے نے پلکوں کو مزید سیاہ اور گھنا بنا دیا۔

''اس نے میری محبت کی قدر نہ کی۔ میں کیوں جلوں اس کے ہجر کی آگ میں۔'' شوخ لپ اسٹک بڑی نفاست سے ہونٹوں پر جمائی گئی۔

''میں نے سوچا، اور فیصلہ کر لیا...... میں اپنی زندگی کے یہ سنہرے دن اس کے سوگ میں ہرگز نہیں برباد کرنے والی۔''

سفید نگینوں جڑے قیمتی ٹاپس اس نے کانوں میں ڈالے اور تنقیدی نظروں سے خود کو آئینے میں دیکھا۔

میں بت بنی بیٹھی دیکھتی رہی...... سنتی رہی...... مجھے لگا آج میں ایک نئی سارہ سے مل رہی ہوں...... جس سے میں پہلے ناآشنا تھی۔

''کیسی لگ رہی ہوں؟'' تیاری کو فائنل ٹچ دینے کے بعد دونوں ہاتھ کمر پر ٹکا کر اپنے مخصوص انداز میں اس نے پوچھا۔

''فٹ......'' میکانکی انداز میں، میں اتنا ہی کہہ پائی۔

''اچھا! پھر ہونقوں کی طرح کیوں دیکھ رہی ہو۔ جیسے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔'' آنکھیں گھما کر اس نے شوخی سے کہا اور الماری سے اپنا بیگ نکالنے لگی۔

''مگر...... تم جا کہاں رہی ہو......؟''

''اسد سے ملنے، ارے وہی اپنے ڈپارٹمنٹ کا، ایک سمسٹر سینئر ہے مجھ سے۔ تم نے دیکھا ہی ہوگا۔ وہ نیلی آنکھوں والا، یار کیا غضب کی آنکھیں ہیں اُس کی، نیلی جھیل...... اپنے پورے ڈپارٹمنٹ میں ایسی آنکھیں کسی دوسرے کی ہیں تو بتاؤ۔'' باڈی اسپرے سے اس نے تقریباً خود کو نہلاتے ہوئے بھنویں اچکا کر پوچھا۔ حیرت کا ایک اور جھٹکا......

''اور شاید میں تمہیں بتانا بھول گئی، خوبصورت آنکھیں بھی میری کمزوری ہیں۔''

''مگر...... مگر یہ سب......'' حیرتوں کے سمندر میں ڈوبتے ابھرتے میرے منہ سے نکلا۔

''دو دن پہلے ملا تھا کیفے ٹیریا میں...... موقع ملتے ہی کہنے لگا۔

''آئی لائک یو سوچ سارہ۔'' وہ خوشی سے بتا رہی تھی۔

''ڈپارٹمنٹ کی درجنوں لڑکیاں مرتی ہیں اس پر لیکن اس نے صرف اور صرف سارہ کو چوز کیا۔ تمہیں تو پتا ہے یار...... اپنی پرسنیلٹی ہی ایسی ہے کہ لڑکے دیکھتے ہی ٹھنڈی آہیں بھرنے لگتے ہیں۔''

دائیں آنکھ دبا کر اس نے شوخی سے کہا۔

''اچھا، میں جا رہی ہوں۔ وہ ویٹ کر رہا ہے کب سے، بیسیوں میسج آچکے ہیں اُس کے۔ شام تک واپس آؤں گی۔ تم کھانا کھا لینا، میرا انتظار نہ کرنا۔'' کہہ کر وہ پرس کندھے پر ڈالے کمر لچکاتی کمرے سے باہر نکل گئی۔

کمرے میں پھیلی مختلف قسم کی خوشبوئیں میرا طواف کرنے لگیں۔

☆☆......☆☆

افسانہ

شیما عبدالقیوم

چھوٹی باجی

''پپی باجی آخر آپ نئے کپڑے کیوں نہیں بناتی ؟'' مجھے واقعی غصہ آ گیا وہ مسکرائیں۔ ''بیٹا اتنے خرچوں میں یہ ایک اور اضافی خرچہ ہوتا۔'' ''اچھا'' میں نے اُن کے دوسرے بہن بھائیوں کو دیکھا جو مہنگے کپڑوں میں سجے سنورے گھوم رہے تھے اور......

گلی کے مڑتے ہی پہلا مکان ماموں بھائی کا تھا نام تو اُن کا مجھے نہیں پتہ مگر سب انہیں اسی نام سے پکارتے۔ اُن کی بیوی نفسیاتی مریضہ تھیں جو ہر وقت بیٹھی خلاؤں میں دیکھا کرتیں۔ تین بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں جن میں سب سے بڑی تھیں پپی باجی، گھسے ہوئے قد کی گہری رنگت چھوٹی چھوٹی آنکھیں اور کندھے تک جھولتے چھدرے بال ایک چیز جو ہمہ وقت اُن کے چہرے پر رہا کرتی وہ تھی پیاری سی مسکراہٹ ماں کی دماغی حالت کے باعث گھر کی تمام تر ذمہ داری اُن کے کمزور کندھوں پر تھی۔ جسے وہ بخوبی نبھا رہی تھیں۔ میں انہیں بچپن سے ایسا ہی دیکھ رہی تھی۔ ہم بڑے ہوتے گئے اور وہ ویسی ہی تھیں۔

بچپن یں ہر جمعرات کو اُن کے گھر کے سامنے بچوں کا ہجوم ہوا کرتا جنہیں کبھی ٹافیاں ملتیں کبھی جلیبیاں اور کبھی کوئی اور مٹھائی، یا کبھی گھر پر بچوں کو کھانا کھلاتیں اور ساتھ ساتھ کہتی جاتیں میری امی کے لیے دعا کیا کرو کہ وہ ٹھیک ہو جائیں۔

☆......☆......☆

وقت گزرتا گیا پپی باجی کی عمر کی تمام لڑکیاں بیاہی گئیں مگر وہ اپنی جگہ رہیں۔ میں میٹرک میں آ گئی۔ آتے جاتے اُن پر نظر پڑ جایا کرتی جو کبھی مشین لگائے کپڑے دھو رہی ہوتیں تو کبھی بچوں کو سپارہ اور ٹیوشن پڑھا رہی ہوتیں۔ نہیں تو گھر کو جھاڑنے چمکانے میں مصروف نظر آتیں۔ یا پھر محلے بھر میں کبھی میلاد تو کبھی قرآن خوانی کی دعوت دیتی نظر آتیں۔ اِن دنوں گھر میں بہن کی شادی کا ہنگامہ زوروں پر تھا جب وہ آئیں بہن کو پیار کیا اور خوب دعائیں دیں۔ اُن کے بھی ایک بھائی اور بہن کی شادی ہو چکی تھی اور اب چوتھے نمبر والی کی تیاری ہو رہی تھی۔ امی کو اُن پر بہت ترس بھی آیا کرتا اور پیار بھی، لہٰذا اُس دن بھی اُن سے کہا۔

''پپی اب تم کو بھی اپنے گھر کا ہو جانا چاہیے۔ بہن بھائی چھوٹے تھے، ٹھیک ہے مگر اب سب بڑے ہو گئے ہیں انہیں ذمہ داریاں دو اور اپنی تیاری پکڑو۔ لمحہ بھر کو اُن کا چہرہ جیسے مرجھایا پھر مسکرا کر بولیں۔

''ارے آنٹی میری منگنی تو ہو چکی ہے ہمارے

رشتے دار ہیں ناں امریکہ میں وہیں ہوئی ہے بس تھوڑے عرصے کی بات ہے میں بھی نمٹ جاؤں گی۔"
"اچھا......" امی حیران ہوئیں۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو یقیناً پتہ چلتا پر اُن کی دل آزاری نہ ہو یہ سوچ کر خاموش ہو گئیں۔

☆......☆......☆

امی کو فیشل کے لیے پارلر جانا تھا سو مجھے ساتھ لیے علاقے کے پارلر میں آ گئیں انیلا باجی بڑی اچھی بیوٹیشن اور خوش اخلاق تھیں۔ امی کا نمبر آنے میں ٹائم تھا سو باتوں میں ٹائم پاس ہونے لگا۔ امی کے فیشل کے ساتھ برابر والی کرسی پر پپی باجی تھیں جو فیشل کروا رہی تھیں۔ امی نے انہیں کافی شاباش دی کہ

بالآخر انہیں اپنا خیال آ ہی گیا۔ وہ شرما کر بولیں۔
''آنٹی انہوں نے خاص تاکید کی ہے کہ اپنا خاص خیال رکھوں پارلر ٹریٹمنٹ باقاعدگی سے لوں۔'' امی نے دعا دی۔ تھوڑی دیر میں اُن کا فیشل مکمل ہو گیا تو وہ امی سے بولیں۔
''آنٹی آپ فارغ ہو لیں ساتھ چلتے ہیں۔'' ہم باہر نکلے تو انہوں نے ریڈ کلر کی پی کیپ نکالی اور بولیں۔
''کلر خراب ہو جائے گا۔'' سارے رستے وہ امی کو اپنے منگیتر کے قصے سناتی رہیں کہ اتنا خیال رکھتے ہیں۔ فون کرتے رہتے ہیں۔ اُن کی کالی رنگت کچھ پیلی نظر آ رہی تھی۔ امی نے پوچھا تو رازداری سے بولیں۔
''آنٹی وائٹنگ کریم استعمال کر رہی ہوں اُس کا رزلٹ ہے۔''

☆......☆......☆

ماموں بھائی کے گھر سے شادی کا کارڈ آیا جس میں پپی باجی سے چوتھے نمبر کی بہن کی شادی کا دعوت نامہ تھا۔ امی بجھ کر رہ گئیں۔
''ماموں بھائی اور دوسرے بچوں نے اس لڑکی پر ظلم کی انتہا کر دی ہے۔ بہت برا کر رہے ہیں اس کے ساتھ۔'' وہ اُن کے لیے اُداس تھیں بے حد۔
خیر شادی کا دن آ پہنچا اور ہم شادی ہال پہنچ گئے جہاں حسبِ معمول پپی باجی سب کا پرتپاک استقبال کر رہی تھیں۔ زمانہ قدیم کی گھسی ہوئی ہرے رنگ کی فراک، جسے میں ہزار دفعہ اُن کے جسم پر سجے دیکھ چکی تھی۔
''پپی باجی آخر آپ نئے کپڑے کیوں نہیں بناتی؟'' مجھے واقعی غصہ آ گیا وہ مسکرائیں۔
''بیٹا اتنے خرچوں میں یہ ایک اور اضافی خرچہ ہوتا۔''
''اچھا میں نے اُن کے دوسرے بہن بھائیوں کو دیکھا جو مہنگے کپڑوں میں سجے سنورے گھوم رہے تھے اور اُن پر خرچہ نہیں ہوتا؟''

''ارے یہ لوگ تو کماتے ہیں ناں وہ معصومیت سے بولیں۔ اور میں کچھ نہ بول سکی۔

☆......☆......☆

کالج سے آتے وقت میری نظر ماموں بھائی کے گھر پر پڑی گھر کے باہر عورتیں جمع تھیں۔
''یا اللہ خیر۔'' میں تیز تیز قدم اٹھاتی گھر میں آ گئی۔
''السلام علیکم امی۔''
''وعلیکم السلام بیٹا۔'' امی نے جواب دیا۔
''امی ماموں بھائی کے گھر کیا ہوا ہے؟'' بیگ وہیں صوفے پر رکھ کر میں امی سے مخاطب ہوئی۔
''ارے ہونا کیا تھا بیٹا پپی کی حالت بہت خراب ہو گئی ہے۔ اُسے اسپتال لے گئے ہیں۔''
''کیوں کیا ہوا انہیں؟''
''تباہ کر دیا لڑکی کو۔'' امی یاسیت سے بولیں۔
''مشین بنا کر رکھ دیا بے چاری کو صبح چار بجے سے رات ایک بجے تک صرف کام ہی کرتی رہتی ہے اور صرف دو گھنٹے کی نیند لے کر تہجد کے لیے اٹھ جاتی۔ عمر نکال دی ذرا ترس نہ آیا نہ باپ کو نہ بہن بھائیوں کو۔'' وہ اُداسی سے آنکھیں صاف کر رہی تھیں۔ پپی باجی عبادت گزار تھیں یہ بات سب جانتے تھے میں مارے تاسف کے کچھ نہ بول پائی۔
''بیٹا کل چلو گی اسپتال اُسے دیکھنے۔''
''جی امی ضرور یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔''

☆......☆......☆

میں انہیں دیکھ کر سکتے میں آ گئی۔ پیلا زرد وجود یوں لگا جیسے ڈھانچے پر صرف کھال ہو۔ ہمیں دیکھ کر مسکرائیں کمرے میں اُن کی دوسرے نمبر کی بہن تھیں جو بار بار گیلی آنکھیں صاف کر رہی تھیں۔
''کیسی ہو پپی؟'' امی نے محبت سے اُن کے ماتھے پر بوسہ دیا۔
''ٹھیک ہوں آنٹی مگر ڈاکٹر چھٹی نہیں دیتے

کہتے ہیں کہ آپ نے یہاں رہنا ہے آرام کرنا ہے نہ کچھ سوچنا ہے نہ کوئی کام کرنا ہے۔'' آواز میں نقاہت واضح محسوس ہو رہی تھی۔

''تو اچھا ہے ناں کرو آرام۔'' امی پاس پڑی بینچ پر بیٹھ گئیں۔ میں نے فروٹ شاپر سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور امی کے برابر میں بیٹھ گئی۔

''بار بار آ کر کہتے ہیں سو جاؤ بھلا کیسے سو جاؤں نیند آئے تو سوؤں گی ناں! اب تو ایک عرصہ ہوا نیند ہی نہیں آتی۔'' انہوں نے اپنے سوکھے کانپتے ہاتھوں سے آنکھیں مسلیں۔

''چلو کوئی بات نہیں کبھی کبھار صحت کے لیے اسپتال آنا اچھی بات ہے بچی۔'' امی نے مسکراتے ہوئے تسلی دی۔ تبھی ڈیوٹی پر موجود نرس نے آ کر وزیٹنگ آورز ختم ہونے کی اطلاع دی۔ میں نے اُن سے ہاتھ ملایا۔ امی نے دعائیں دیں۔ ہم نکلنے لگے تو بولیں۔

''آنٹی اب کی بار آپ آئیں گی تو آپ کو اُن کا نمبر دوں گی بہت پریشان ہوتے رہتے ہیں آپ انہیں تسلی کروا دیجیے گا کہ شاہدہ جلد ٹھیک ہو کر گھر آ جائے گی۔''

''ضرور بیٹا۔'' امی نے ہلکے لہجے میں جواب دیا۔ ہمارے ساتھ اُن کی بہن بھی باہر آ گئیں۔

''ہوا کیا ہے اسے۔'' امی اور میں کوریڈور میں رُک گئے۔

''آنٹی ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی عمر سے دُگنی زندگی جی لی ہے۔ دن رات کی محنت نے اِن کے جسمانی اعضاء ختم کر دیے ہیں۔ کیا بتاؤں آپ کو۔'' وہ رو پڑی۔

''اب اپنی زیادتیوں کا احساس کھائے جا رہا ہے ہم سب نے انہیں ایک مشین سمجھا بس جو صبح تین بجے سے اسٹارٹ ہوتی اور رات ایک بجے تک چلا کرتی ہم سب ہی خود غرض ہو گئے تھے۔ تم لوگوں نے اُس کی زندگی اپنی آسودگیوں پر قربان کر دی۔'' امی تلخ ہو گئیں۔

''ایسا تو سوتیلی اولادوں کے ساتھ بھی نہیں کوئی کرتا۔ اللہ تم سب پر رحم کرے۔ اور اُس کا منگیتر کب آنے کا کہتا ہے۔''

''اِن کا کوئی منگیتر نہیں آنٹی سب اُن کی تصوراتی باتیں تھیں۔'' امی اور میں بھونچکا ہو کر اُن کا منہ تکنے لگے۔

''اور تم لوگ اتنے ظالم نکلے کہ اُس کے خوابوں کا احساس تک نہ کیا۔ عقلمندوں دیکھ لیتے ناں کوئی رشتہ تم بہن بھائیوں کو اپنی شادیوں کی تو بڑی جلدی رہی تم سمیت سب شادی شدہ بہن بھائی اپنی اولادیں لیے اُس کے سامنے آتے ہوں گے تو کیا کیا نہ بیتتی ہوگی۔ اس کے نازک کمزور دل پر۔ امی تلخی سے بولے جا رہی تھیں۔ ہمیں بہت دیر سے احساس ہوا مگر جیسے ہی یہ ٹھیک ہوں گی ہم سب سے پہلا کام یہی کریں گے۔'' وہ شرمندہ شرمندہ بول رہی تھیں۔

''اللہ کرے۔'' امی یہ کہہ کر میرا ہاتھ تھامے تیز تیز باہر نکل آئیں۔

☆☆☆

اور کچھ دن ہاسپٹل میں رہنے کے بعد ایک رات انہوں نے خاموشی سے آنکھیں موند لیں۔ سب کہتے ہیں کہ اسپتال کا عملہ تک اُن کے لیے افسردہ تھا اور جس ڈاکٹر نے اُن کی موت کی تصدیق کی۔ اُس نے نہایت غصے سے اُن کے والد سمیت سب کو کہا تھا۔

اب یہ پہلی بار گہری اور پُر سکون نیند میں ہیں امید ہے اب آپ لوگ انہیں ڈسٹرب نہیں کریں گے۔ انہیں گزرے کافی سال ہو گئے۔ مگر آج بھی اُن کے گھر والوں کی زندگی رواں دواں ہے۔ ہاں اب نہ ہر جمعرات کو اُن کے گھر سے کچھ پکنے کی خوشبو آتی ہے نہ بچوں کا ہجوم نظر آتا ہے اور نہ ہی ہر جمعے کی کوئی دعوت دینے آتا ہے۔ ایک بے مہری خاموشی رہتی ہے۔

☆☆☆

مکمل ناول

ماہ وش طالب

جنوں کی راہ پر

"کیا تمہارے پاس کوئی اور راستہ نہیں ہے بیٹی۔" اس شخص کے لہجے میں امید کی آخری کرن تھی۔ جو بجھی تو پھر کچھ اور بھی نہیں بولا گیا اس سے۔ "اگر ہوتا تو اس وقت میں آپ کے سامنے نہ ہوتی۔" لڑکی کے چہرے پر روشنی کے بجھ جانے کے بعد......

دور دور تک لہلاتے کھیت اور فضا میں موجود اوس کی دبیز تہہ نے منظر کو بہت خوشنما بنا دیا تھا۔ دوسری جانب کا منظر دھندلایا ہوا تھا۔ پرندے بجلی کے کھمبوں پر ایک تار سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے تار پر رزق تلاش کرنے کے لیے سرگرداں تھے۔ پھیرے والے بھی اپنی سامان سے لدی پھندی ریڑھیاں تیار کر کے نکل چکے تھے۔ اسکول وکالج کے لیے نکلی لڑکیاں، لڑکے تیز تیز قدم اٹھا رہے تھے مبادا انہیں مطلوبہ وین نہ نکل جائے۔ جن لڑکیوں کے ساتھ اُن کے بھائی یا والد تھے وہ ذرا بے فکر تھیں کہ اگر بس چھوٹ بھی جائے تو کیا...... اسٹاپ تک آئے ہیں تو مدرسے تک بھی بھائی ساتھ ہی چھوڑ آئیں گے۔

مختصر سے رقبے پر محیط ہوٹلوں میں ناشتے کی تیاری عروج پر تھی۔ اشتہا انگیز خوشبو راہ گیروں کے قدم روک رہی تھی۔ نرم گرم تلوں والے کلچے پائے اور چنے جس میں کچھ شوقین مزاج اُبلا انڈہ بھی ڈلوا لیتے تھے، کے دیگچوں پہ سے ڈھکن سیر کائے جا رہے تھے۔ ہر شے وقت پر ہو رہی تھی۔ نئے سال کی نئی اور پہلی صبح کا آغاز ہو رہا تھا۔ یہاں پر ہر صبح یونہی ہوتی تھی۔ یہی اس علاقے کی خاص بات تھی اور یہاں کے باشندوں کی بھی۔

وہ خزاں رسیدہ پیڑ کے نیچے رکھے بینچ پر بیٹھی حسب معمول بائیں ہاتھ کی پشت پر نیلی روشنائی سے پھول پتیاں بنا رہی تھی، اس وقت وہ یونیورسٹی کے نسبتاً کم رش والے گراؤنڈ میں تھی۔ وہ اپنی کلاس بلکہ ڈیپارٹمنٹ کی واحد لڑکی تھی جو سب سے پہلے اور جلدی یونیورسٹی پہنچتی تھی۔ ابھی کچھ دیر میں اس کے دوستوں نے آ جانا تھا اور اسے یہاں سے لے جا کر روزانہ کی طرح سب سے پہلے کینٹین کی سیر کرانی تھی۔

یہ یونیورسٹی میں اُن کا آخری سال تھا۔ اُس کے بعد کی پلاننگ اس نے اپنے لیے کر رکھی تھی۔ پہلی فرصت میں ایک ہینڈسم سی جاب ڈھونڈ کر اس کے لیے اپلائی کر دینا تھا۔ اُسے جاب کرنے کا،

انڈی پینڈنٹ ہونے کا کریز تھا اور اپنے اس جنون کا اظہار وہ گھر اور یونیورسٹی میں بارہا کر چکی تھی۔

''لو جاب ڈھونڈنے کا کیا مسئلہ ہے۔ ابھی اپلائی کر لو کسی اسکول میں، اکیڈمی......'' فائزہ نے اپنی طرف سے آسان حل پیش کیا لیکن اس نے بات کاٹ دی۔

''یہی تو...... مجھے پانچ پانچ ہزار والی جاب نہیں کرنی...... ایسی جاب چاہیے جو دنوں میں آپ کی شخصیت بدل دے، مجھے نہیں پسند کے میں چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے اپنی والدہ یا بھائی کے آگے ہاتھ پھیلاؤں اور سب سے بڑھ کر شوہر کے آگے...... نو نیور۔''

''میں تمہاری بات سے تھوڑا بہت اتفاق کرتی ہوں۔ مردوں کو تو واقعی ہی اُن کی اوقات میں رکھنا چاہیے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ کچھ مرد اتنے کم ظرف ہوتے ہیں کہ بیوی کی کمائی دیکھ کر اُن کی رال ٹپکنے لگتی ہے۔ فوراً اپنی اصلیت دکھا دیتے ہیں۔ پھر بندہ بلکہ بندی کیا کرے۔'' یہ نعیمہ تھی کم و بیش اپنی سہیلی جیسے خیالات رکھنے والی مگر بعض اوقات اس میں خودسری غالب آجاتی۔

''تو پھر بندی کو یہ کرنا چاہیے کہ شوہر کو ٹھینگا دکھائے، تب بھی اگر بات نہ بنے تو چار جوتے لگا کر سیدھا کر دے۔'' فائزہ، نعیمہ نے بیک وقت قہقہہ لگایا، ہلہ گلہ اور ہنسی ٹھٹھے میں سارا گروپ ماہر تھا۔

''شکر کرو مصطفیٰ اور حسنین نہیں ہیں ورنہ تمہیں بتاتے کہ شوہر کو کیسے سیدھا کرتے ہیں۔'' حرا نے انہیں ڈرانے کی ناکام کوشش کی۔

''ایویں...... بتاتے...... ہم نا انہیں بتا دیتیں کہ......''

''اچھا...... اچھا...... چلو بس کرو...... پروفیسر باجوہ آگئے ہوں گے کلاس میں۔'' وہ انہیں خاموش کراتی۔ اور وہ چاروں ہال کی جانب بڑھ گئیں۔ ابھی بھی وہ اپنی فیوچر پلاننگ کے بارے میں سوچ رہی تھی جب حسنین اور نعیمہ نے اُسے اِس مراقبے سے باہر نکالا۔

''ٹائم دیکھو بی بی! اور تمہیں سردی نہیں لگ رہی۔ بدروحوں کی طرح یہاں بیٹھی ہو۔''

''نا سلام نا دعا...... پہلی بار تو نہیں بیٹھی...... تم لوگوں کا ہی انتظار کر رہی تھی۔'' اُس نے برا مناتے ہوئے جواب دیا۔

''السلام علیکم، وعلیکم السلام! اگر ایک گھنٹے سے ہم لوگ نہیں آرہے تھے اِس کا مطلب ہے کہ کوئی ایمرجنسی ہوگئی ہے، تمہیں کلاس میں آجانا چاہیے پرنا جی۔''

''کیا ہوگیا؟'' وہ حیرت سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''سر اعجاز کو ہارٹ اٹیک آیا ہے سب پروفیسرز اور اسٹوڈنٹس وہیں جمع ہیں۔'' حسنین نے اسے اصل بات بتائی۔

''اوہ...... صبح صبح اتنی بری خبر۔'' وہ منہ پر ہاتھ رکھے ہوئے تھی۔

''اوہو...... ہلکا سا اٹیک ہی ہوا ہے نا کون سا...... اللہ رحم کرے۔'' نعیمہ بات کرتے ہوئے ذرا رکی۔

''اچھا چلو اب......'' وہ تینوں اکنامکس ڈیپارٹمنٹ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ خنک ہوا تیز ہوئی اور درختوں کے پتے تھرتھرا کر شاخوں سے جدا ہونے لگے۔ یہ زنتل ابراہیم کی یونیورسٹی کے آخری سال کے پہلے دن کی شروعات تھی۔

☆......☆......☆

ابھی کچھ دیر پہلے زینب اس سے جو کچھ کہہ کر

گئی تھی اور جو پوچھ لے گئی تھی، اُس نے خبیب ملک کو بالکل پتھر کا بت بنا دیا تھا۔ یہ نا قابلِ یقین تھا۔ وہ دونوں چھ سال سے ایک دوسرے کو صرف جانتے ہی نہیں بلکہ بے حد پسند کرتے تھے۔ مگر اب کیا ہوا تھا؟ وہ تو خبیب کے بارے میں ہر بات شروع سے جانتی تھی۔ وہ کچھ ماہ پہلے انگلینڈ سے شفٹ ہو کر آئی تھی، زینب نے خبیب کو بتایا تھا۔

مانچسٹر ہائی اسکول میں اُس کا پہلا دن تھا جبکہ خبیب اس سے ایک کلاس سینئر تھا اور ان دونوں کی ملاقات کھیل کے میدان میں ہوئی تھی۔ وہ دونوں ٹینس اسٹار بننا چاہتے تھے اور اُن کا یہ مشترکہ شوق آئندہ پانچ سالوں میں انہیں ایک دوسرے کے بے حد قریب لے آیا۔ اتنا کہ اب جب وہ خبیب ملک کو اُس کی اوقات یاد دلا کر گئی تو خبیب کے لیے برداشت کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

''میں معذرت خواہ ہوں خبیب...... تمہارے ساتھ ازدواجی تعلق قائم کرنا میرے لیے ناممکن ہے۔'' وہ اپنی چُنی سی آنکھوں کو اور بھی چھوٹا کر کے بے رحمی سے بولی۔

''تمہیں کیا ہو گیا ہے زینی! ایسا کیسے کر سکتی......''

''اوہ پلیز! میرے سامنے ایکٹنگ کرنے کی ضرورت نہیں اور آئندہ مجھے زینی کہہ کر مت بلانا' زینب عمیر نام ہے میرا۔''

''کیا تم مجھے وجہ بھی نہیں بتا سکتی اِس سب کی؟'' وہ ایک بار پھر بیچارگی سے گویا ہوا۔

''ضرور بتاتی لیکن اس وقت میں جلدی میں ہوں تم مجھے وہ ڈائمنڈ رنگ واپس کرو جو غلطی سے کچھ دن پہلے میں نے تمہیں پہنائی تھی۔'' وہ کاؤچ پر ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھی تھی اور خبیب ملک

ایک لفظ بھی مزید کہنے کی کیفیت میں نہیں تھا۔ وہ اور بھی بہت کچھ کہہ گئی تھی جسے وہ سوچنا نہیں چاہتا تھا لیکن وہ ایسا کرنے پر مجبور تھا۔ وہ اپنے اپارٹمنٹ میں تنہا رہ گیا تھا اس وقت۔

خبیب ملک جس نے ہمیشہ اپنی کمزوری کو اپنی طاقت بنا کر دنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جینا سیکھا تھا۔ جس کی چھٹی حِس ہر وقت چوکنی رہتی تھی۔ وہ بے مثال شخص تھا۔ اس کے ٹیچرز نے ہمیشہ اسے سراہا اس پر رشک کیا تھا۔ جو خصوصاً دنیا کی %15 آبادی کے لیے خوب صورت انسپاریشن تھا۔ وہ زندگی میں پہلی بار سیلف پیٹی (خود ترسی) کا شکار ہو رہا تھا۔ پچیس سالہ خبیب ملک پیدائشی اندھا تھا۔

☆......☆......☆

''کیسا رہا میری بیٹی کا آج کا دن۔'' مسز فردوس نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے پیار سے پوچھا۔

''It Was Not Good'۔
زنجل نے اپنی فائل کو اسٹینڈ پر رکھا۔

''کیوں بیٹا؟''

''میں نے آپ کو بتایا تھا ایک پروفیسر کے بارے میں...... اُن کا انتقال ہو گیا ہے۔''

''اناللہ...... جنہیں ہارٹ اٹیک ہوا تھا پچھلے ہفتے؟''

''جی ہاں...... سب ٹیچرز وہیں جا رہے تھے اس لیے ہم لوگ نکل آئے۔''

''آپ کو کیا ہوا ہے رنگ کیوں سفید ہو رہا ہے۔'' ماں کی بے توجہی پر چونکی۔

''کچھ نہیں بیٹا بس...... بیوی بچے تو ہوں گے اُن کے؟ تم بھی چلی جاتی افسوس کرنے۔''

''جی امی بالکل ہے بیوی بھی اور بچے

بھی...... اب آپ کیوں اتنا پریشان ہو رہی ہیں؟''

''کچھ نہیں بیٹا...... بس ایسے ہی۔'' فردوس نے نظریں جھکا لیں اور وہ جو کھڑی تھی بیڈ پر بیٹھ کر انہیں اپنے ساتھ لگایا جانتی تھی کہ انہیں اپنے شوہر کی یاد آ گئی ہے۔

''ایسے فوراً اپ سیٹ مت ہو جایا کریں۔ اللہ جو بھی کرتا ہے، اچھا ہی کرتا ہے چلیں موڈ ٹھیک کریں اپنا۔'' وہ اب شوز اُتار بیڈ پر ہی چوکڑی مارے بیٹھ گئی۔ فردوس نے محض سر ہلایا۔

''ویسے آپ اتنی جلدی کیوں آ گئیں آج؟''

''آج کل رش ہی بہت ہے بوتیک میں، سیل سیزن ہے نا...... میں تھک گئی تھی سوچا ذرا گھر جا کر آرام کر لوں۔'' وہ دونوں اب کمبل میں گھسی بیٹھی تھیں۔

''بہت اچھا کیا...... بھائی تو ہوں گے وہیں؟''

''ہاں...... بلکہ عزیز بھی آ گیا تھا یونیورسٹی سے ڈائریکٹ وہیں...... اس لیے تو بے فکری سے گھر آ گئی۔''

''ویسے بھی آپ کیوں نہیں 50% آف لگاتیں۔ 15 یا 25% سے کیا بنتا ہے۔'' وہ سویٹر کی پاکٹ سے کاجو نکال کر کھا رہی تھی۔ کچھ مٹھی میں پکڑ کر ماں کے آگے بھی کیے۔

''میں صدقے نہ چلی جاؤں تمہارے یہ 50 اور 70% کی سیل نا کھاڈی اور نشاط وغیرہ کو ہی سوٹ کرتی ہے میرا بجٹ مجھے اجازت نہیں دیتا کہ میں تین یا چار ہزار کے کام والے سوٹ پر سال میں چار مرتبہ اتنا زیادہ آف رکھوں۔''

''یہ بھی ٹھیک ہے...... ویسے ان برانڈز نے سب کو آگے لگا کر رکھا ہوا ہے۔ میں حیران ہوں یہ ملک غریب ہے یا اپنے احساسِ کمتری کو ان برانڈز کے ٹیگ کے نیچے چھپانے کی کوشش کر رہا ہے محض۔'' اس کے لہجے سے تاسف جھلکا تھا۔

''بات تو تمہاری ٹھیک ہے زنجل بیٹا لیکن لوگ بھی کیا کریں...... اس ملک کی فضا میں اتنی ٹینشن گھل چکی ہے کہ لوگ اپنی فرسٹریشن کہیں نہ کہیں نکالنا چاہتے ہیں۔ اب رشتہ داروں سے زیادہ دوستوں میں اٹھنا بیٹھنا عام ہے، لوگ بازاروں اور تفریح گاہوں میں ایسے گھومتے ہیں، ہر ایونٹ پر ایسے رش ہوتا ہے ان جگہوں پر جیسے سب کچھ مفت میں ہو۔ اس کینہ اور نفرت نے انسانوں کو انسانوں سے دور کر دیا ہے۔ جہاں کوئی ملتا بھی ہے تو صرف کسی غرض سے...... اور کچھ نہیں۔'' وہ بیڈ سے اُتر کر اب کچن میں چلی گئیں۔

''دراصل بات یہ ہے کہ بڑھتی ہوئی مہنگائی اور آبادی کے دور میں 'انسان' کم اور 'جانور' زیادہ ہوتے جا رہے ہیں۔ زنجل بھی اُن کے پیچھے کچن میں چلی آئی۔

''جی ہاں اور لوگ مہنگائی سے سمجھوتہ کرنے کو تیار ہیں مگر 'جانوروں' سے نہیں۔'' فردوس نے چولہے پر توا رکھتے ہوئے کہا۔

زنجل نے ایک سرد آہ بھری اور ماں کا ہاتھ بٹانے لگی۔

☆......☆......☆

وہ اپنے ماموں ممانی کے ساتھ گزشتہ گیارہ بارہ سال سے انگلینڈ کے ایک متوسط طبقے کے ٹاؤن میں رہ رہی تھی۔ جب وہ 4 سال کی تھی تب اس کے والدین ایک ٹرین حادثے میں جاں بحق ہوئے تھے۔ اُس وقت بھی وہ اپنے ماموں کے

ساتھ تھی جو اپنی بہن بہنوئی سے ملنے ساہیوال آئے تھے۔ لیکن ماریہ اور عمیر کو اپنے کسی فیملی فرینڈ کی شادی اٹینڈ کرنے کراچی جانا پڑ گیا تو وہ زینب کو منیر ماموں کے پاس چھوڑ گئے تھے اور یقیناً اسی میں بہتری تھی کہ قدرت کو زینب کی زندگی منظور تھی۔

منیر اور حمیمہ کی ایک ہی بیٹی تھی جو زینب سے چار سال چھوٹی تھی سو ایسا ہونے کی نوبت نہیں آئی کہ اپنی اولاد آ جانے پر حمیمہ نے زینب کے لیے سوتیلوں والا رویہ اختیار کر لیا ہو۔ سب کچھ ویسے ہی تھا جیسے لیزا کے آنے سے پہلے تھا۔ ہاں بس یہ ہوا تھا کہ زینب اپنے آپ میں کچھ خودسر، ناز نخرے والی ہوتی جا رہی تھی۔ اور پھر جب وہ انگلینڈ سے شفٹ ہو کر مانچسٹر پہنچی تو اُس کی ملاقات خبیب ملک سے ہوئی تھی۔ وہ دونوں سیکنڈری ایجوکیشن (کالج) میں پہنچ چکے تھے۔ خبیب اس سے ایک سال سینئر تھا جبکہ زینب کا اس ہائی اسکول میں پہلا سال تھا۔ زینب کی ممانی نے مانچسٹر میں سی فوڈ ریسٹورنٹ کی فرنچائز خریدی تھی۔ سو انہیں یہیں شفٹ ہونا پڑا۔

خبیب ملک کو دیکھ کر اس کے بارے میں جان کر، زینب کی ساری خودسری اور ناز و ادا جاتی رہی۔ وہ اس کی مداح ہونے لگی تھی۔ زینب بیڈمنٹن بہت اچھا کھیلتی تھی اور پھر جب ایک کمپیٹیشن میں خبیب ملک اس کے مقابل آیا تو وہ حیرت وخوشی سے کانپ ہی اٹھی۔ اپنی بدحواسی پر قابو پا کر اس نے ہمیشہ کی شاندار پرفارمنس دینے کی کوشش کی تھی مگر مدمقابل خبیب ملک تھا۔ سو وہ ہار گئی۔ لیکن کھیل کے اختتام پر خبیب اُس کی حوصلہ افزائی کرنا نہیں بھولا تھا۔ اور یہیں سے ان دونوں میں دوستی کی کونپل پھوٹی تھی۔ زینب اس

وقت سترہ برس کی تھی اور خبیب ملک انیسویں سال میں داخل ہو رہا تھا۔

وہ یونیورسٹی سے لوٹی تو رقیہ خالہ، اعجاز انکل اور ہانیہ، فضا سمیت آئی ہوئی تھیں اور اس وقت وہ امی کے ساتھ لونگ روم میں کینو کھانے کے ساتھ ساتھ فینسی کپڑوں پر بھی بغور تبصرہ کر رہی تھیں جو امی غالباً زنتل کی الماری سے نکال کر لائی تھیں۔

''باجی آپ کو تو کپڑوں کی ٹینشن نہیں ہو گی سب ڈریسز ہی زبردست ہیں اور فیشن بھی پرانا نہیں ہوا۔''

''ہاں شکر ہے، پچھلے سال موسم سرما میں ہی عباد کی شادی میں پہننے کے لیے بنائے تھے۔ میرے بھی دو جوڑے اَن اسٹچڈ پڑے ہیں۔'' فردوس بیگم کپڑوں کو دوبارہ ہینگر میں لٹکا رہی تھیں۔

''اور سنائیں خالہ، اس بار کافی عرصے بعد دیدار کرایا ہے آپ نے، اب جلدی واپسی کی ضد نہ کیجیے گا۔'' زنتل منہ ہاتھ دھو کر سیدھا لونگ روم میں ہی آ گئی۔

''بس خالہ کی جان ہانیہ کو سردیوں کی اضافی چھٹیاں ملیں تو میں نے سوچا اب چکر لگا ہی لوں۔ اور اب تمہارے انکل بھی ساتھ آئے ہیں تو دو دن سے زیادہ نہیں رُک سکوں گی دوسرا جا کر تھوڑی تیاری بھی تو کرنی ہے شادی کی۔''

''کس کی شادی خالہ۔''

''تمہاری فریحہ پھوپو کے دانیال کی۔'' خالہ کی بجائے امی نے جواب دیا۔ جواباً زنتل کے چہرے پر آنے والے جوش کے تاثرات فطری تھے۔

''اچھا چلو اٹھو یہ سوٹ الماری میں رکھ کر آؤ،

میں بریانی دیکھ لوں ذرا، اور ہانیہ فضا کو بھی بلا لاؤ، شمشاد آنٹی کے گھر سے۔'' فردوس بیگم کچن کی جانب بڑھ گئیں۔

'' انکل کہاں ہیں۔'' زنجل نے فروٹ باسکٹ اُٹھا کر سائیڈ پر رکھی اور کپڑے لے جانے لگی۔

'' قریبی مسجد میں نماز پڑھنے گئے ہیں۔ میں بھی پڑھ ہی لوں نماز، ورنہ پھر سستی پڑ جائے گی۔'' کہتے ہی رقیہ خالہ بھی اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

☆......☆......☆

سرمئی ہوتے آکاش کے عین نیچے جھیل کے کنارے سفید بطخوں کی قطاروں سے سجے ہوئے تھے۔ تیز مگر پُرسکون کر دینے والی ہوا بلاشبہ نعمت خداوندی تھی۔ وہ دونوں قریبی پارک کی بینچ پر بیٹھے تھے۔

''تمہیں پاکستان گئے کتنا عرصہ ہو گیا ہے خبیب؟'' جینز شرٹ پہنے اور کالے بالوں کو ہائی پونی ٹیل میں جکڑے وہ اس کی دائیں جانب بیٹھی تھی۔

'' آٹھ سال اور چھ مہینے آخری بار میں اپنی ماما اور ڈیڈی کے ساتھ گیا تھا، نانی ماں نے بہت روکا تھا ماما کو، لیکن ڈیڈی کی جاب یہاں تھی، سو ہمیں واپس آنا پڑا۔ اور دیکھو جس جاب کے پیچھے ماما اور ڈیڈی نے اپنا ملک چھوڑا، اپنے چاہنے والوں کو چھوڑا، اسی نوکری نے پہلے ڈیڈ کو چھوڑا اور پھر زندگی نے میرے والدین کو ہی پیرنٹس کے معاملے میں ہم دونوں کی قسمت ایک سی ہے زینی۔''

'' جاب کیسے چھوٹی تھی؟'' زینب نے آنسوؤں کو آنکھوں میں ہی رہنے دیا۔

''جس شاپ میں ڈیڈی کام کرتے تھے وہ اور اس کی دوسری برانچ بھی کسی یہودی نے خرید لی تھی اور اس کی شرط تھی کہ اس کے ماتحت تمام Employees اس کے مذہب کے پیروکار ہو جائیں، ڈیڈی کے لیے ظاہر ہے ایسا ناممکن تھا، لہٰذا جاب سے ہاتھ دھونے پڑے، مگر فائدہ پھر بھی کچھ نہ ہوا، اس شخص نے ڈیڈی سمیت دیگر کام کرنے والوں کو بھی مروا دیا اور چند مہینوں بعد ماما بھی اس غم میں چل بسیں۔'' سیال مائع کی ایک باریک لکیر خبیب کے رخسار پر پھیلی۔

'' تو تمہیں لک آفٹر کس نے کیا اتنے عرصے تک؟ تم پاکستان کیوں نہیں گئے؟'' زینب کے لہجے میں حیرت تھی۔

'' کیونکہ مجھے تم سے ملنا تھا۔'' بھیگی آنکھوں سے مسکراتے ہوئے وہ زینب کو دنیا کا شفاف ترین انسان لگا تھا۔ وہ بس اسے خاموشی سے دیکھتی رہی۔

'' دراصل میرے دادا ابو کو جیسے ہی اطلاع ملی وہ یہاں پہنچ گئے، ڈیڈی کی میت کو پاکستان بھی نہ لے جا سکے۔''

دادا ابو اپنے آپ کو بہت تنہا اور بے بس محسوس کرتے رہے۔ ماما کو حوصلہ دیا اور اپنی باقی ساری زندگی یہیں گزارنے کا فیصلہ کر لیا جہاں، اُن کے بیٹے کی خوشبو دفن ہو چکی تھی۔ پھر کچھ عرصے بعد ڈیڈی کے ایک امیر دوست کے توسط سے انہیں ایک گارمنٹس شاپ میں جاب مل گئی۔ دادا بھی اپنے اپنے وقتوں میں کچھ عرصہ لندن رہ چکے تھے۔ سو انہیں ایڈجسٹ کرنے میں مشکل نہیں ہوئی۔ میرے پیرنٹس کے جانے کے بعد گرینڈ پا نے میرا بہت خیال رکھا۔ انہوں نے ایک پل کے لیے بھی خود کو مجھ سے غافل نہیں ہونے دیا۔ وہ اپنے چھوٹے بیٹے اور بیٹی کو اکثر یاد کرتے مگر

میری وجہ سے واپس پاکستان نہ جاسکے، ویسے بھی شاید وہاں انہیں یاد کرنے والا بھی کوئی نہیں ہے، چاچو کو کہاں فرصت اور پھوپو...... انہیں دادا سے کوئی خاص محبت نہیں رہی زندگی بھر...... نہیں جانتا یہ باتیں دادا نے خود کو تسلی دینے کے لیے سوچی تھیں یا مجھے بہلانے کے لیے یا واقعی ایسا ہی تھا۔

لیکن یہ حقیقت ہے کہ میرے گرینڈ پا ہی میرا سب کچھ ہیں۔ وہ بہت باہمت اور مضبوط اعصاب کے مالک ہیں۔ میری مما کے انتقال پر تو وہ بچوں کی طرح رونا چاہتے تھے مگر اپنے سامنے بارہ سالہ بچے کو دیکھ کر فوراً اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور مجھے اپنے سینے سے لگالیا۔

''آہ...... آہ...... ! دیکھو میں نے تمہیں بھی افسردہ کردیا۔ چلو اٹھو لائبریری چلتے ہیں تم نے جو سمجھنا ہے، میں سمجھادوں، پھر مجھے اپنا بھی پڑھنا ہے۔'' ایک سرد سی آہ بھر کر اس نے بات کا رخ بدلا تو زینب بھی چونک کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

گزرے برسوں کی یاد خبیب ملک کو پھر سے کمزور کرنے لگی۔ تین دن سے وہ اسکول بھی نہیں جاسکا تھا اور لیکچر کی تیاری کرتے ہوئے بھی اسے بے چینی ہو رہی تھی مگر اب وہ مزید لاپرواہی بھی نہیں کرسکتا تھا۔ اگر ایسے ہی چلتا رہتا تو اس کی لیکچر کے دوران عدم توجہی کی وجہ سے اس کے اسٹوڈنٹس پرنسپل کو شکایت کرنے میں دیر نہ لگاتے اور پرنسپل شاید اسے جاب سے نکالنے میں، جب سے اس کا ماسٹرز کمپلیٹ ہوا تھا اس نے ڈبل شفٹ پر کام کرنا شروع کردیا تھا۔

رائل اسکول فار بلائینڈ میں تو اس نے بہت پہلے سے ہی جوائن کیا ہوا تھا، پھر اپنے ہی کالج میں اپنے شاندار ریکارڈ کی وجہ سے لیکچرر کی جاب مل گئی تھی۔ سو صبح میں وہ کالج جاتا اور شام کے پانچ گھنٹے اسپیشل اسکول کے بچوں کا نام...... اتنی محنت وہ معاشی تنگی کی وجہ سے نہیں کرتا بلکہ یہ سب کرنا اسے سکون دیتا تھا۔ بینائی سے محروم بچوں کو بصارت کی روشنی دکھانا، اسے اپنے زندہ ہونے کا احساس دلاتا۔ اور اپنی زندگی کے بے فیض نہ ہونے کا احساس اسے خوشی دیتا تھا۔

دادا ابو کمزور ہو رہے تھے۔ گارمنٹس شاپ انہوں نے چھوڑ دی تھی۔ لیکن وہ گھر پر ہاتھ جھاڑ کر بھی نہیں بیٹھ سکتے تھے' انہوں نے ٹاؤن سے قریبی گاؤں میں نرسری جوائن کرلی تھی۔ وہاں کم سہی گزارے لائق اجرت پر کام کرکے بھی وہ خوش رہنے کی کوشش کرتے۔

''دادا ابو آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں میں نے آپ کو منع کیا تھا، خود کو ہلکان مت کریں۔'' وہ اسکول سے واپس آیا تو ایاز صاحب نے اسے اپنی جاب کے متعلق بتایا وہ فریج سے آلو چکن بنانے کے لیے گوشت نکال رہا تھا۔

''جنٹل مین اس عمر میں، میں تمہارے ہاتھوں پلتا اچھا لگوں گا، اور خود تو تم سارا دن باہر گزار دیتے ہو، میں گھر میں کیا اُداس بلبل بن کے بیٹھا رہوں؟'' دادا کے انداز پر خبیب کو ہنسی آگئی۔

''اچھا چلو جلدی سے سالن تیار کرو...... پھر میں بوائل رائس تیار کرتا ہوں...... سنو! پہلے ذرا ٹیلی ویژن کا بٹن آن کردو۔'' وہ سلیب پر سبزی، گوشت رکھنے لگا تو دادا ابو نے آواز دے کر کہا۔

''ٹھیک ہے لیکن پلیز گرینڈ پا...... خود کو ہرگز مت تھکائیے گا۔''

جب خبیب کو کوئی بات منوانی ہوتی تو وہ انہیں گرینڈ پا کہہ کر بلاتا۔

''جو حکم میرے پوتے کا...... تم فکر مت

کرو...... دھیان سے مزیدار سا سالن بناؤ۔'' وہ شرارتی انداز میں بولے۔

ماضی کی پگڈنڈیوں پر چلتا وہ پھر سے حال میں واپس آیا۔ دونوں آنکھیں میچ کر سر کو جھٹکا دیا، پھر آہستگی سے آنکھیں بند کر کے ایک لمبی گہری سانس لی۔ پانچ سیکنڈز بعد آنکھیں کھولیں اور اب وہ خود کو قدرے بہتر محسوس کر رہا تھا۔ اس نے کبھی بھی یہ بات خود پر حاوی نہیں ہونے دی کہ اس کے لیے آنکھیں بند کر کے سوچنا اور آنکھیں کھول کے دنیا کو دیکھنا ایک جیسا ہے۔ فی الحال اسے پانچ منٹ کے لیے ہی سہی مگر دل جمعی سے اپنے لیکچر کو دہرانا تھا۔

☆......☆......☆

''زنتل! تصویریں تو دکھاؤ۔'' حرا اسائنمنٹ والی فائل احتیاط سے گھاس پر رکھ رہی تھی۔

''پہلے تم لوگ مجھے پچھلے دو دن کے تمام لیکچرز دو، اب اتنی ٹینشن ہو رہی ہے مجھے۔'' وہ ان تینوں سے مخاطب تھی۔

''تو ہم نے تمہیں کہا تھا کہ شادی دیکھنے جاؤ اور پھر پورا ہفتہ تم نے چھٹیاں کیں ہیں، آج کے دور میں تو لوگ کہاں دس دس دن کے لیے شادی والے گھر میں رہتے ہیں اپنے گھر سے سیدھا شادی ہال اور بات ختم۔'' نعیمہ باتیں سنانے میں ماہر تھی۔

''ہاں تم صحیح کہہ رہی ہو لیکن پھوپو لوگ بہاولپور رہتے ہیں۔ اب تم بتاؤ کیا ہم لوگ روز آتے جاتے وہاں سے لاہور، اور دوسرا ہم لوگ دو سال بعد گئے ہیں پھوپو کی طرف، اس لیے اگر غیروں کی طرح رہتے تو وہ اعتراض کرتیں۔ سر منور بتا رہے تھے کہ ڈیٹ شیٹ آ گئی ہے۔'' زنتل کتاب کھول رہی تھی۔

''جی ہاں مارچ کے آخر میں ایگزامز ہیں اور پھر ہمارا ریسرچ ورک شروع ہو جائے گا یعنی ہمیں انٹرن شپ کرنی پڑے گی، زنتل تمہاری تو من کی مراد پوری ہونے والی ہے۔'' فائزہ کا اشارہ اس کے جاب والے شوق کی طرف تھا۔

''ہاں لیکن ٹینشن بھی تو ہے نا تھوڑی سی، ہم کیسے کریں گی، علیشبہ لوگوں کا گروپ اچھا رہا انہوں نے سمر ویکیشنز میں ہی کر لی تھی۔''

''تو کوئی نہیں ہم بھی کر لیں گے جیسے باقی سب نے کی ہے۔ اب دکھا رہی ہو تصویریں یا نہیں؟'' حرا کو پھر بے چینی ہوئی۔

''ہاں ہاں دکھاتی ہوں۔'' زنتل نے موبائل نکال کر گیلری کھولی اور پکس سلائیڈ شو پر لگا دیں۔

''تمہاری خالہ نے ایک مہینہ پہلے ہی تم لوگوں کو کارڈ دے دیا جیسے شادی کے سارے انتظامات تم نے ہی تو کرنے تھے۔''

''بکواس نہ کرو، پھوپو نے ہی پہلے بھجوائے تھے ساری چاچی، ماموں کے کارڈز، تو خالہ کے ایڈریس پر کوریئر کروائے ہوں گے، پہنچنے میں بھی تو بعض اوقات ٹائم لگتا ہے۔'' زنتل وضاحت دینے لگی۔

''تمہارا کزن تو اتنا پیارا نہیں، لڑکی زیادہ موڈ لگ رہی ہے۔'' فائزہ ولیمہ کی پک زوم کر رہی تھی۔

''ہاں ایسا ہی ہے لیکن بھئی عباد بھائی کا اپنا بزنس ہے حالانکہ زیادہ پڑھے ہوئے نہیں ہیں اور میری پھوپو بھی بہت اچھی نیچر کی ہے، کھلا ڈلا ماحول ہے اُن کے گھر کا۔''

''تمہاری تصویر کہاں ہے......؟ لو آ گئی......'' حرا ڈھونڈ رہی تھی اور زنتل کی تصویریں بھی مل گئیں۔

"اچھا میری تصویریں بعد میں دیکھ لینا وہ دیکھو مصطفیٰ آرہا ہے اسے مت دکھانا۔" زنبل نے حرا کے ہاتھ سے موبائل لینے کی کوشش کی مگر تب تک مصطفیٰ اُن کے سر پر پہنچ چکا تھا اور اب وہ اسکرین مصطفیٰ کے سامنے کر رہی تھی زنبل کے انتہائی غصیلے تاثرات کی پرواہ کیے بغیر...... اور اس سے پہلے کہ مصطفیٰ ان تصویروں پر کوئی شوخ سا جملہ کہتا۔ زنبل ابراہیم اپنا بیگ پکڑے کھڑی ہوئی تھوڑا سا چل کر حرا اور مصطفیٰ کے قریب آئی۔ موبائل حرا کے ہاتھ سے تقریباً کھینچنے کے انداز میں لیا۔

"آئندہ ایسی حرکت مت کرنا۔" مصطفیٰ کی جانب دیکھے بغیر وہ حرا کو نرم آواز مگر سخت لہجے میں کہتی ہوئی چلی گئی اور مصطفیٰ سمیت وہ تینوں اُسے جاتا دیکھتے رہے۔

☆......☆......☆

علاقے کی بڑی مسجد کے گنبد پر غروب ہوتے سورج کی کرنیں ہلکی ہو رہی تھیں۔ آس پاس کے کھیتوں پر اڑتے پرندے ڈیرہ جمائے ہوئے تھے اور جب چڑیوں یا کوؤں کی ایک قطار مسجد کے گنبد اور ڈھلتے سورج کے عین سامنے سے گزرتی تو منظر انتہائی پُرکیف ہو جاتا...... مشرقی جانب سے ابھرتا بے نور چاند آسمان کے وسط میں آ رہا تھا اور آفتاب کی کرنیں اوڑھنے کو تیار تھا۔

مصطفیٰ لیپ ٹاپ پر اپنے پراجیکٹ کی رپورٹ تیار کر رہا تھا۔ اس کا موبائل بجا۔

"یار رپورٹ بنالو تو مجھے میل کر دینا۔" حسنین کا میسج تھا۔

"او کے" لکھ کر جواب دیا۔ پھر اُس کا دھیان زنبل کی جانب چلا گیا اس دن اُس کا رویہ مصطفیٰ کے لیے نیا نہیں مگر عجیب ضرور تھا۔ وہ اسے دیکھتی تھی مگر نظر انداز کر دیتی تھی۔ وہ اس دن والے واقعے سے بہت ہرٹ ہوا تھا مگر زنبل کی عادت سے بھی واقف تھا، اس لیے اسے زنبل سے ایکسکیوز کی بھی کوئی امید نہیں، اس کے بعد سے گروپ میں کسی نے اس بارے میں بات بھی نہیں کی۔

حسنین تو ویسے ہی چھٹی پر تھا۔ البتہ حرا اور زنبل کے تعلقات میں تھوڑا کھنچاؤ پیدا ہوا تھا۔ اور مصطفیٰ کی بے چینی بدستور قائم تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ زنبل کو اس کے جذبات کی خبر ہے یا نہیں...... لیکن وہ اسے بتانا چاہتا تھا کسی بھی صورت ایسا کس طرح ممکن تھا۔ مصطفیٰ فی الحال نہیں جانتا تھا کیونکہ زنبل ابراہیم ہمیشہ لڑکوں سے ایک فاصلے پر رکھ کر بات کرتی تھی۔ وہ یونیورسٹی میں پڑھ ضرور رہی تھی مگر یونیورسٹی کے ماحول کو اپنی روٹین کا حصہ نہیں بننے دیا تھا۔ وہ شروع سے ہی اپنے بارے میں زیادہ بات نعیمہ اور فائزہ کے ساتھ کرتی تھی، حرا تو بہت بعد میں اُن کے گروپ میں شامل ہوئی تھی۔

"مصطفیٰ!" وہ مزید اپنی سوچوں پر غور و فکر کرتا امی کی آواز نے اُسے چونکا دیا۔

"جی امی!" اس نے لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے قدرے جھنجلائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"بیٹا نیچے آؤ تمہارے ابو بلا رہے ہیں۔"

"اُووف......" آہستہ سے بڑبڑاتا ہوا وہ موبائل اور لیپ ٹاپ اُٹھا کر نیچے چلا گیا۔

"کہاں ہیں ابو؟" وہ صحن میں رکھے تخت پر بیٹھ گیا۔

"نہا رہے ہیں کہہ رہے تھے کہ مصطفیٰ کو بولو دکان پر جائے، تمہارے ابو اپنے دوست کے بیٹے

کی شادی پر جا رہے ہیں۔'' شمیم بیگم جوتے پالش کر رہی تھیں۔

''تو معاذ چلا جائے ویسے بھی الیاس تو ہے نہ دکان پر؟''

''شرم کرو چھوٹے بھائی کو دکان پر کام کروانا ہے اور الیاس کیا گھر کا بندہ ہے جس پر اکتفا کیا جائے...... چائے بنا رہی ہوں پی کر دکان چلے جانا۔''

''لوگ ملازموں سے ہی کام چلاتے ہیں ان پر اعتماد کرنا ہی پڑتا ہے ابو نے بھی تو ایک ہی لڑکا رکھا ہوا ہے، اتنا بڑا اسٹور دو چار آدمیوں کے بغیر تو نہیں چلتا نہ۔'' اس کو اپنے والدین کی کنجوسانہ منطق نہایت بری لگتی تھی۔

''زیادہ بحث نہیں کرو...... تمہارے ابو آئیں گے تو غصہ ہوں گے۔'' شمیم بیگم اُس کی بات کو خاطر میں نہیں لائی تھیں۔ مصطفیٰ بغیر کچھ کہے غصے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''چائے پیتے جاؤ، فضیلت نکال رہی ہے۔''

''معاذ کو پلا دیں چائے وہ چھوٹا ہے۔'' کہہ کر وہ چلا گیا۔

''ہائیں زبان دیکھو ذرا اس کی۔'' امی کا شوز پالش کرتا ہاتھ رُکا۔

''بھائی......! چلے گئے انہیں روکنا تھا امی...... میں نے چیزیں منگوانی تھیں۔'' فضیلت بھاگتی ہوئی کچن سے برآمد ہوئی۔

''ہاں چلا گیا ہے بدتمیز کہیں کا...... تم اپنے بابا کو لسٹ بنا کر دے دو، جاتے ہوئے دکان پر پکڑا دیں گے، چائے لاؤ میرے لیے۔'' شمیم بیگم ہاتھ دھونے واش بیسن کی جانب بڑھیں۔

''ارے یہ سوغات (لیپ ٹاپ) بھی اُٹھا کے کمرے میں رکھ آؤ ورنہ پھر بولے گا آ کر۔''

☆......☆......☆

کمرے میں بیٹھے دو نفوس انتہائی خاموش تھے۔ کاؤچ پر موجود شخص کے پاس بولنے کے لیے بہت کچھ تھا۔ جبکہ ایزی چیئر پر بیٹھے وجود کے لیے الفاظ ہی ختم ہو گئے تھے۔ وہ لڑکی محبت کو فریب کا لبادہ اوڑھا کر نفرت میں بدلنے آئی تھی۔

''کیا تمہارے پاس کوئی اور راستہ نہیں ہے بیٹی۔'' اس شخص کے لہجے میں امید کی آخری کرن تھی۔ جو بجھی تو پھر کچھ اور بھی نہیں بولا گیا اس سے۔

''اگر ہوتا تو اس وقت میں آپ کے سامنے نہ ہوتی۔'' لڑکی کے چہرے پر روشنی کے بجھ جانے کے بعد اندھیرا چھا جانے والے تاثرات ابھرے۔

''ٹھیک ہے تم اب جا سکتی ہو میں اس کے سامنے بالکل انجان ظاہر کروں گا خود کو۔'' پینتالیس منٹ کی خاموشی کے بعد اس شخص کی آواز گونجی تو وہ لڑکی بھی کاؤچ سے اٹھی اور بے تاثر لہجے میں کہتی چلی گئی۔ شکریہ گرینڈپا۔'' بیرونی دروازے تک پہنچتے اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

ایگزامز ختم ہونے کے ہفتے بعد اُن کی انٹرن شپ شروع ہو گئی تھی۔ زنثل کو قریبی پرائیویٹ بینک میں سیٹ مل گئی تھی۔ حرا بھی چاہتی تو اسی بینک کو جوائن کر سکتی تھی مگر مہینہ پہلے والے اختلاف نے کچھ زیادہ ہی گہرائی تک دل میں جگہ لے لی تھی۔

حسنین اور مصطفیٰ نے سمسٹر شروع ہونے سے پہلے ہی تیس دن کی انٹرن شپ پوری کرلی

تھی۔ بہرحال زنتل اور اس کی باقی فرینڈز کے لیے یہ بہت دلچسپ تجربہ تھا۔ کسٹمرز کو ڈیل کرنا، فیس ٹو فیس اور ٹیلیفونک، شروع میں ذرا مسئلہ تھا، لیکن بینک کا عملہ بہت معاون تھا لہٰذا آہستہ آہستہ بہت اچھے طریقے سے انہوں نے سب سیکھ لیا۔ اور اب فائنلی یہ لوگ فائنل سمسٹر میں پہنچ گئی تھیں اور کافی حد تک ریلیکس بھی تھیں۔

''یار تم دونوں نے کیا گروپ میں ٹینشن پھیلائی ہوئی ہے، تھوڑا سا ٹائم رہ گیا ہے ہمارا ایک ساتھ اب ختم کرو یہ ناراضگی۔'' زنتل صبح آکر مخصوص جگہ پر بیٹھی تھی، جب فائزہ اس کے سر پر آکر بولی۔

''میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا...... تم اُسے سمجھاؤ۔'' زنتل کھڑی ہوگئی اور وہ دونوں واک کرنے لگیں۔

''تم خود بھی تو سمجھو، اس کی عادت کا پتہ ہے تمہیں...... اتنی بڑی بات بھی نہیں ہے یہ۔''

''تو اسے بھی میری عادت کا پتہ ہونا چاہیے فائزہ، کیا میرے ہاتھ ٹوٹ گئے تھے، دکھانی ہوتی تو میں خود اُسے دکھا دیتی ساری تصویریں...... ویسے بھی میری طرف سے کوئی ناراضگی نہیں ہے، وہ خود چار میل کا فاصلہ رکھ کر ملتی ہے اب......''

''اُسے کہوں گی تو وہ بھی یہی بولے گی میری طرف سے سب نارمل ہے، زنتل کو سمجھاؤ...... خیر آج آجانے دو اسے بھی...... آر یا پار تم دونوں کو فیصلہ کرنا ہی ہوگا۔'' فائزہ ڈرامائی انداز میں دونوں بازوؤں کے کف چڑھاتے ہوئے بولی۔ زنتل مسکرا اٹھی۔

''تمہارے منگیتر صاحب کب آرہے ہیں پاکستان؟'' زنتل نے اچانک موضوع چینج کیا۔

''ماما بتا رہی تھیں جون یا جولائی کی کوئی تاریخ...... اب دیکھو۔''

''تمہاری بات نہیں ہوتی۔''

''نہیں بھئی میرا دل نہیں کرتا زیادہ منہ لگانے کو۔'' فائزہ بے نیازی سے بولی۔

''اچھا کرتی ہو، ویسے بھی ہمارا M.S.C مکمل ہو جائے گا پھر تمہاری شادی ہو جائے گی تو تمہیں اُس کے پاس ہی جانا ہے۔'' زنتل ہلکے پھلکے انداز میں اسے چھیڑنے لگی۔

☆......☆......☆

''عدنان بیٹا باہر جاؤ گے تو دودھ، بریڈ اور انڈے لے آنا۔'' فردوس بیگم لاؤنج میں بیٹھے عدنان سے مخاطب ہوئیں۔

''جی امی تھوڑی دیر تک نکلتا ہوں۔'' چینل بدلتے ہوئے اُس نے جواب دیا۔ فردوس حساب کتاب والی ڈائری لیے دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔ جہاں زنتل پڑھنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ امی کو آتے دیکھ کر بکس سائیڈ پر کر دیں۔

''اب کون سا نیا بجٹ بنا رہی ہیں۔''

''سوچ رہی ہوں موسم تبدیل ہو رہا ہے تو اب نئی کلیکشن لانی پڑے گی شاپ پر، لیلیٰ کو کہا تھا کہ میرے ساتھ چکر لگا آئے فیکٹری کا...... مگر وہ بھی مصروف ہے پرسوں اس کے ہاں پوتا ہوا ہے کل بھی کافی لیٹ آئی تھی۔'' وہ اس کے سامنے کارپٹ پر بیٹھ گئیں۔

''مبارک ہو، آپ نہیں گئیں دیکھنے؟''

''نہیں کل جاؤں گی۔ تمہاری چچی کا فون آیا تھا وہ لوگ شادی کا کہہ رہے ہیں مجھے تو فی الحال سمجھ نہیں آرہی کہ کیا کروں۔''

فردوس ڈائری سائیڈ پر رکھ کر نئے موضوع پر گفتگو کرنے لگیں۔

''آپ نے کیا کرنا ہے شادی تو عدنان بھائی

کی ہے ان سے بات کریں...... ویسے سال تو ہو گیا ہے، نیلم کی بھی اسٹڈی کمپلیٹ ہو گئی ہے کر دینی چاہیے شادی...... آپ کو بھی بوتیک میں ہیلپ ہو جائے گی۔'' وہ کچھ شرارتی کچھ سنجیدہ پن سے بولی۔

''مجھے ہیلپ کی ضرورت نہیں ہے اتنے لوگ تو ہیں وہاں کام کرنے والے۔''

دراصل زنتل بیٹی میں سوچ رہی تھی اب تمہارے لیے بھی اچھے سے لوگ ڈھونڈتے ساتھ ہی تمہاری شادی بھی کر دوں۔'' فردوس بیگم آہستہ آواز میں کہتے ہوئے بغور اُس کے تاثرات دیکھ رہی تھیں۔

''آپ لوگوں سے میری شادی کروانا چاہ رہی ہیں۔'' وہ ابھی بھی غیر سنجیدہ تھی۔

''زنتل...... دھیان سے میری بات سنو۔''

انہوں نے بالوں میں لگے کیچر کو اُتار کر ہاتھوں سے بال سلجھائے اور جوڑے کی شکل دے کر دوبارہ کیچر لگا لی۔

''امی میں ابھی پڑھ رہی ہوں، ایک دم یہ آپ کیا باتیں لے کر بیٹھ گئی ہیں۔''

''بیٹا یہ باتیں اچانک ہی ہوتی ہیں، حالانکہ ہمیشہ سے ہی انہیں معاشرے میں زیرِ بحث لایا جاتا ہے، پھر جانے کیوں یہ باتیں ایک دم سے ذہنوں میں آتی ہیں، دراصل بچے ایک دم سے بڑے ہو جاتے ہیں۔ ماں باپ کے قد سے بھی اونچے، خاص طور پر بیٹیاں......'' اس کے سنجیدہ ہونے پر فردوس بھی اسے وضاحت دے رہی تھیں۔

''مجھے نہیں پتہ...... ابھی تو آپ بھائی کی شادی کی تیاری کریں۔''

''کیا تمہیں کوئی پسند......'' فردوس کو لگا شاید وہ اُن سے نظریں چرا رہی ہے۔

''امی پلیز...... آپ کو میں ایسی لگتی ہوں؟''

زنتل نے اُن کی بات کاٹ دی۔

''بیٹا میرا یہ مطلب نہیں ہے...... تم اچھی طرح جانتی ہو۔''

''اچھا ٹھیک ہے...... مگر فی الحال مجھے پڑھنے دیں...... میرا اس بارے میں بات کرنے کا کوئی موڈ نہیں ہے۔'' وہ قطعی انداز سے بولی تو فردوس بیگم بھی خاموشی سے اُٹھ کر چلی گئیں۔ اور ان کے جانے کے بعد وہ اپنے رویے پر خود بھی حیران تھی وہ تلخ نہیں ہونا چاہتی تھی مگر نجانے کیوں خود کو روک نہیں پائی...... سر جھٹک کر اس نے اپنا دھیان پڑھائی کی طرف کرنا چاہا۔

☆......☆......☆

اپنی اسٹک کو سنگی بینچ کے کنارے ٹکا کر وہ بینچ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اب تقریباً یہ اُس کی روٹین میں شامل ہو گیا تھا کہ وہ کالج سے واپسی پر کچھ دیر اس پارک میں گزارتا اور پھر کبھی کبھار اپارٹمنٹ کا چکر لگا کر اسکول چلا جاتا...... اس نے گرینڈ پا کو اپنے اور زینب کے بریک اپ کے بارے میں نہیں بتایا تھا، وہ بتا ہی نہیں سکا اور دادا ابو نے بھی نہیں پوچھا تھا حالانکہ تین ماہ گزر چکے تھے۔ اور آج وہ یہی ارادہ کرنے یہاں بیٹھا تھا کہ انہیں اس بارے میں بتا دے لیکن پھر سوچتا کہ جب انہوں نے پوچھا ہی نہیں کبھی تو وہ کیوں اس طرف اُن کی توجہ دلائے۔ جب آخری بار زینب اس کے اپارٹمنٹ آئی تھی تو دادا ابو اپنے دوست کے ہمراہ ایگزیبیشن دیکھنے گئے تھے۔ وہ تمام شام اور رات اُس نے تنہا کاٹی تھی۔ ایاز صاحب کب گھر لوٹے وہ نہیں جان سکا تھا۔ اس دن کے بعد سے بھی انہوں نے اس سے کوئی

تفتیش نہیں کی۔ جو بھی تھا ایک طرح سے سب اچھا ہی تھا۔ ٹھنڈی تازہ ہوا نے اُسے تھوڑا سا ریلیکس کر دیا...... اُس کا ارادہ اب یہیں سے ٹرسٹ جانے کا تھا۔

☆......☆......☆

''فائزہ آج بہت خوش لگ رہی ہے ذرا کوئی اس سے پوچھے اس بیماری کی وجہ۔'' حسنین کی بات پر سب نے بے ساختہ فائزہ کی طرف دیکھا اور فائزہ نے غور سے حسنین کی طرف۔

''خوشی بیماری کب سے ہونے لگی ڈفر۔''

''اگر یہ بیماری ہے تو اتنی جلدی کیسے ختم ہو جاتی ہے'' اس کی بات کو مصطفیٰ نے آگے بڑھایا۔ وہ لوگ سرباجوہ کی انتہائی بورنگ کلاس لینے کے بعد اب کیفے ٹیریا کی طرف جارہے تھے۔

''یہی تو اس بیماری کی خاص بات ہے، یہ نایاب بھی...... ہے اور علاج کی ضرورت سے بالاتر بھی...... یہ آتی اپنی مرضی سے مگر اس کے خاتمے یا بڑھوتری کا انحصار اس بیماری کے Victim پر ہوتا ہے۔''

''مجھے اس وقت تمہاری یہ بکواس فلاسفی سمجھ نہیں آرہی۔'' فائزہ چڑ گئی۔

''تمہیں آئے گی بھی کیسے تمہاری سدھ بدھ کھو چکی محترمہ، تم ابھی اسی Diseasey کے زیر اثر جو ہو۔''

''جاؤ پھر تم اپنی سمجھ اپنے پاس رکھو۔ میں تو اتنی اچھی خبر تم لوگوں کو سنانے جارہی تھی لیکن تم اس قابل ہی نہیں ہو، آؤ زنغل ہم لوگ لائبریری چلتے ہیں۔'' وہ اب باقاعدہ برامان گئی۔

''کیا مسئلہ ہے حسنی نہ تنگ کرو، تم لوگ کہیں نہیں جارہے میں آتا ہوں ابھی۔'' مصطفیٰ چنا چاٹ والے اسٹال کی طرف چلا گیا۔

''حسنین میں تمہاری باتوں سے اتفاق کرتی ہوں، لیکن فی الحال ہمیں وہ ہماری...... میرا مطلب ہے خوشی خبر سننی چاہیے، کیوں گرلز......'' وہ آخر میں نعیمہ اور حرا کی جانب متوجہ ہوئی۔

''اب اُس صاحب کو بھی آنے دو۔'' فائزہ کا اشارہ مصطفیٰ کی طرف تھا جو دونوں ہاتھوں میں چار چنا چاٹ کی پلیٹیں پکڑے اُن کی میز کی جانب آرہا تھا۔

کچھ دیر بعد فائزہ نے اپنے بیگ سے چار چمکتے ہوئے کارڈز نکالے اور ٹیبل پر پھیلا دیے۔

''نیکسٹ ویک صرف نکاح ہے مگر مہندی اور بارات میں تم سب نے آنا ہے اگر کسی نے کوئی بہانہ کیا خاص طور پر بیماری کا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا، بیماری کا لفظ بولتے ہوئے فائزہ نے گھور کر حسنین کی طرف دیکھا تو وہ کھسیانی ہنسی ہنسا۔

''چلو اسی خوشی میں چاٹ میری طرف سے۔ باؤ جی دو پلیٹیں اور لے آؤ۔'' حسنین نے وہیں سے آواز لگائی۔

☆......☆......☆

اگلے دن وہ معمول کے مطابق کالج جانے کی تیاری کر رہا تھا جب ایاز صاحب اس کے لیے ناشتہ لائے۔

''اب نہیں کریں گے بریک فاسٹ۔'' وہ شوز پہن رہا تھا۔

''نہیں میں نے ابھی ایکسر سائز کرنی ہے پھر کرلوں گا ناشتہ۔''

''تو کیا نرسری نہیں جانا آج؟''

''دادا ابو۔'' کوئی جواب نہ پا کر وہ پھر سے گویا ہوا۔

''بیٹا چلو چلتے ہیں۔''

''کہاں؟''

''اپنے ملک واپس چلتے ہیں بیٹا۔'' فورک سے فرائی ایگ کاٹتا ہوا ہاتھ رُکا اور اس کی نظریں میز کی سطح پر جم سی گئیں۔

''میں اپنی زندگی کا آخری حصہ اپنے وطن میں گزارنا چاہتا ہوں بیٹا، میں نہیں چاہتا کہ اچانک میری زندگی کی شام ہو جائے اور مجھے یہیں غیروں کی مٹی میں دفن ہونا پڑے، اپنے ملک، اپنے شہر کی دو گز زمین بھی آخری رہائش گاہ کے لیے نصیب نہ ہو۔'' خبیب اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور ہاتھ بڑھاتے ہوئے دادا ابو کے پاس آ گیا اب اُس کا بایاں ہاتھ ایاز صاحب کے گھٹنے پر تھا وہ دوزانوں ہو کر اُن کے قریب بیٹھ چکا تھا۔

''ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں آپ؟''

''بس بیٹا دل کچھ بوجھل ہے بتاؤ خبیب تم چلو گے۔'' وہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر پوچھ رہے تھے۔

''آپ سنجیدہ ہیں؟''

''کیا تم نہیں چاہتے؟ کیا تم تھک نہیں گئے؟ کس کے انتظار میں ہو خبیب جو چلے گئے ہیں وہ لوٹ کر نہیں آنے والے، تمہارے وطن کا بھی تم پر کچھ حق ہے، یہ بے لوث خدمت تمہیں پاکستان کے معصوم بچوں کے لیے بھی کرنی چاہیے۔'' وہ جواباً کچھ نہیں بولا تھا بس کھڑا ہوا اور اسٹک پکڑ کر باہر نکل گیا۔ ایاز صاحب عجیب سی کشمکش میں تھے کوئی بوجھ سا تھا دل میں...... کسی کی امانت کی حفاظت کرنا بھی کسی آزمائش سے کم نہیں ہوتا۔

☆......☆......☆

''مصطفیٰ اور نعیمہ نہیں آئے۔'' اردگرد نگاہ دوڑاتے ہوئے فائزہ نے پوچھا۔

''نہیں یہ دونوں بارات کے ساتھ بھنگڑے میں شامل ہوں گے۔'' ڈھولکی پر تالیاں بجا بجا کر زنئل اور حرا تھک گئی تھیں سو اسٹیج پر بیٹھی فائزہ کے اطراف بیٹھ گئیں۔ فائزہ کی شادی کے بہانے ان دونوں کے تعلقات بھی پہلے جیسے ہو گئے تھے اس دن فائزہ نے اپنے کہے کے مطابق ان دونوں میں صلح صفائی کروا ہی دی تھی۔

''اچھا ابھی جب باقاعدہ فنکشن اسٹارٹ ہو تو پلیز مجھے مٹھائی نہ کھلانا، پتہ نہیں دلہن پر رحم کیوں نہیں کھایا جاتا، لوگ یہ نہیں سوچتے کے اندھا دھند میٹھا ٹھونسانے سے لڑکی بیچاری کو چاہے متلی ہو جائے، عجیب جاہلانہ رسمیں ہیں یہ۔'' اپنی دوستوں کو سامنے دیکھ کر وہ یہ بھی بھول گئی کہ اس وقت اسے شرمائی ہوئی تو نہیں لیکن کم از کم خاموش رہنے والی دلہن ضرور لگنا چاہیے۔

''اچھا ذرا کم بولو...... اتنا ہی تھا تو مت کرواتی یہ مہندی اور دھوم دھام سے بارات۔'' حرا بولی جبکہ زنئل فائزہ کی بے چارگی پر ہنس رہی تھی۔

''میرے بس میں ہوتا تو میں واقعی ہی مسجد میں نکاح پڑھوا لیتی، اب بھی بڑی مشکل سے مہندی کے ہلکے پھلکے فنکشن پر آمادہ کیا ہے اپنے گھر والوں کو۔ خیر میری طرف سے نعیمہ کو مبارکباد دینا بھانجی کی اور مصطفیٰ کی تو میں خبر لوں گی۔''

''ہاں ضرور...... یہ زنئل تھی...... اُن کی یونیورسٹی ختم ہو چکی تھی اور ایگزامز کے دس دن بعد ہی فائزہ کی شادی تھی۔ لہٰذا فون پر ڈسکس کر کے حرا اور زنئل تو اکٹھا پلان کر کے آ گئی تھیں لیکن نعیمہ کی بہن کے ہاں بیٹی ہوئی تھی اسے وہاں جانا تھا اور حسنین کے بقول مصطفیٰ کو اپنے ابو کے ساتھ کسی ضروری کام پر جانا تھا۔

''زنئل حرا تم دونوں بھی اب شادی کر لو، اس

سے پہلے کہ میرے دو چار بچے ہو جائیں پھر میرے لیے تم لوگوں کی شادی میں شرکت کرنا مشکل ہو جائے گا۔"

"اگر ہم نے تمہیں اپنی شادی میں انوائٹ ہی نہ کرنا ہو تو...... تم کیوں بن بلائی مہمان بن رہی ہو؟" حرا اس کے سر کتے دوپٹے کو صحیح سے ٹکا رہی تھی۔

"ویسے میرے پرپوزلز آرہے ہیں قوی امکان ہے کہ رواں سال میری بات پکی ہو جائے۔" زنتل اپنی ہی رو میں بولی تھی۔

"ویری فنی......" حرا اُس کی بات کو خاطر میں نہ لائی۔

"بی بکس بنی......" زنتل نے بھی دوبدو جواب دیا۔

"بھئی صحیح بتاؤ کب تک ٹھکانے لگ رہی ہو تم؟"

"صحیح تو بتا رہی ہوں اگر کہیں سے اچانک پتہ چل جائے تو مجھ سے شکوہ مت کرنا۔" اور اس سے پہلے کہ فائزہ اس سے مزید تفصیل پوچھتی فائزہ کی امی آ کر لڑکے والوں کی آمد کی خبر سنانے لگیں لہٰذا وہ دونوں اور باقی لڑکیاں اپنی جگہ چھوڑ کر پھولوں کی پلیٹیں پکڑے اُن کے استقبال کے لیے چلی گئیں۔

☆......☆......☆

"امی! میں کچھ سوچ رہی ہوں۔"

"جی فرماؤ۔" فردوس نئے خریدے گئے ڈنر سیٹ کو دوبارہ دیکھ رہی تھیں۔

"میں کچھ دیر جاب کرنا چاہتی ہوں۔" وہ اُٹھ کر برتنوں کو ترتیب سے شوکیس میں لگانے لگی۔

"پاگل مت بنو زنتل، یہ بڑی پلیٹیں سائیڈ پر رکھنا۔"

"امی میں مذاق نہیں کر رہی۔" وہ اُن کے نظر انداز کرنے پر ہلکا سا چڑی۔

"لیکن مجھے یہ ایک مذاق سے کم نہیں لگ رہا۔ تم عزیر کو دیکھو وہ آیا ہے یا نہیں ابھی تک، کھانا نکال دو اس کے لیے۔"

"آپ مجھے ٹال رہی ہیں، اس میں حرج ہی کیا ہے۔"

"تمہارے ذہن میں یہ کیڑا کلبلایا کیسے آخر؟"

"کیا ہو گیا ہے امی کیا میں نے ڈگری چولہے میں جھونکنے کے لیے لی ہے میں گھریلو عورت بن کر نہیں رہ سکتی آپ کو پتہ ہے میری عادت کا۔" وہ زچ ہو رہی تھی۔

"تو کیا ساری دنیا کی لڑکیاں جاب کرنے کے لیے پڑھتی ہیں، سب کو دھکے کھانے کا شوق ہوتا ہے کیا؟ تمہاری مینٹلٹی پر مجھے بہت افسوس ہوا زنتل۔" وہ برتن چھوڑ کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"امی آپ بھی تو کام کر رہی ہیں اور آپ تو طرح طرح کے لوگوں سے روز ملتی ہیں، میں تو صرف کسی کالج میں لیکچرر شپ کا کہہ رہی ہوں، ٹیچنگ کرنا کیا برا ہے؟"

"بات اچھے برے کی نہیں بیٹا، بات حالات کی ہے۔ کیا میری کمائی میں کوئی کمی ہے جو تم اپنی جاب سے پوری کرنا چاہ رہی ہو؟ اور میں اپنے شوق سے یہ کام نہیں کر رہی۔"

"تو ٹھیک ہے نا آپ اب گھر پر آرام کریں، بھائی اور لیلیٰ آنٹی تو ہوتے ہی ہیں شاپ پر، اور رہی بات حالات کی تو میں نے ایسا کب کہا ہے بس میں اپنے اون پر کچھ کرنا چاہتی ہوں آپ سمجھنے کی کوشش کریں امی۔"

''ڈگری کیا اس لیے حاصل کی جاتی ہے صرف۔''

''مجھے سمجھ نہیں آئی آج کل کی لڑکیوں کو اپنی ڈگری کا اس قدر زعم کیوں ہے، انہیں چار جماعتیں زیادہ پڑھتے ہی گھر کی چاردیواری میں کیوں گھٹن محسوس ہونے لگتی ہے۔ تعلیم حاصل کرنے کا مقصد صرف جاب کرنا تو نہیں ہوتا...... کیا تم تعلیم کی اہمیت نہیں جانتی ہو، عورت کی کمائی میں تو بیٹا ویسے ہی برکت نہیں ہوتی۔''

''اچھا تو پھر آپ نے اتنا عرصہ کیوں گھر سے باہر اپنی جان ماری، آپ نے محنت کی تبھی تو اُس کا صلہ ملا یہ خوبصورت گھر، گاڑی اور بینک بیلنس ہمارے پاس آیا۔'' وہ کسی طرح بھی قائل نہیں ہو رہی تھی۔

''تو میرے جان مارنے کا معقول جواز بھی تھا بیٹا...... تم انجان تو نہیں ہو اس سب سے...... تمہارے باپ کے جانے......''

''امی اب پلیز مجھے جذباتی مت کریں۔ میں اتنا عرصہ گھر میں نہیں بیٹھی رہ سکتی۔ سرکاری کالجز میں پندرہ ویکینسیز موجود ہیں میں اپلائی کروں گی۔'' وہ اُن کی بات کاٹتے اپنا فیصلہ سنا رہی تھی۔

''تمہیں کس نے کہا ہے گھر میں بیٹھی رہو، شادی نہیں کرنی کیا تم نے؟''

''پھر وہی بات...... میں نے پہلے بھی کہا تھا امی کہ میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی۔''

''تب تم پڑھ رہی تھی اب اس بات کو دو ماہ ہوگئے ہیں، میں نے سوچا تھا تم ایم فل کے لیے اپلائی کرو گی، لیکن جو تمہارے ارادے ہیں، اتنا پڑھنا ہی کافی ہے تمہارا۔''

''آپ مجھے طعنہ دے رہی ہیں؟''

''زنجل تم پہلے تو اتنی ضدی نہ تھی۔''

''امی آپ نے بھی پہلے کبھی میری کوئی بات یوں نہیں ٹالی۔'' وہ ہر حال میں فردوس کو لاجواب کرنا چاہتی تھی۔

''احساس ہو رہا ہے مجھے اپنی غلطی کا۔''

انہوں نے ذرا کی ذرا کمرے سے باہر دیکھا۔ عزیر تیزی سے دوسرے کمرے میں غائب ہوا تھا۔

''امی......'' وہ ماں کی بات پر حیران تھی۔

''فی الحال جاؤ زنجل یہاں سے۔'' انہوں نے کارٹن اٹھا کر بیڈ کے نیچے رکھا۔ زنجل کمرے سے باہر نکلی تو ساتھ والے کمرے سے عزیر برآمد ہوا وہ جلدی میں دکھتا تھا۔

''عزیر......!''

جلدی کرنے کے باوجود پکڑے جانے پر وہ اپنے آپ پر غصہ ہوا۔

''کیا مصیبت ہے؟''

''کہاں جا رہے ہو کھانا تو کھالو۔'' فردوس بھی کمرے سے باہر آگئیں۔

''میں نے یونیورسٹی سے کھا لیا تھا۔ مجھے دوستوں کے ساتھ ضروری کام ہے ابھی وہیں جا رہا ہوں۔''

''اتنی رومانٹک خوشبو دوستوں میں لگا کر جاتے ہو۔''

''زنجل اسے تنگ کر رہی تھی اور جواباً وہ اسے محض آنکھیں دکھا سکا۔

''کہیں آنے جانے سے پہلے ماں کو بھی خبر کر دیا کرو، اب جلدی آجانا گھر ضروری کام زیادہ لمبا نہ ہو جائے۔'' کہتے ہوئے وہ کچن میں چلی گئیں۔

''امی کو کیا ہوا ہے؟'' وہ حیران لہجے میں زنجل سے پوچھ رہا تھا۔

''بس کام کا پریشر ہے ابھی ذرا نرم ہو جائیں گی لیکن تم بھی جلدی تشریف لے آنا' دو دن سے تم کافی لیٹ آ رہے ہو گھر۔'' وہ دروازے کی چوکھٹ سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔

''اچھا اب تم مت شروع ہو جاؤ۔'' وہ منہ بناتا چلا گیا۔

''بھاڑ میں جاؤ میری طرف سے۔'' وہ بھی غصے سے بڑبڑائی۔

فردوس کی بے حد ناراضگی کے باوجود اس نے جاب اسٹارٹ کردی۔ دوبارہ ٹرائی کرنے پر اسے 17 اسکیل پر کالج میں جاب مل گئی تھی اس دوران عدنان کی بھی شادی ہو گئی کیونکہ اپنی شادی فی الحال کروانے کے لیے کسی طور رضا مند نہیں ہو رہی تھی۔ جانے اسے کس چیز کا انتظار تھا یا محض انڈیپینڈنٹ ہونے کے مزے لوٹنے تھے۔ فردوس بیگم نے بھی اس سے دوبارہ کوئی بحث نہ کی۔ نیلم سے اس کی کافی انڈراسٹینڈنگ تھی۔

فائزہ اپنے شوہر کے ساتھ کینیڈا جانے سے پہلے زنتل وغیرہ سے ملنا چاہتی تھی لہٰذا نعیمہ کو بھی فون کر کے زنتل کے پاس بلوالیا۔

''مبارک ہو بھئی تمہیں اور زنتل تمہیں بھی۔''

''خیر مبارک لیکن مجھے کس بات کی؟''

''تم نے اپنا خواب پورا کر دکھایا تمہاری لگن تھی جو تمہیں فوراً جاب مل گئی۔'' نعیمہ پیٹیز سے انصاف کر رہی تھی۔

''پہلی بار کہاں، دوبارا اتنی محنت کی ٹیسٹ کے لیے پھر انٹرویو میں پروو کرنا پڑا۔ ویسے نعیمہ تمہارا بھی تو ارادہ تھا اپلائی کرنے کا؟''

''ہاں لیکن گھر میں مصروفیت اتنی رہی، امتحان کی تاریخ نکل گئی پتہ نہیں چلا، اگلی مرتبہ صحیح۔''

''تم کب جا رہی ہو فائزہ؟''

''اگلے جمعے کی شام کو، یار حرا کو بھی بلا لیتے، پھر نجانے کب ملاقات ہو، اب بھی تقریباً ڈیڑھ سال بعد مل رہے ہیں۔'' فائزہ نے موبائل پر آنے والا نیا پیغام پڑھ کے فون سائیڈ پر رکھا۔

''میں نے کوشش تو کی تھی لیکن اس سے رابطہ ہی نہیں ہو پایا۔''

''زنتل تم نے تو کہا تھا تمہاری شادی کے کافی چانسز ہیں پھر تم نے کچھ بتایا ہی نہیں۔'' نعیمہ نے آگاہ کیا اور فائزہ کو گزرے دنوں کی بات یاد آئی۔

''وہ تو میں یونہی مذاق کر رہی تھی۔''

''بہت خراب ہو تم میں نے خوامخواہ ہی مصطفی کو پریشان کیا۔''

فائزہ کے انداز پر زنتل چونکی تھی مگر اس سے قبل کے وہ اس سے کچھ پوچھتی فائزہ کے سیل پر کال آنے لگی۔

''اور زنتل تمہاری بھی بات ہوئی حسنین یا مصطفی سے۔''

''یار تصویریں تو دکھاؤ اپنے بھائی کی شادی کی۔'' زنتل کے جواب دینے سے پہلے فائزہ نے فرمائش کی۔

''ہاں میں لاتی ہوں تم بھی ذرا نکال کے رکھو، تنقید و تعریف سننے کے لیے تیار رہنا۔'' زنتل نے لفافے میں پڑی اُس کی شادی کی البمز کی طرف اشارہ کیا۔

''زنتل کل کالج سے چھٹی کر لینا مہمان آ رہے ہیں...... اور میں مزید بحث نہیں چاہتی۔'' فردوس اس کے کوئی اعتراض کرنے سے پہلے اسے تنبیہ کر کے چلی گئیں، اب کی بار اسے بھی خاموشی سے اُن کے فیصلے کو ماننا پڑا۔ وہ لوگ جو

اسے دیکھنے آئے تھے۔ اگلے دو دنوں میں اسے
اپنانے کا عندیہ بھی دے دیا۔ لڑکے سمیت اُس
کے گھر والوں کو جاب کرنے والی لڑکی ہی پسند تھی
اور یہ خیالات جان کر زنتل کو تو بہت خوشی ہوئی،
اس کے خیال میں یہ اُن کی براڈ مائنڈ نیس کا
ثبوت تھا، مگر فردوس بیگم نے انہیں اشاروں
کنایوں میں بتادیا تھا کہ وہ شادی کے بعد جاب
چھوڑ دے گی۔ جس پر فی الحال لڑکے کی والدہ
نے یہ جواب دیا تھا۔

''یہ فیصلہ تو بچے ہی کریں گے، تب کی تب
دیکھی جائے گی۔ باقاعدہ منگنی کی رسم ہوجانے
کے بعد ہفتے میں ایک بار تو لازمی کبھی عمیر کے
والدین، کبھی بھائی بھاوج یا بہن بہنوئی کی آمد
ہوتی تھی۔ اور جب بھی آتے تھے آنے بہانے
سے ڈھیروں ڈھیر تحائف زنتل کے لیے لانا نہیں
بھولتے تھے۔

''زنتل تمہارا شوق پورا نہیں ہوا بیٹا؟'' رات
کے کھانے سے فارغ ہوکر وہ بیڈروم میں تھیں
زنتل اُن کے گھٹنے پر سر رکھے لیٹی تھی اور وہ اس
کے بالوں پر ہولے سے انگلیاں چلارہی تھیں۔

''شوق تو پورا ہوگیا ہے اِن فیکٹ میں اب
ریسٹ کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ تو جیسے ماں کے
پوچھنے کا انتظار کررہی تھی۔

''واقعی......؟''

''جی امی......'' وہ آنکھیں موندرہی تھی۔

''اتنی جلدی تھک گئی، کہیں تم یہ تو نہیں کہنا چاہ
رہی کہ میں تمہاری شادی فائنل کردوں۔'' وہ اس
کے گال پر چٹکی کاٹتے ہوئے چھیڑ رہی تھیں۔

''نجانے کیا بات ہے ایک لمحے کو یہ سب
چھوڑنے کا دل بھی نہیں کرتا، دوسری جانب اتنی
پولیٹکس ہے کہ دل کرتا ہے لعنت بھیج دوں۔'' وہ
سنجیدہ تھی اور اس کے چہرے پر تھکن کے آثار
فردوس بیگم محسوس کررہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا
جیسے چند مہینوں نہیں برسوں سے وہ یہ سب مجبوراً
کررہی ہو۔

''بس طے ہوگیا، تم کل ہی ریزائن دے دو،
میں ڈیٹ فکس کرتی ہوں تمہارے ہونے والے
اِن لاز کو بلاکر۔''

''امی میں شادی کے لیے نہیں کہہ رہی آپ
سے یہ سب۔''

''میں جانتی ہوں میری بیٹی تم نہیں کہہ رہیں
لیکن مجھے تو کہنا چاہیے نہ بہت وقت گزر چکا مجھے
عزیر کے لیے بھی رشتہ دیکھنا ہے، تم اپنے سسرال
جاؤ پھر وہاں سے اچھی اچھی لڑکیاں نظر میں
رکھنا۔'' وہ ماحول میں تناؤ نہیں لانا چاہتی تھیں۔

☆......☆......☆

وہ اپنی الماری کی صفائی کررہی تھی، تہہ لگے
کپڑوں کو اُن کی جگہ پر رکھنے کے بعد اُس نے
اندروالی دراز کا جائزہ لینا شروع کیا تو اُس کی نظر
کالی ویلویٹ کی ڈبیا پر پڑی نا چاہتے ہوئے بھی
وہ اُسے کھول کر دیکھنے پر مجبور ہوگئی۔ سفید ہیرے
کی چمک جوں کی توں تھی، وہ اسے ڈبیا سے
نکالنے والی تھی جب حمیمہ آنٹی اس کے کمرے میں
داخل ہوئیں۔

''زینو! تمہارے ڈیڈی بلا رہے ہیں
بیٹا......!''

''کیوں......؟'' بے ساختہ اس کے لبوں
سے پھسلا۔

''واٹ اِز کیوں؟'' انہیں اُس کے سوال پر
اعتراض ہوا۔

''آپ چلیے میں آتی ہوں کام ختم کرکے۔''

''کام بعد میں ختم کرنا پہلے اُن کی بات سن

لو۔" وہ کہہ کر رکی نہیں تھیں غصہ اور بے بسی زینب کے حواسوں پر سوار ہونے لگے اس نے وہ ڈبیا واپس دراز میں پٹخ دی، الماری کے پٹ بند کیے شیشے کے سامنے کھڑی ہو کر بالوں کو درست کیا اور چہرے پر دونوں ہاتھ پھیرے جیسے کچھ دیر پہلے والے تاثرات کو غائب کر کے خود کو نارمل کیا ہو۔

"خلدون سے بات ہوئی تھی تمہاری۔" لیزا اسکول میں تھی جبکہ حمیمہ اور منیر اس کو گھیرے میں لیے تھے۔

"نہیں۔" نظریں جھکائے اس نے جواب دیا۔

"کیوں؟"

"ڈیڈی کی شاپ پر رش بہت تھا مجھے ٹائم نہیں ملا اُسے فون کرنے کا۔"

"وہ تم سے ملنے ریسٹورنٹ خود آیا تھا، فون کرنے کی بات کہاں سے آ گئی۔"

"مجھے پتہ نہیں چل سکا۔" اس کا دل چاہا وہ جلد از جلد یہاں سے غائب ہو جائے۔

"دیکھو بیٹا، میں کوئی پریشرائز نہیں کر رہا تمہیں، سب تم پر منحصر ہے تم چاہو تو میری بات مان لو ورنہ میں تمہیں تمہاری خالہ کے پاس بھیج دیتا ہوں، وہ کافی عرصے سے تمہیں یاد کر رہی ہیں۔ میری بیٹی خود کو مشکل میں مت ڈالو، حالات کو سمجھو۔" وہ دوسرے صوفے سے اُٹھ کر اُس کے پاس آ کر بیٹھ گئے، اسے پیار سے قائل کرنا چاہیے تھے۔

"ٹھیک ہے ڈیڈی آپ جیسا چاہیں گے ویسا ہی ہوگا۔" وہ اُن کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر بولی۔

"تم میری بہت پیاری بیٹی ہو۔"

"خوش رہو ہمیشہ۔" انہوں نے اسے اپنے

سینے سے لگا لیا۔

''سنو زینو بیٹا وہ۔'' کچھ دیر بعد وہ اُٹھ کر اپنے کمرے میں جانے لگی تو منیر نے اُسے پکارا۔

''جی......'' وہ مڑی تھی۔

''جو انگوٹھی ہے نا تمہارے پاس وہ مجھے دے دینا۔'' انہوں نے نظریں جھکائے کہا اور زینب کو لگا جیسے وہ پتھر کی ہوگئی ہو۔

☆......☆......☆

وہ اپنا ریزگنیشن لیٹر ٹائپ کر رہی تھی جب اس کے موبائل پر بیل ہوئی جو کہ اُس نے اگنور کر دی، اپنا کام مکمل کرنے کے بعد وہ لیٹر ہیڈ کو میل کرنے ہی والی تھی جب فردوس کمرے میں آئیں اور فون سننے کا کہا۔

''تمہارا موبائل آف ہے؟''

''نہیں، آپ لینڈ لائن سے بند کر دیں میں اپنے فون سے کال بیک کر لیتی ہوں۔'' اس نے خوامخواہ نظریں چرائیں۔ کچھ دیر گزرنے کے بعد اُس نے نمبر ری ڈائل کیا اور بات کرنے لگی۔

کال ختم ہونے کے بعد اس نے موبائل سائیڈ پر رکھا چیئر کی پشت سے ٹیک لگا لی، اپنے آپ کو پُرسکون کرتے ہوئے اُس نے لیٹر کے نام سے سیف کیا ہوا وہ ڈاکومنٹ ری سائیکل بن میں ڈال دیا۔

''چلو زنجل شکر ہے تم فارغ ہوئی، اب کل مارکیٹ چلیں گے مجھے کافی شاپنگ کرنی ہے۔''

وہ کالج سے آئی تھی نیلم اس کے لیے کھانا نکال رہی تھی جبکہ فردوس عابدہ سے کپڑے ڈبوں میں رکھوا رہی تھی۔

''شاپنگ پر تو ویسے بھی جا سکتے ہیں، مگر میں جاب نہیں چھوڑ رہی۔'' بے تاثر لہجے میں کہا گیا تھا۔ پانی اور گلاس ٹیبل پر رکھتی نیلم کرسی پر ہی بیٹھ گئی اور فردوس نے چونک کر زنجل کی جانب دیکھا۔

''عابدہ یہ چھوڑ دو ابھی اور روٹیاں پکا لو ذرا کچن میں جا کر۔''

''ہفتہ پہلے تک تو تمہارا خیال کچھ اور تھا۔'' عابدہ کو ہدایت کر کے وہ زنجل سے مخاطب ہوئیں۔

''بس امی وہ میں جلدی میں فیصلہ کر لیتی ہوں آپ کو پتہ تو ہے چار دن ریسٹ کر کے دیکھ لیا ہے میں نے، بہت بوریت ہے گھر میں آج کالج گئی تو پھر سے فریش ہوگئی ہوں۔''

''اس لیے میں تمہیں روک رہی تھی نوکری کرنے سے تنگ کر کے رکھا ہوا ہے تم نے......'' انہیں غصہ آنے لگا تھا۔

''تائی امی......'' نیلم نے اُن کے ہاتھ نرمی سے دبا کر انہیں پُرسکون کرنا چاہا۔

☆......☆......☆

''اپنی شادی پر کب بلا رہی ہو۔''

''کچھ کہہ نہیں سکتی، آ رہے ہیں وہ لوگ دس پندرہ دنوں میں ڈیٹ فائنل کرنے۔'' کافی عرصے بعد دونوں میں رابطہ ہوا تھا۔

''چلو اللہ بہتر کرے گا...... جاب جاری رکھو گی؟''

''ہم م...... فی الحال تو یہی ارادہ ہے بعد کا کچھ پتہ نہیں۔''

''تم بتاؤ کب سے اسٹارٹ کی ہے جاب، تم نے تو ایم فل کرنا تھا پہلے۔''

''ارے میں نے تو ایڈمیشن لے ہی لینا تھا، اگر حسنین سے ملاقات نہ ہوئی ہوتی تو......'' نعیمہ خوشی سے بتا رہی تھی۔

''حسنین کون؟''

''وہی بونگا سا حسنین شیخ، خیر اب تو بڑا اسمارٹ اور گڈلکنگ ہوگیا ہے تم ملو گی تو میں تفصیل بتاؤں گی۔'' وہ تجسس پھیلا رہی تھی۔

''اووہ...... اب تو ملنا ہی پڑے گا، میں لگاؤں گی چکر۔''

''ہاں ضرور، میں انتظار کروں گی۔''

''ٹھیک ہے نعیمہ، اپنا خیال رکھنا اللہ حافظ۔''

زنجل کو اُس کے بینک میں اچھی پوسٹ ملنے پر بے حد خوشی تھی۔

''یہ کیا حرکت کی ہے تم نے؟'' شام کی چائے وہ لوگ آج لاؤنج یا لان کی بجائے فردوس کے کمرے میں پی رہے تھے۔

''تم نے عبیر کے کہنے پر جاب نہ چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور مجھے بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا۔''

''آپ کو کس نے بتایا؟''

''آئی تھیں زرینہ صاحبہ اپنے شوہر کے ساتھ، اگر مجھے پہلے پتہ ہوتا تو میں کب کا عبیر کی طبیعت صاف کر چکی ہوتی، تمہیں شرم آنی چاہیے زنجل۔'' وہ بے حد ناراض تھیں۔

''تو آپ نے کیا کہا اب انہیں۔'' چائے کا کپ اس نے واپس ٹرے میں رکھا۔

''یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔''

''امی میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی، اور ویسے بھی میں خود بھی جاب نہیں چھوڑنا چاہتی، کہا تھا تو میں نے آپ سے مجھے گھر میں فارغ بیٹھنا نہیں پسند۔''

''تمہاری یہی بات مجھے پریشان کرتی ہے۔'' انہیں نجانے کیا خدشے لاحق تھے۔

''امی کیا آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں؟''

''تمہیں کیا لگتا ہے؟'' انہوں نے جواب بھی اسی پر چھوڑ دیا۔

''مجھے سمجھ نہیں آتی اس جاب کو ہر کسی نے اپنی اَنا کا مسئلہ کیوں بنالیا ہے، ساری دنیا نوکری کرتی ہے، پڑھتی بھی ہے، شادیاں بھی ہوتی ہیں سب کی، ہر وقت کی ٹینشن۔'' وہ غصے سے بڑبڑاتی ہوئی پیچھے فردوس بیگم کو حیران پریشان چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلی آئی اور اصل غصہ اب اسے عبیر پر آرہا تھا۔ جسے بتا کر اور جس کے کہنے پر اس دن اپنا فیصلہ زنجل نے تبدیل کیا تھا۔

''تم ریزائن کرنا چاہتی ہو؟'' فون پر ہونے کے باوجود اس کے لہجے کی پریشانی زنجل نے محسوس کی تھی۔

''بس ایسے ہی شاید دو دن کا شوق تھا پورا ہوگیا۔'' اس نے ہلکے پھلکے انداز میں وجہ بیان کی۔

''تم پاگل ہو اتنی اچھی پوسٹ بار بار نہیں ملتی، پھر تمہاری پروموشن بھی ہوسکتی ہے اگر تم مزید پڑھو تو۔''

''لیکن مجھے تو آگے پڑھنا ہی نہیں۔''

''ٹھیک ہے مت پڑھنا لیکن تم ریزائن مت دو، یہ انتہائی احمقانہ فیصلہ ہے، اچھے لائف اسٹائل کے لیے اور لائف اسٹائل کو برقرار رکھنے کے لیے دونوں افراد کا کام کرنا ضروری ہے۔''

''تو آپ لوگوں کا جتنا بڑا بزنس ہے اُس کا کوئی فائدہ نہیں...... وہ کافی ہے میرے خیال میں ایک لائف اسٹائل قائم رکھنے کے لیے۔''

''بالکل ہے لیکن ہر شخص کی اپنی پرسنالٹی ہوتی ہے، اپنی صلاحیت، جیسے ہماری فیملی میں ہر کوئی ویل ایجوکیٹڈ ہے اور اپنے اون پر جی رہا ہے، کوئی کسی کے معاملے میں غیر ضروری مداخلت نہیں کرتا...... سب کی اپنی اپنی مصروفیات ہیں، دراصل ہمارے خاندان میں ہاؤس وائف بہت کم

ہیں۔" زنتل خاموش رہی۔

"تم یہ مت سمجھنا میں تمہارا بوجھ نہیں اٹھا سکوں گا، میں صرف ہمارے گھر کے رہن سہن کے بارے میں بتا رہا ہوں۔"

"بوجھ؟" زنتل کو یہ لفظ انتہائی ناگوار لگا۔

"اوہ سوری میرا مطلب ذمہ داری...... شادی کے بعد آف کورس تم میری ذمہ داری ہوگی اور میں بخوشی تمہارے نخرے اٹھانے کے لیے تیار ہوں۔" وہ بات کو مزاح کا رنگ دینے لگا۔

"سوری، کہنا وہ مطلب نہیں تھا میرا۔" اس کے ایک بار پھر خاموش رہنے پر وہ دوبارہ بولا۔

"اِٹس او کے۔"

"میں تمہیں مجبور نہیں کر رہا جیسے تمہیں مناسب لگے تم وہی کرو۔"

"ٹھیک ہے، اللہ حافظ۔" وہ حال میں واپس آئی اُس کا موبائل بلنک ہوا تھا وہ اس وقت کسی سے بھی کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی فون بیڈ پر پٹخ دیا۔

وہ تیس منٹ سے یہاں بیٹھی تھی، تقریباً ساٹھ برس کی ایک خاتون جو نعیمہ کی والدہ تھی کچھ دیر حال چال پوچھ کر جا چکی تھیں۔ ملازمہ بھی ابھی چائے کے ساتھ دیگر لوازمات رکھ کر چلی گئی۔

"سوری سوری دیر ہوگئی، زیادہ انتظار تو نہیں کرنا پڑا۔"

"نہیں میں بس کچھ دیر گزری، آئی ہوں۔"

وہ مل کر اب صوفے پر بیٹھ چکی تھیں۔

"سچی بہت خوشی ہو رہی ہے تمہیں دیکھ کر۔"

"نعیمہ! تم بہت خوبصورت لگ رہی ہو ماشاء اللہ ایسے لگ رہا ہے جیسے ابھی جانا ہو تم نے بینک۔" جواباً اُس کا قہقہہ برآمد ہوا۔

"اور تم! تم تو خیر پہلے ہی کسی سے کم نہ تھی اس لیے اتنا چینج نہیں آیا، تم نے لے لی اپنی گاڑی؟"

"ہاں سات آٹھ ماہ ہوگئے ہیں۔"

"زبردست اچھی اور پکی نوکری سے وارے نیارے ہو جاتے ہیں، میں نے مہینہ پہلے ہی لی ہے، ابھی کورے سے گزارہ کرلوں گی۔"

"مبارک ہو تم نے تو جلدی جلدی چھلانگیں لگائی ہیں، نیو اپارٹمنٹ، نیو گاڑی اور اتنی اچھی پوسٹ۔" وہ جوس کا گلاس اٹھاتے ہوئے بولی۔

"خیر مبارک...... فائزہ سے بات ہوئی تھی، وہ بھی بہت خوش تھی اور ساتھ ہی اُس کا لیکچر بھی شروع ہوگیا۔

"اپنا خیال رکھنا، لڑکوں سے فاصلے پر رہنا اور اپنے کام سے کام رکھنا وغیرہ وغیرہ...... میں نے کہا اپنے کام سے کام رکھنا چاہو بھی تو نہیں رکھا جاتا، کوئی رکھنے دیتا ہی نہیں۔" نعیمہ لاپرواہی سے بتا رہی تھی۔ اور زنتل اسے یک ٹک دیکھے گئی۔ بالوں کو اسٹریکنگ سے برگنڈی رنگ میں رنگے، گورے ہاتھوں پر کالی نیل پالش، ہائی ہیلز اور برانڈڈ جوڑا پہنے وہ دو سال پہلے والی نعیمہ افضل سے قدرے مختلف لگ رہی تھی۔

"اور پوسٹ کی بات کر رہی ہو، اُس کا بھی تم سے کیا چھپانا، سفارش کے بغیر تو اس ملک میں خالی خولی ٹیلنٹ کی بنیاد پر بندے کا کچھ نہیں ہوتا، میں جہاں پہلے پرائیویٹ بینک میں جاب کرتی تھی، تم جانتی ہو پرائیویٹ ادارے کتنا کام لیتے ہیں ذرا سی غلطی پر Employees کی عزت اس کے ہاتھ میں پکڑا دیتے ہیں۔ میں تو تجربہ حاصل کرنے کے لیے جاب کر رہی تھی۔ ایک مہینے بعد میری ملاقات مصطفیٰ حیدر سے ہوئی وہ بھی میری طرح چھوٹی سی جاب پر تھا۔" مصطفیٰ کے نام پر زنتل کی آنکھوں کی پتلیاں لمحہ بھر کو ساکت ہوئیں

وہ رُکی تھیں لیکن نعیمہ اپنی کہے جارہی تھی اسے بولنے کا بہت شوق ہو گیا تھا شاید۔

''ویسے وہ بھی بڑا ہینڈسم ہو گیا ہے پہلے بھی تھا مگر اب لگتا ہے اسے ہوش آگئی ہے اس سے میں نے ڈسکس کیا کہ جلد از جلد برانچ یا فنانس منیجر جیسی پوسٹ پر پہنچنا چاہتی ہوں، اس نے کہا کہ یہ اتنی جلدی ممکن نہیں ہے، اس عہدے کے لیے تو چار پانچ سال کا ایکسپیرینس بھی چاہیے، مگر میں نے کہا مجھے کسی بھی طرح یہ عہدہ حاصل کرنا ہے کسی بھی طرح......'' وہ رُکی اور جوس کا سپ لیا۔

''پھر؟''

''پھر اُس نے مجھے حسنین سے ملوایا اور پھر میری ترقی ہو گئی۔'' وہ چٹکی بجا کر بولی۔

''وہ کیسے؟''

''اس کے ابا جی جدی پشتی زمیندار ہیں وہ تو پڑھے ہوئے نہیں ہیں مگر اُس کے انکل چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ ہیں بس پھر اُس نے اپنی اور میری سیٹ کا بندوبست کروالیا فنانس منیجر کی پوسٹ پر۔'' نعیمہ چہک رہی تھی۔

''واؤ......'' زنتل متاثر ہوئی تھی۔

''نعیمہ ایک بات سمجھ نہیں آئی۔'' کچھ دیر بعد وہ بولی۔

''کیا؟''

''حسنین نے اپنے انکل سے کہہ کر مصطفیٰ کو جاب کیوں نہیں دلوائی؟''

''ارے تمہیں نہیں پتہ مصطفیٰ کی اپنے گھر میں کوئی نہیں سنتا، اُس کے ابا کا جنرل اسٹور ہے اور وہ چاہتے تھے کہ مصطفیٰ اُن کے ساتھ بیٹھا کرے، لیکن وہ تو ضد میں یہ چھوٹی سی جاب کرنے پر ہی بہت خوش ہے، ورنہ کیا حسنین نے آفر نہیں کی ہوگی اپنے دوست کو۔'' زنتل کو لگا وہ اس سے نظریں چرا گئی ہے۔

''ہم م م......میں بھی سمجھی......باقی سب گھر میں ٹھیک ہے؟'' زنتل نے موضوع چینج کیا۔

''گھر میں ہے ہی کون امی سے مل لیا ہوگا تم نے، ابا فیکٹری گئے ہوئے ہیں اور بھائی ہوتا ہے مگر گھر میں نہیں، دبئی خیریت سے ہی ہوگا، ہمارا زیادہ رابطہ نہیں ہے تم سمجھ سکتی ہو؟'' وہ لاپرواہی سے بتا رہی تھی۔

''عورت مرد کے شانہ بشانہ کھڑے ہونے کے چکر میں اپنا نسوانی وقار کھو بیٹھی ہے اور اسے اندازہ بھی نہیں ہو پاتا اس بات کا، وہ غیر مردوں کے سامنے خود کو ڈٹا ہوا اور باہمت ظاہر کرتی ہے مگر درحقیقت وہ خود کو بے پردہ کر رہی ہوتی ہے۔'' زنتل خاموشی سے اُس کی باتیں سن رہی تھی مگر آخری بات پر اعتراض ہوا۔

''تو کیا جو سب خواتین کام کرتی ہیں وہ غلط ہے، گناہ ہے، جو مجبوری کے تحت گھر سے نکلتی ہیں اُن کا کیا؟''

''میں سب کی بات نہیں کر رہی کیا پورے ملک کی خواتین ضرورتاً جاب کرتی ہیں؟''

''تم جانتی ہو، میں کس کیٹگری کی بات کر رہی ہوں، یہ دنیا عورت کے کندھوں پر سوار ہو کر نہیں چلی کبھی مرد ہی اس دنیا میں حکمران ہے، عورت جتنی مرضی قربانیاں دے، وہ گھر کو بھی سنبھالے، باہر بھی جنگی ہتھیاروں کے بغیر ہر روز ایک جنگ کا سامنا کرے، جو عورتیں مجبور نہیں ہیں پھر وہ کیوں زبردستی یہ ظلم اپنے اوپر کرواتی ہیں، پھر جب مرد اُن کی قدر نہیں کرتے تو مظلوم بن جاتی ہیں، یہ معاشرہ کبھی عورت کا شکر گزار نہیں ہو سکتا چاہے وہ مجبور ہے یا ضدی۔'' نیلم اسے حقیقت کا رخ دکھانا چاہ رہی تھی۔

''وہ لڑکیاں جو گھر کے جہنم سے تنگ کر باہر کی دنیا میں اپنے لیے جنت تلاش کرتی ہیں اُن کی وجہ سے اصل شریف اور ضرورت مند لڑکیوں کی حق تلفی اور بدنامی ہوتی ہے۔''

''آپ نے جو کہنا ہے بھابی مجھے صاف صاف کہہ دیں، یوں اِن ڈائریکٹلی بات مت کریں۔'' زنثل کو ایک بار پھر برا لگا۔

''چندا میں تمہیں کچھ نہیں کہہ رہی جاب کرنا قطعاً کوئی بڑا ایشو نہیں ہے، ہم سب کو تم پر اعتماد ہے، ہم بس یہ چاہتے ہیں کہ تم کسی کے دباؤ میں آ کر نہ کرو یہ سب۔''

''میں کسی کے پریشر میں آ کر نہیں کر رہی، میں تو شروع سے ہی سیلف ڈیپنڈنس کی قائل ہوں، عیر نے تو ویسے ہی مجھ سے بات کی تھی کہ گھر میں سب لڑکیاں لڑکے Workaholics ہیں اُن کے اور کچھ بھی نہیں۔''

''کتنی عجیب بات ہے اگر ایک چھت کے نیچے رہ کر بھی دو افراد نے اپنی اپنی ذمہ داری اٹھانی ہے تو کیا فائدہ ایسے ساتھ کا، خیر ہمیں تمہارے جاب کرنے سے کوئی مسئلہ نہیں لیکن ان باتوں کو خود پر سوار مت کرو، اگر کوئی زبردستی ہے تو بتاؤ تائی امی ابھی بات ختم کر دیں گی۔''

''بھابی یقین کریں کوئی ایسی بات نہیں ہے اور میں وعدہ کرتی ہوں کہ جب مجھے یہ جاب اپنے اعصاب پر سوار ہوتی محسوس ہوئی میں اسی وقت فیصلہ کرلوں گی اسے چھوڑنے کا۔ ابھی تو میں مطمئن ہوں۔''

''ٹھیک ہے زنثل بس تم خوش رہو۔''

☆......☆......☆

وہ بڑی مشکل سے پیپر چیک کر کے انتظار کی کوفت برداشت کر رہی تھی، کچھ دیر بعد نظر پاس پڑے سیل فون پر بھی ڈال لیتی، اور کچھ نہ ہوا تو اس نے اُٹھ کر اپنے لیے ایک عدد چائے کا کپ بنایا اور واپس پیپر چیک کرنے میں منہمک ہوگئی، تھوڑی دیر بعد ہی اس کے موبائل پر کال آئی اور پھر خوشی کی خبر نے اسے نہال کر دیا وہ ایک چاند جیسی پری کی پھوپو بن گئی تھی۔ تھوڑی دیر تک امی نیلم کو اور بے بی گرل کو لے کر آ رہی تھیں امی کے کہنے پر اُس نے عزیر کو فون کیا اور مٹھائی لانے کا کہا۔

مہمانوں کی آمد و رفت سے فارغ ہو کر اس نے رات میں نعیمہ کو کال کی۔

''بہت خوشی کی بات ہے ڈھیروں ڈھیر مبارک میری طرف سے۔''

''شکریہ، خیر مبارک۔''

''آؤں گی میں بھتیجی کو دیکھنے۔''

''ضرور بھئی، میں انتظار کروں گی۔''

''ہاں میں انفارم کر دوں گی، تمہاری بھابی ٹھیک ہیں؟''

''ہم م م...... ابھی چا چو لوگ ہو کر گئے ہیں تو وہ سوئی ہیں۔''

''ٹھیک! بے بی کو میری طرف سے بہت سا پیار دینا۔''

''او کے پھر بات ہوگی۔'' زنثل کال ختم کر کے کچن میں آ گئی جہاں امی مٹھائی کو چھوٹے ڈبوں میں منتقل کروا رہی تھیں۔

''عابدہ ایک چھوٹا ڈبہ تم بھی لے جانا۔''

''باجی ہن میں تو اڈے کولوں اِک جوڑا وی لینا اے نواں (باجی اب میں نے آپ سے ایک نیا جوڑا لینا ہے) فردوس بیگم کی خوشی سے فائدہ اُٹھا کر وہ اور چہک رہی تھی۔

''ہاں توں دو لے لویں (ہاں تم دو لے لینا)

پہلے زنیرہ نوں بھیجاں ای کل، نیلم باجی نوں دبواناں اے تے نالے یاد نال کل دیسی گیو لے کے آویں۔''

(پہلے زنیرہ کو بھیجنا ہے کل نیلم باجی کو دبوانے کے لیے اور یاد سے دیسی گھی لے کر آنا۔)

فردوس جب زیادہ مصروف ہوتیں تو اس سے یوں ہی بات کیا کرتیں۔

''ہاں جی مینوں یاد اے دیسی گیو وی تے تسی پنجیری دا وی آکھیا سی مینوں، میری ماں بناندی اے تے کھا کے ہتھیاں ہڈیاں وچ پہلے تو وی لوشی جان پے جاندی اے۔'' کہنے میں کیا حرج ہے عابدہ نے شاید اسی بات کو ذہن میں رکھ کر آخری بات کہی تھی۔

''چل ٹھیک اے جیڑے پیسے بنن گے فیز مینوں دس دیویں۔''

''ہائے ہائے باجی شرمندہ تے نہ کرو۔ میں کتھے بچی چلی آں۔'' ہاتھوں کے ساتھ ساتھ عابدہ کی زبان بھی بڑی چلتی تھی۔

''اچھا اٹھ تے اے دوڑ بے سامنے والے بنگلے تے پھڑا کے آ۔''

''اچھا جی پھڑا دو۔'' وہ دوپٹہ درست کرتی پھرکی کی طرح گیٹ کی طرف بھاگی۔

''تم سمیٹو اب یہ میں بھی آرام کروں گی۔'' وہ اپنے لیے کباب فرائی کرتی زنتل سے مخاطب ہوئیں۔

☆......☆......☆

''تمہاری بھتیجی بالکل تم پر گئی ہے کیا نام رکھا ہے اُس کا۔''

''فاطمہ......''

''نائس نیم......''

''تھینکس......''

''اچھا مصطفیٰ بھی مبارکباد دے رہا تھا تمہیں۔''

''کس بارے میں؟''

''تم نے کیوں بتایا اسے؟''

''تو اس میں کیا بڑی بات ہے خیر مبارک تو کہہ دو تاکہ میں اسے بتا سکوں۔ خیر بڑی بات یہ ہے کہ وہ تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔''

''کیوں پاگل ہے کیا وہ۔'' زنتل خوامخواہ مسکرائی۔

''وہ نہیں تم پاگل ہو...... وہ اپنے پیرنٹس کو بھیجنا چاہتا ہے میں نے اُسے تمہارا نمبر دے دیا ہے۔'' نعیمہ اس کے دل کی جانے بغیر بولے جا رہی تھی۔

''کیا کہہ رہی ہو نعیمہ اسے بتانا تھا کہ میں کمیٹڈ ہوں تم نے کیوں اُس کی حوصلہ افزائی کی، مجھ سے تو پہلے پوچھ لیتی۔''

''وہ بات ختم ہو چکی ہے تم نے خود ہی تو بتایا تھا۔ تمہیں کیا اعتراض ہے، یونیورسٹی سے وہ تمہیں چاہتا رہا ہے، یو شوڈ اپری شی ایٹ ہم کہ اُس نے ابھی تک تمہارا انتظار کیا۔''

''بات ختم نہیں ہوئی، امی نے انہیں بس ٹالا ہے ابھی...... یہ بہت نامناسب ہے تم اسے منع کر دو۔''

''میں اسے کچھ ایسا نہیں کہوں گی جب اُس کے پیرنٹس آئیں گے تو آنٹی بات کر لیں گی...... اب مجھے اجازت دو۔''

''میں آنٹی اور نیلم بھابی سے مل لوں۔''

''چلو میں تمہیں چھوڑ آتی ہوں۔''

وہ دونوں ایک ساتھ کمرے سے باہر نکلیں تو فردوس بیگم اُن کی طرف ہی آ رہی تھیں۔ زنتل کی جانب کچھ ایسی نظروں سے دیکھا جیسے کوئی چور

پکڑلیا ہوٹنل کو ایسا ہی لگا تبھی نظریں چرا گئی۔

''او کے آنٹی میں فون کر کے آپ کو انفارم کردوں گی۔''

''نعیمہ نے آپ سے بات کی اور مجھے بتایا بھی نہیں آپ نے۔'' وہ ششدر کھڑی فردوس سے جواب طلب کررہی تھی۔

''تو اس نے خود ہی تمہیں ساری بات بتادی، تم اس وقت کچن میں تھی جب ہم بات کررہے تھے۔ بیٹا تم مجھے پہلے بتادیتیں، کیوں چھپایا مجھ سے؟'' فردوس افسوس سے کہہ رہی تھیں اور وہ چاپ چپ اُن کی شکل دیکھے گئی۔

''کیا بتاتی کہ مصطفیٰ نے کبھی بھی کوئی پیش قدمی اُس کی جانب کی ہی نہ تھی، اس نے تو اپنے نسوانی وقار کو قائم رکھنے کے لیے بس اشارتاً بات کی تھی۔ فائزہ کی مہندی پر، تاکہ کہیں اڑتے اڑتے بات اس تک پہنچے اور وہ سیدھے طریقے سے سیدھا راستہ اپنائے مگر اس طرف تو مکمل خاموشی چھائی رہی، پہلے پہل اسے یہ گمان تھا کہ اسے خبر نہیں ہوئی، لیکن اس دن فائزہ نے کہا تو وہ عجیب سی کیفیت سے دوچار ہوئی تھی۔

''بہت خراب ہو تو میں نے خوامخواہ ہی مصطفیٰ کو پریشان کیا۔''

''اب کوئی امید باقی نہ رہی تھی اس کے خیال میں، تبھی امی کے کہنے پر آنے والے رشتے کے لیے رضامند ہوگئی تھی۔ مزید بحث کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ بس یہ ہوا تھا کہ اس نے اپنے جذبات چھپائے اور اس کا بھرم باقی رہ گیا۔ وہ اس کی محبت میں روگی نہیں ہوئی جارہی تھی۔ مصطفیٰ کی بولتی آنکھوں میں اپنے لیے کچھ پیغام محسوس کرکے اُس نے سینکڑوں مرتبہ نظر انداز کرنا چاہا تھا لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی کچھ پیغام خواب بن کر اُس کی آنکھوں میں منتقل ہوگئے۔ اور اب جب کہ وہ ان دو چار خوابوں کی تہہ لگا کر انہیں دل کے کسی کونے میں رکھ چکی تھی تو نعیمہ اور فردوس نے ان تہوں کو کھلوایا، وہ اُن کی سلوٹیں سیدھی کرنا چاہ رہی تھیں۔

''جو مرضی کریں آپ۔'' وہ فقط اتنا کہہ کر چلی گئی۔

☆......☆......☆

زینب عمیر محض چار برس کی تھی جب وہ یتیم ہوئی، جب اسے یتیم ہونے کا مطلب بھی معلوم نہ تھا۔ ایسے بہت ہی برے وقت میں منیر انکل نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھا، اسے سینے سے لگایا حمیمہ نے بے تحاشا پیار کیا، وہ دونوں اسے اپنی اولاد کہتے ہی نہیں سمجھتے بھی تھے۔ منیر، عمیر کے کزن تھے چار سال سے بے اولاد جوڑے کو چار برس کی ننھی پری ملی تو انہوں نے اُسے اللہ کی طرف سے تحفہ جانا۔ انگلینڈ میں اُن کی رہائش اچھی تھی، منیر بیس سال سے یہاں مقیم تھے۔ معاشی تنگی نہیں تھی اولاد کی جو کمی تھی وہ زینب کی آمد سے دور ہوئی۔ زینب نے بہت لاڈ اٹھوائے، آٹھ برس کی عمر تک پہنچتے وہ منیر اور حمیمہ کو اپنا حقیقی سرپرست سمجھ چکی تھی۔ وہ بہترین اسکول جاتی تھی، منیر صاحب کی کوشش ہوتی وہ اسے بہترین سے بھی بہترین طور پر پالیں، انہیں زندگی میں اب کسی چیز کی ضرورت نہ رہی تھی۔ زینب یتیم ہوتے ہوئے بھی یتیمگی والی زندگی گزارنے سے بچ گئی۔ اور وہ تمام عمر یونہی اپنے گھر کی شہزادی بنی رہتی اگر جولیزا اس گھر میں پیدا نہ ہوتی اس کی پیدائش کے بعد منیر اور حمیمہ کو احساس ہوا کہ اپنی اولاد تو اپنی ہی ہوتی ہے۔ بظاہر اُن کے پیار میں کوئی کمی نہ آئی تھی۔ مگر انداز و رویے میں ایک نہ محسوس کی جانے والی

تبدیلی ضرور در آئی تھی۔ جسے بالغ ہوتی زینب محسوس بھی کرنے لگی۔ اُن کی توجہ کا مرکز اب لیزا تھی وہ لیزا سے چڑنے لگی وہ جو خوش تھی کہ اُس کی بہن آ گئی ہے اور وہ دونوں مل کر کھیلا کریں گی، اکٹھے اسکول جایا کریں گی، وہ دونوں ضد کریں گی ایک دوسرے کو منائیں گی کبھی ڈیڈی زینب کا ساتھ دیں گے اور کبھی ممی لیزا کا دفاع کرنے لگیں گی، مگر کچھ اس طرح کا نہ ہوسکا جیسا وہ چاہتی تھی۔

اُن کی عمروں میں چار سال کی دیوار تھی پہلے پہل حمیمہ جو زینب کے یونیفارم سے لے کر شوز تک خود نکالتی تھی اب انہیں ساری فکریں لیزا کی ہونے لگیں تھیں۔ وہ اس کا لنچ بکس واٹر بوتل بیگ وغیرہ تیار کرتی۔

''زینب ڈیئر اپنا لنچ باکس بھی لے آؤ کچن سے بھول مت جانا۔'' وہ لیزا کے بیگ میں بکس آخری بار چیک کرتے ہوئے کہتی اور خاموشی سے کھڑی دیکھتی زینب کچن کا رخ کرتی اور پھر وہ سیلب پر پڑا اپنا کھلا لنچ باکس دیکھتی۔

''اسکول چھوڑنے جاتی تو دونوں کو گال پر پیار کرتی مگر لیزا کے ہاتھ بھی چومتی، جلدی میں شاید وہ زینب کو بھول جاتی تھی۔ زینب حمیمہ کو شروع سے آنٹی کہہ کر بلاتی کرتی بہت کم وہ ممی کہہ دیتی وہ بھی منیر یا حمیمہ کے ٹوکنے پر لیکن لیزا کے آنے پر منیر نے اس پر توجہ دی نہ حمیمہ نے، لیزا زینب کی دیکھا دیکھی حمیمہ کو آنٹی کہتیں۔

''آنٹی نہیں لیزا ڈارلنگ ممی کہو ممی......''

''لیکن اپیا تو آپ کو آنٹی کہتی ہیں۔'' ہوم ورک کرتی لیزا معصومیت سے کہتی۔

''لیکن میں آپ کی ممی ہوں اس لیے ممی کہا کرو مجھے، اپیا کی میں آنٹی ہوں۔'' لیزا کو دیکھ کر مسکرائی۔

زینب کے لب سمٹ گئے تب اسے پہلی بار احساس ہوا کہ اب وہ شہزادی نہیں رہی۔ ان سے دور ہوتے ہوتے وہ خود سر ہوگئی، اس کے اندر لیزا کے لیے نفرت بھرنے لگی تھی وہ اس کے پاس کھیلنے کے لیے آتی تو زینب اسے ٹائم نہیں ہے کہہ کر جھٹک دیتی اور لیزا خاموشی سے ہٹ جاتی مگر لیزا کے لیے یہ نفرت اس کے دل میں زیادہ دیر نہ رہ سکی وہ بہت پیاری تھی، اور سب سے اچھی بات جو اسے لیزا کے قریب لے آئی تھی کہ زینب کے ڈانٹنے پر وہ کبھی بھی آنٹی یا ڈیڈی سے شکایت نہیں کرتی تھی۔

یونہی ایک دفعہ لیزا کے بے حد منتیں کرنے پر بھی زینب نے اسے ڈانٹ کر کھیلنے سے انکار کردیا۔ حمیمہ کچن میں مشین لگا رہی تھیں زینب کو بعد میں احساس ہوا کہ لیزا کہیں اُن سے شکایت نہ لگا دے لیکن کچھ دیر بعد اُس نے کمرے میں آ کر دیکھا وہ خاموشی سے بیڈ پر بیٹھی تھی۔ اُس کی آنکھوں سے ننھے منے آنسو ٹمٹما رہے تھے۔ زینب کا دل پگھلا اس کے پاس جا کر بیٹھی اور اس کے آنسو صاف کیے اُس نے غور سے اسے دیکھا پہلی بار کیونکہ نفرت کی بے ضرری دھول چھٹ گئی تھی۔

''وہ بہت کیوٹ تھی زینب کو دیکھ کر مسکرائی تو اُس کی دائیں گال پر ہلکا سا ڈمپل پڑا وہ اس وقت نو سال کی تھی اور زینب تیرہ سال کی......''

''تم روز میرے ساتھ کھیلنے کی کیوں ضد کرتی ہو؟''

''کیونکہ آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہو، میں آپ کے جیسی بننا چاہتی ہوں اپیا۔'' اور یہ وہ بات تھی جس کے بعد وہ دونوں ہر شام خوب کھیل

کرگزارتیں، زینب نے اسے بیڈمنٹن میں ماہر بنایا، وہ دونوں کبھی الگ الگ نہیں سوئیں۔ وہ واقعی ہی زینب کو بہت کاپی کرتی تھی، اس کے بال کندھوں سے برابر تھے اور زینب کے کمر تک آتے تھے وہ اسکول جاتے ہوئے اسی کا اسٹائل کاپی کرتی۔

اُن کا کوئی خونی رشتہ نہ تھا مگر دیکھنے میں وہ بہنیں ہی لگتی تھیں۔ انگلینڈ سے شفٹ ہونا رسک تھا مگر منیر صاحب یہ رسک لینے کو تیار تھے۔ نئے اسکول میں آجانے کے بعد زینب خبیب ملک سے ملی اُس کا غائبانہ تعارف تو وہ اس کی مقبولیت سے حاصل کر چکی تھی۔ مگر اس سے براہِ راست مل کر وہ ششدر رہ گئی۔ اس سے دوستی کے بعد اس نے ڈیڈی اور آنٹی کے رویے کے بارے میں کڑھنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ جوان سے دور ہو رہی تھی اُن کی ضد میں ہر کام کرتی تھی اب نارمل ہو گئی تھی۔ وہ اب اُن کی ہر بات خوشی سے ماننے لگی۔ مانچسٹر آجانے کے بعد جب اُس کا اسکول ختم ہو گیا تو منیر نے اُس کے سامنے اپنا پلان رکھا، اس کی چوائس کے ریپر میں پیک کر کے۔

"زینو بیٹی! اب تمہیں یونیورسٹی جانا ہے، لیکن میں چاہ رہا تھا کہ تم اپنے پاؤں پر کھڑی ہو، مضبوط بنو، تم چاہو تو اپنی ممی کے ساتھ شام کی شفٹ اٹینڈ کر سکتی ہو ریسٹورنٹ میں...... دیکھو نہ ابھی تو حالات بھی تھوڑے سے نازک ہیں۔ میں چاہتا ہوں میری بیٹی ہر وقت کا مقابلہ بہادری سے کرنا سیکھ لے۔ میں یونیورسٹی کے ایڈمیشن کے لیے فارمز لے آؤں گا۔ اور اگر تمہارا ارادہ نہیں ہے تم صرف پڑھائی پر Concentrate کرو۔"

اور وہ اُن کی باتیں سن کر حیران رہ گئی تھی وہ تو یہ بھی نہیں کہہ سکی کہ اُس نے خبیب کے ساتھ یونیورسٹی Decide کر لی ہے حالانکہ منیر جانتے تھے یونیورسٹی کی پڑھائی بہت مشکل ہے اس کے ساتھ جاب کرنا بے حد مشکل تھا اور حالانکہ اس گھر کے حالات ایسے بھی نہ تھے کہ ہر فرد کا جاب کرنا ضروری ہو۔ مگر وہ کیا چاہتے تھے، زینی کو اچھی طرح اندازہ تھا، سوائے چپ چاپ آگے پڑھنے سے انکار کر دیا جس پر منیر نے محض اتنا کہنا کافی سمجھا۔ جیسے میری بیٹی خوش رہے مگر لیزا کی پڑھائی کا خیال رکھنا ہے تمہیں، وہ بہت انسپائر ہے تم سے۔" وہ خوش ہو کر کہہ رہے تھے۔

اس کے نتیجے میں خبیب کے ساتھ اس کی دوستی میں اور بھی مضبوطی بندھی۔ خبیب ملک اس کی کہانی سے بے خبر نہیں تھا وہ اس رحم دل لڑکی سے محبت کرنے لگا تھا، دادا ابو کو اپنے جذبات سے آگاہ کرنے کے بعد انہوں نے ہی اس کی ہمت بندھائی کہ وہ زینی کو اپنی فیلنگز کے بارے میں بتائے پھر زینی کا ردِعمل حیرت انگیز تھا اور بہت خوش کن بھی...... یہ حیرت کی بات تھی کہ زینب نے ہمت کر کے جب منیر کو خبیب ملک کے بارے میں بتایا تو راضی ہو گئے۔ وہ حقیقتاً بہت خوش ہوئے تھے خبیب ملک اور ایاز صاحب سے مل کر انہوں نے زینی کو گلے سے لگایا، اس کے ماتھے پر بوسہ دیا اُن کی آنکھیں نم تھیں۔ زینب ملک کو احساس ہوا کہ وہ اب تک کتنی منفی سوچ کا شکار رہی۔ ڈیڈی اب بھی اس سے پہلے جتنا ہی پیار کرتے تھے۔

حمیمہ اسے ساتھ لے جا کر اس کی منگنی کا جوڑا لے کر آئی تھیں۔ لیزا تو اپنی اپیا کی پپی لیتے ہی نہیں تھک رہی تھی۔ سب کچھ پھر سے پہلے جیسا ہو گیا تھا۔ وہ خوامخواہ ہی غلط فہمیوں کا شکار رہی تھی

اتنا عرصہ...... ڈیڈی نے سرپرائز ایک ہیرے کی انگوٹھی پسند کی تھی زینب کے لیے...... اور وہ نازک سا ہیرے کا چھلا۔

☆......☆......☆

فاطمہ دو ماہ کی ہو چکی تھی اور زنتل نے اس کے لیے ابھی تک کچھ بھی نہیں خریدا تھا۔ ویک اینڈ پر اس نے امی کو بوتیک سے پک کیا اور وہ لوگ لنک روڈ چلی گئیں۔ اسے کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا، کپڑے، سینکڑوں Toys اور گولڈ کی چیزیں تو فاطمہ کے لیے جمع ہو ہی چکی تھیں۔ بہت تلاش کے بعد رائٹنگ ٹیبل پسند آیا۔ فردوس کے اعتراض کرنے پر بھی اس نے یہی خریدا۔

''تین چار سال بعد ہی سہی مگر اس کے کام تو آئے گا نا انشاء اللہ۔'' وہ کاؤنٹر پر بل پے کر رہی تھی گفٹ پیک کو گاڑی میں رکھوا کر وہ خود بھی فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے لگی تھی جب اسے Dominozz سے نکلتے کپل کو دیکھ کر چونکنا پڑا۔

نعیمہ بھی اسے دیکھ چکی تھی۔ لہٰذا زنتل ہی کی طرف ہی آ گئی۔

''کیا اتفاق ہے؟''

''کیسی ہیں آنٹی آپ؟''

''میں ٹھیک ہوں بیٹا۔''

''زنتل یہ متین صاحب ہیں...... حسنین کے انکل جن کا میں نے تمہیں بتایا تھا اور متین یہ زنتل ہے میری بہت اچھی دوست۔'' نعیمہ کے تعارف کروانے پر متین نامی شخص زنتل کو دیکھ کر مسکرایا۔ جبکہ زنتل بڑی مشکل سے خود کو حیرت سے نکال کر اسے ہیلو کہہ پائی اس کے ذہن میں انکل کا خاکہ عمومی تھا لیکن سامنے کھڑا شخص کسی طور بھی حسنین کا انکل نہیں لگ رہا تھا۔ سوٹ میں ملبوس تیس بتیس برس کا معلوم ہوتا تھا، ہلکی سی شیو، چہرے پر تازگی اور پُرکشش نین نقش...... یہ اتنی حیرت والی بات بھی نہ ہوتی اگر نعیمہ اس شخص کے ساتھ نہ ہوتی۔

''آج جلدی فری ہو گئے تو سوچا باہر لنچ کریں، ہم بھی واپس ہی جا رہے تھے، تم نے کیا شاپنگ کی؟'' زنتل کو گم صم کھڑا دیکھ کر نعیمہ نے بات بڑھائی، فردوس تو گاڑی میں بیٹھ چکی تھیں۔

''کچھ زیادہ نہیں بے بی کے لیے گفٹ لیا ہے۔''

''ڈیئس پریٹی سویٹ میرے دیے گئے کپڑے پسند آئے؟''

''ہاں نہ، سیزن اور سائز کے مطابق ہیں تو وہ ابھی لگا لیے بھابی نے۔''

''ٹھیک ہے مجھے پکس بھیجنا۔''

''ہاں ضرور...... سی یو۔''

''اللہ حافظ۔'' اس کے جانے کے بعد سیاہ عینک آنکھوں پر لگا کر وہ گاڑی میں بیٹھ گئی گھر تک کا سفر خاموشی سے طے ہوا۔

☆......☆......☆

''کتنا عرصہ ہو گیا ہے جاب کرتے ہوئے؟'' شمیم بیگم کی پوسٹ مارٹم اور فضیلت کی اپنے طور پر ایکسرے کرتی ہوئی نظریں فردوس بیگم کو تشویش میں مبتلا کر رہی تھیں۔ نعیم صاحب تو یوں لاتعلق ہو کر بیٹھے تھے جیسے زبردستی لایا گیا ہو۔

''ڈھائی سال......'' فردوس جو جلدی سے اصل سے آدھی مدت بتانے لگی تھیں۔ زنتل کی صاف گوئی پر دانت پیس کر رہ گئیں۔

''ایک سال تو بھائی کو ہوئے ہیں بینک میں لگے آپ ان سے بڑی ہیں؟'' ساتھ آئی لڑکی کا انداز معصومانہ مگر جلا دینے والا تھا۔ مصطفیٰ کے والدین کے تاثرات بھی کم وبیش ایسے ہی تھے۔

''آپ نے اپنے بھائی سے پوچھ لینا تھا نہ۔'' زنتل نے انتہائی ضبط کے ساتھ بظاہر

پُرخلوص مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا، جس سے فضیلت کے مسکراتے لب سکڑے۔

''زنتل جاؤ نیلم کو بھیجو۔'' اسے منظر سے ہٹانے کے لیے یہ بہانہ بہتر تھا۔ اپنے کمرے میں آ کر اسے اپنی آنکھیں نم محسوس ہوئیں۔

''بچی تو بڑی پیاری ہے ماشاء اللہ لیکن ہمارے خاندان میں لڑکیاں جاب نہیں کرتیں۔'' شمیم بیگم کو خاصہ تجربہ تھا اپنی اپنی تلخ بات کو بھی دوسرے تک میٹھے اور تیکھے انداز میں پہنچانے کا۔

''یہ بھی شوقیہ کر رہی ہے بس یونہی وقت گزاری ویسے بھی ٹیچنگ ایک باعزت شعبہ ہے۔'' نیلم نے مسکراتے ہوئے بات کو سنبھالا کیونکہ فردوس تو چپ سی ہو گئی تھیں۔

''اچھا جی اب ہمیں اجازت دیں۔ آپ لوگ ضرور چکر لگائیے گا۔ مصطفیٰ کو تو آپ کی بیٹی دیکھ ہی چکی ہے لیکن آپ لوگوں کی تسلی کے لیے تصویر لائی ہوں...... بچے بھی آج کل کہاں ماں باپ کی سنتے ہیں۔'' وہ پھر عجیب انداز سے مسکرائی تھیں۔

لڑکی کی تو آنکھیں ہی ساتویں آسمان پر ٹنگ گئی تھیں۔ جاتے ہوئے زنتل کو بلایا۔ سر پر تکلفاً پیار دیا بیوی کی دیکھا دیکھی شوہر نامدار کو بھی رسم نبھانی یاد آئی۔ اور بیٹی نے فقط لب ہلانے پر اکتفا کیا۔

''اللہ حافظ۔''

''مجھے تو یہ لوگ بالکل پسند نہیں آئے، کوئی فیملی بیک گراؤنڈ ہی نہیں ہے۔'' عدنان انہیں گیٹ تک چھوڑ کر آنے کے بعد تبصرہ فرما رہا تھا۔ اپنی طرف سے اس نے آہستہ سے ہی کہا تھا مگر اپنے کمرے میں داخل ہوتی زنتل نے جملے کا کچھ حصہ سن ہی لیا تھا۔

''تحمل سے کام لو عدنان، اتنی جلدی فیصلہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہم ایک بار اُن کا گھر بار دیکھ آئیں۔''

''امی...... ان کے طور طریقے عجیب سے ہیں......'' زنتل سے کوئی کچھ نہ کہے وہ اس کی بات کو نظر انداز کر کے بولیں۔

☆......☆......☆

چھ دن گزر چکے تھے مگر ان لوگوں کا ٹیلیفونک جواب نہیں آیا تھا البتہ ساتویں دن مصطفیٰ کی کال اس کے نمبر پر آئی تھی۔

''تم میرے گھر والوں کو بہت پسند آئی ہو۔'' یونیورسٹی میں اس کے سامنے کبھی نہ کچھ بولنے والا شخص آج ذرا سی رعایت پر استحقاق سے کہہ رہا تھا۔

''ہاں وہ تو میں نے اسی دن اندازہ لگا لیا تھا۔''

''تمہارے گھر والے کب آئیں گے؟''

''کیا تم اپنے پیرنٹس کی طرف سے پوچھ رہے ہو۔'' زنتل حتمی فیصلہ کرنے کے موڈ میں تھی۔

''نہیں مگر وہ انتظار کر رہے ہیں تم لوگوں کو اب آنا چاہیے۔''

''لیکن تمہارے والدین میں سے کسی نے ایسا ردِعمل ظاہر نہیں کیا کہ ہمیں آنا چاہیے۔'' مصطفیٰ کو اس کے لہجے میں کاٹ محسوس ہوئی۔

''کیا ہوا ہے زنتل تم خوش نہیں ہو کیا؟'' اس کے چہرے کا معصوم سا تفکر محسوس کر کے زنتل کی آنکھیں جانے کیوں نم ہونے لگیں۔

''یہی تو دکھ ہے کہ کچھ ہوا نہیں، کچھ ہوتا تو بہت کچھ ہو جاتا۔'' وہ اپنا آپ اس کے سامنے کھولنا نہیں چاہتی تھی مگر وہ اپنے آپ کو بے چین سی محسوس کر رہی تھی۔

''مجھے فائزہ نے جب بتایا میں بے بس تھا

اس وقت بے روزگار بھی میرے والدین کبھی نہ مانتے اور پھر نعیمہ سے میری بات ہوئی کچھ عرصہ پہلے، اس نے سب بتایا تھا مجھے لگا شاید قسمت مجھے پھر سے ایک موقع دے رہی ہے اور اسی موقع سے فائدہ اُٹھا کر اپنے پیرنٹس کو بھیجا۔ وہ خوش ہیں اور زنتل میں بھی بہت خوش ہوں۔''

''کیا واقعی ہی تمہارے گھر والے اب مان گئے ہیں۔''

''مطلب؟''

''مصطفیٰ میری والدہ نہیں آئیں گی۔'' اس نے دھما کہ کیا۔

''لیکن کیوں؟''

''وہ نہیں مان رہیں...... '' جھوٹ بولتے ہوئے اُس کی زبان لڑکھڑائی وہ اپنے پاؤں پر کلہاڑا مار رہی تھی۔

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے زنتل...... تم انہیں مناؤ...... کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتیں۔'' مصطفیٰ اُلجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔

''میں نے کب تم سے کبھی ایسا کچھ کہا۔'' اسے اپنی انا بہت عزیز تھی۔

''زبان سے نہ سہی مگر آنکھیں تو کبھی جھوٹ نہیں بولتی نا؟''

''یہی تو بات ہے وہ جھوٹ نہیں بولتیں اور تب ہی تو آسانی سے دھوکہ دے جاتی ہیں۔''

''مصطفیٰ بہتر ہوگا...... تم بھول جاؤ سب...... تمہارے والدین جہاں چاہتے ہیں تم بھی وہیں راضی ہو جاؤ۔'' وہ فون بند کرنے لگی۔

''زنتل...... کیا ہم مل سکتے ہیں ایک بار؟''

''اس سے کیا ہوگا؟''

''کوئی راستہ نکل آئے گا کوشش کرنے۔''

''بے کار میں کوشش کرنا وقت کا ضیاع ہوگا اور عزت کا بھی جب تمہاری میری منزل جدا جدا ہے اور واضح بھی تو راستے ملانے سے کچھ حاصل نہیں مصطفیٰ خوش رہو ہمیشہ۔'' رات کی تاریکی بڑھنے لگی اور اس کے اندر کہیں گھٹن بھی اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی کھول دی۔

''یہ تم نے کیا کر دیا زنتل ابراہیم...... سمجھتی کیا ہو تم خود کو۔'' تیسرے دن ہی نعیمہ کا شکوؤں بھرا فون آیا۔

اس کا بس نہیں چل رہا تھا سامنے آ کر زنتل کا گلا دبا دے۔

''کول...... کول ڈاؤن...... جو مجھے ٹھیک لگا میں نے وہی کیا۔'' اپنے اندر کی جلن کو چھپا کر وہ اسے ٹھنڈا ہونے کا کہہ رہی تھی۔

''تم نے اسے بچوں کی طرح آنٹی کا بہانہ کر کے بہلایا اور تم نے سمجھا وہ بہل بھی گیا ہے تم نے کیوں کیا ایسا؟''

''تم نہیں سمجھو گی نعیمہ...... پلیز یہ باتیں چھوڑ دو۔'' وہ اسے چاہ کر بھی سمجھا نہیں سکی تھی کہ جو کچھ اس نے مصطفیٰ کے گھر والوں کے رویے میں اپنے لیے محسوس کیا تھا مصطفیٰ اس سے کتنی ہی محبت کرتا ہو مگر وہ تو اپنے ماں باپ کے کہے بغیر ایک قدم اٹھانے کی قابل نہیں تھا اور وہ خود جو آج تک اپنی زندگی کے سب ہی فیصلے خود کرتی آئی جن میں کچھ غلط بھی ثابت ہوئے۔ مگر وہ اپنے آپ میں ثابت قدم رہی وہ ایسے شخص کے ساتھ زندگی کیسے گزار سکتی تھی جو اسے چار دن اپنی محبت کے دائرے میں قید رکھ کر پھر عزت دینا بھی بھول جائے۔ ایسے ماحول میں وہ کیونکر پرسکون رہ سکتی تھی جس گھر میں طنز کے تیر چلاتی نظریں اور زبانیں ہمہ وقت اُس کا گھیرا تنگ کیے رکھتیں اور وہ شخص اس کے لیے ڈھال بھی نہ بن سکے۔ علاوہ اس کے جو

بھی ہوا اُسے برا یا اچھا...... مگر وہ یہ آنکھوں دیکھی مکھی نہیں نگل سکتی تھی۔

''ٹھیک کہا۔ تمہاری زندگی ہے میں کون ہوتی ہوں دخل دینے والی۔''

''اب شرمندہ تو نہ کرو۔'' وہ اس بحث کو طول نہیں دینا چاہتی تھی جبھی موضوع اس کی جانب لے آئی۔

''تم بھی اب شادی کرلو...... بہت بنالیا اسٹیٹس۔''

''وہ صاحب، حسنین کے انکل تمہارے ساتھ ہی ہوتے ہیں؟'' نعیمہ کے خاموش رہنے پر وہ پھر سے گویا ہوئی۔

''ہاں انہوں نے خود ہی میرا ٹرانسفر کروایا اس برانچ میں...... ابھی کام یونہی چل رہا ہے مجھے جلدی نہیں شادی کی...... کرنا کیا ہے پھر بچے پالو ساری عمر۔'' وہ اٹھلائی تھی۔

''کام یونہی چل رہا ہے؟'' وہ ناسمجھی سے بولی۔

''ارے اب تم اتنی بنومت...... ابھی وہ بھی تیار نہیں شادی کے لیے۔'' زنجل گم صم ہورہی۔

''ٹھیک پھر بات ہوگی۔'' نعیمہ کی جانب سے فون بند ہوگیا۔

☆......☆......☆

''اپیا یہ ظلم ہورہا ہے میں اندازہ نہیں کرپارہی کہ آپ کا دکھ زیادہ بڑا ہے یا خبیب ملک کا۔'' وہ دونوں زینی کے ٹیرس پر تھیں۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اس کی پشت پر چابک کی طرح پڑ رہے تھے۔

''اس ظلم کا کوئی مسیحا ہے بتاؤ مجھے...... اس ظلم کو ہونے دو، کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں کہ وہ سمجھتا ہے کہ میں بے وفا ہوں، میں اس کی ہمسفر بننے

نکلی تھی مگر وہ مجھے رہزن سمجھ رہا ہوگا۔'' وہ آج کتنے دنوں بعد اپنے زخم بے پردہ کررہی تھی یہ جانتے ہوئے بھی کہ اب اُن کی مرہم پٹی ممکن نہیں۔

''میں یہ سب ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔''

''تم کو دیکھنا پڑے گا...... میری پیاری بہن خود کو ہلکان مت کرو۔ یہ سب طے شدہ ہے میں بغاوت کرکے خود کو غدار اور احسان فراموش نہیں کہلوانا چاہتی۔''

''آپ نے کیوں ہتھیار پھینک دیے ہیں بنا کوشش کیے...... محبت کیا ایسی بے قدری شے ہے کہ کسی کے ذرا سے ٹیز کرنے پر محبت کے لبادہ سے ہی جان چھڑالی۔'' وہ انہیں کسی بھی طرح قائل کرنے کے درپے تھی۔

''ہرگز نہیں محبت تو بڑا نایاب جذبہ ہے بھی کچھ تو میری تقدیر نے مجھ سے چھین لیا نہیں اُس کی پامالی نہ ہوجائے۔''

''آپ کیسی باتیں کررہی ہیں زینی اپیا...... ڈیڈی کو اندازہ نہیں ہے یا وہ جان کر انجان بنے ہوئے ہیں کہ وہ ظالم ہیں۔''

''لیزا......!!!'' وہ اپنا رونا بھول کر لیزا کے الفاظ پر ہنسی تھی۔

☆......☆......☆

''اچھا تو تم یہ گل کھلاتے پھر رہے تھے اتنے عرصے سے رات کو لیٹ آنا اُدھار مانگنا...... شرم آتی ہے عزیر تمہیں کسی کی بہن بیٹی سے یوں افیئر چلاتے ہوئے۔'' وہ اپنی بکس سیٹ کررہی تھی اور عزیر اپنے پیار کی داستان کو منطقی انجام تک پہنچانے کے لیے اس کو سفارشی بنارہا تھا۔

''آپی یوں تو نہ کہیں...... میں آپ کو ایسا لگتا ہوں...... پیپرز سے پہلے میں نے پہلی بار اس سے براہِ راست بات کی تھی۔ وہ بھی اپنے جذبات

بتانے کے لیے اور اس سے اجازت چاہنے کے لیے۔ اس لڑکی کو تو پتہ بھی نہیں تھا پہلے کچھ۔''

''اچھا واقعی اسے کچھ پتہ نہیں تھا تبھی اتنی جلدی اجازت دے دی۔'' زنتل نے چوٹ کی اور وہ کھسیا گیا۔

''ابھی میرا سر مت کھاؤ...... ٹائم دیکھ کر امی سے بات کروں گی۔ لیکن عزیر ابراہیم ہر طرح کے نتائج کے لیے تیار رہنا۔ خود کو روگی بنانے کی ضرورت نہیں۔ چند ماہ کی محبت کے پیچھے اتنی ساری اور مضبوط محبتوں کا مان مت توڑنا۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

''آپی آپ ڈرائیں تو نہ؟'' وہ گھبرا گیا۔

''اگر غور کرو تو میں جنرل بات کر رہی ہوں...... خیر ڈرائنگ روم میں دیکھو کوئی آیا لگتا ہے۔''

اور واپس آکر عزیر نے جس کے آنے کی اطلاع دی اس نے زنتل کو ساکت کر دیا یہ کیسے ممکن تھا۔

''یہ کوئی اچھی بات نہیں، آپ کو کم از کم مجھے اطلاع دے کر آنا چاہیے تھا۔'' وہ ڈرائنگ میں اس کے مقابل بیٹھی تھی۔

''آپ ذرا اپنا فون چیک کریں بیسیوں مرتبہ کال کی گئی ہے۔'' جواباً وہ نظریں جھکا گئی۔

''زنتل میں نے تمہیں ہرٹ کیا میں معافی چاہتا ہوں، آنٹی کو بھی میں وضاحت دے چکا ہوں۔ پچھلے دو ماہ بڑے بے سکون رہے میرے تم شادی کے بعد جیسا بھی لائف اسٹائل اپنانا چاہو گی...... مجھے کوئی اعتراض نہیں پلیز یہ ناراضگی ختم کرو تاکہ میں ممی لوگوں کو بھیج سکوں۔'' عمیر کے لہجے میں کتنی سچائی تھی وہ اندازہ نہیں کر پائی مگر وہ خاموش رہی تھی۔ اگر امی نے اس کی وضاحت قبول کر لی ہے تو اس کا مطلب سب ٹھیک ہے۔

''آپ انتظار کریں میں چائے بھجواتی ہوں۔'' اپنے کمرے میں آکر اس نے موبائل فون چیک کیا تو انجان نمبر سے لاتعداد کالز تھیں اس نے نمبر دوبارہ محفوظ کر لیا۔

بوجھل ہوتے سر کو سہلاتے ہوئے وہ لان میں آگئی۔ یہاں بھی سکون نہ ملا تو چھت پر چلی آئی۔ وہ ڈھیر سارا رونا چاہتی تھی۔ لہٰذا عمیر کو گیٹ سے نکلتے دیکھ کر اس نے رخ موڑا اور آنسوؤں کو لاوے کی طرح پھٹ جانے دیا۔

☆......☆......☆

''میری کولیگ ہے عارفہ، چار سال پہلے اسے طلاق ہوئی، کس قدر مشکل سے اس نے اپنے آپ کو سنبھالا، ایک بیٹا ہے اُس کا وہ گھر میں رہ رہ کر پاگل ہو جاتی اگر اپنے لیے کوئی ایکٹیویٹی نہ ڈھونڈ لیتی۔ وہ کسی غلط راہ پر چل سکتی تھی، مگر اس نے ٹیچنگ اسٹارٹ کر دی، تو کیا وہ بھی برا کر رہی ہے اپنے آپ کو منوانے کی خاطر تو وہ یہ جاب نہیں کر رہی، مجبور ہے، اپنی زندگی کو متوازن طور پر برقرار رکھنے کے لیے کی ہے۔''

''اچھا......! لیکن تمہیں کیا مجبوری ہے؟''

''نعیمہ جس راہ پر چل رہی ہے کس نے اسے ٹریپ کیا ہے جو اندھا دھند بھاگ رہی ہے۔ اس کی والدہ اتنی پریشان ہیں اس کی وجہ سے۔'' فائزہ کی بات نے اسے حیرت زدہ کر دیا۔

''تم کیسے جانتی ہو نعیمہ کے بارے میں۔'' وہ خود ہی سب کچھ بتا دیتی ہے منہ سے نہ بھی بولے اس کا لاپرواہی بھرا انداز بتا گیا تھا۔ زنتل خاموش رہی۔

''پچھلے آٹھ دس برسوں سے ہمارے معاشرے کی ریت کتنی تیزی سے بدل رہی ہے، اب عورتیں کما کر لاتی ہیں اور مرد گھر بیٹھ کر کھاتے ہیں، لڑکیوں کے باہر نکل کر مقابلے کی دوڑ میں

حصہ لینے کی ضد نے اس معاشرے کے مرد حضرات کو نکما کر دیا ہے۔ وہ بہت سی جگہوں پر ان کی حق تلفی بھی کر رہی ہیں۔ اپنی اُس کولیگ سے کبھی پوچھنا، وہ کتنی پُرسکون ہے؟ کیا اسے پلیٹ میں سجی سجائی جاب رکھی مل گئی تھی یا کئی محاذوں پر لڑنے کے بعد وہ یہاں تک پہنچی ہے۔''

کافی دنوں بعد وہ دونوں آن لائن ہوئی تھیں۔ فاطمہ کی پیدائش کا بتانے کے بعد وہ سوشل ایشو پر بات کرنے لگیں تو اختتام اس بات پر ہوا اور زنتل آف لائن ہونے کے بعد عارفہ اور نعیمہ کا موازنہ کرنے لگی۔

عارفہ مکمل پردے میں رہتی تھی اسے بتایا تھا کہ ایک سال تک اس نے بہت دھکے کھائے تھے شروع میں اس نے چار ماہ تک بس ہوسٹس کی جاب کی، جس قدر ذلالت اس نے وہاں سہی تھی بتاتے ہوئے اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے تھے۔ وہ چھوڑ کر اس نے پرائیویٹ کالج میں جاب شروع کی، تنخواہ معقول تھی مگر کام کا سٹریس بہت زیادہ رہتا تھا دوسرا اس کے ہیڈ ڈپارٹمنٹ نے اس سے فلرٹ کرنے کی کوشش کی، عارفہ کی طرف سے منفی رسپانس دیکھ کر اس نے اسے جاب سے نکلوا دیا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ اب گھر میں رہے گی تین سال سعد کی پرورش پر توجہ دے گی مگر ماں باپ کی موجودگی کے باوجود بھائی بھابیوں کے غالب ہوتے احتراز برتتے رویے نے اسے ایک بار جان توڑ کوشش کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے جیسے تیسے کر کے بی ایڈ کا امتحان دیا اور جاب کے لیے اپلائی کر دیا۔ قسمت نے اب کی بار اس کا ساتھ دیا تھا اس کا ٹیسٹ اور انٹرویو کلیئر ہوا اور عارفہ نے دوبارہ جاب اسٹارٹ کر دی۔ یہ ہر طرح سے معقول تھی۔ گھر میں پھیلتے تناؤ میں بھی کمی آئی۔ اب اس کی یہی کوشش تھی کہ وہ کچھ اور سیونگ کر کے ایک پلاٹ خرید لے تاکہ کسی بھی قسم کے حالات میں اسے بے گھر نہ ہونا پڑے۔ وہ بہت کم گو تھی سادہ اور اپنی نوکری کے ساتھ ایماندار دوسری جانب نعیمہ افضل تھی۔

''ہا......'' اس نے لمبی سانس خارج کی وہ اس بارے میں نہیں سوچنا چاہتی تھی۔

☆......☆......☆

''زینت بیٹا وہ جا رہا ہے...... میں اسے لے کر جا رہا ہوں......'' انہوں نے اس کے سر پر پیار دینے کے کچھ لمحوں بعد ایک بلاسٹ کیا۔ وہ نظریں چرائی پھرتی رہی۔

''کچھ کہو بیٹا...... کیا میں غلط کر رہا ہوں...... مجھے بتاؤ اور میں کیا کرتا۔''

''نہیں گرینڈ پا آپ نے بالکل ٹھیک کیا...... یہی ٹھیک ہے میرے لیے اور...... اور اس کے لیے بھی...... ویسے بھی ایک ماہ تک میرا نکاح ہے۔'' وہ ایک بار پھر نظریں چرا گئی۔ ایاز صاحب اسے دیکھتے رہے۔

''کبھی کبھی مجھے لگتا ہے میں اپنے ہی بیٹے کے ساتھ زیادتی کر رہا ہوں۔ اس سے حقیقت چھپا کر...... وہ یہ سب ڈیزرو نہیں کرتا۔''

''آپ مجھے نظرانداز کر رہے ہیں۔ کیا میں یہ سب ڈیزرو کرتی ہوں...... سب کچھ آپ کے سامنے ہی تو ہے۔''

''معاف کرنا بیٹی میرا یہ مطلب نہیں تھا۔''

''نہیں آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں گرینڈ پا...... دراصل میں بھول گئی تھی کہ یتیم تو میں ہوں ہر طرح سے...... وہ تو آپ کا اپنا خون ہے۔ میری پرواہ نہ بھی کی جائے تو کیا فرق پڑ جائے گا۔'' وہ حقیقتاً

دکھی ہوئی تھی اور ایاز صاحب خود کو مجرم محسوس کرتے اندر تک کٹ کے رہ گئے۔

''آپ چاہیں تو اسے سب بتا دیں مگر یہ یاد رکھیں امانت کی حفاظت کرنا ہر جذبے سے اہم ہے۔ یہ راز پتہ چلنے کے بعد نہ تو وہ نارمل رہے گا نہ میں مزید مضبوط ہو پاؤں گی۔ وہ مجھ سے آ کر جواب طلبی کرے گا۔ اور میں کمزور پڑ جاؤں گی پھر اس پل صراط پر کھڑے رہنا میرے لیے اور بھی دوبھر ہو جائے گا...... لیکن پھر بھی...... پھر بھی آپ چاہیں تو بتا سکتے ہیں اسے سب۔'' وہ سپاٹ لہجے میں کہتی وہاں سے غائب ہوئی۔ آسمان نے برسنا شروع کر دیا۔ پارک میں بیٹھے ایاز صاحب نے چھتری کھولی اور اسٹک کا سہارا لے کر دھیمے دھیمے قدم بڑھانے لگے۔

☆......☆......☆

فردوس اپنے بیٹے اور بہو کے ساتھ جا کر عزیر کے کہنے پر مائرہ کے والدین سے مل آئی تھیں۔ عزیر کو تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ امی کو مائرہ اور اس کی فیملی ایک ہی بار میں پسند آ گئی اُن کی طرف سے بھی سب معاملات مثبت انداز میں طے ہو گئے تھے۔ البتہ فردوس بیگم نے منگنی کا شوشہ زنجل کی شادی تک اٹھا چھوڑا۔ زنجل نے کالج سے ڈھیر ساری چھٹیاں لے لی تھیں۔ نعیمہ کو بھی بلایا۔ فائزہ نے ڈھیر سارا پیار اور دعائیں بھیجی تھیں۔ زنجل ابراہیم نے نئی زندگی کی شروعات کر لی تھی۔

اس نے عبیر کو نرم خو اور محبت کرنے والا انسان پایا۔ گھر کے باقی افراد بھی ٹھیک تھے۔ لیے دیے رہنے والے، پورے پاکستان کی سیر کرنے کے بعد اب دوبارہ اپنی روٹین سنبھالنے کی باری تھی۔ عبیر نے تو فوراً آفس جوائن کر لیا جبکہ زنجل کی چھٹیاں ختم ہونے میں ایک ہفتہ تھا ابھی...... اس لیے اس نے گھر کی طرف توجہ دی۔ ابھی اس کے پاس موقع تھا کہ وہ روز کے روز امی سے بھی مل آیا کرے کہ کالج جانے کے بعد تو پھر پلان کے مطابق ہی جایا جا سکتا تھا۔

''جاب چھوڑ دی تم نے؟'' اس دن وہ لاؤنج میں اپنے لیے چائے لے کر بیٹھی تھی جب عاتکہ بھی ڈرائی فروٹ کی ٹرے سجائے ساتھ والے صوفے پر آ بیٹھی۔ زرینہ بیگم سوسائٹی کا چکر لگانے گئی تھیں۔

''نہیں تو منڈے سے جاؤں گی۔'' اس نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

''لیکن میں نے تو یہ سنا تھا کہ تم نوکری نہیں کرو گی شادی کے بعد۔''

''آپ سے کس نے کہا؟''

''امی جی نے بتایا تھا، حیرت ہے...... مجھے تو خوشی ہوئی تھی کہ چلو مجھے نہیں تو نئی بہو کو تو گھر کا سکون نصیب ہوگا۔ لیکن یہ ساس صاحبہ بھی بتاتی کچھ اور ہیں اور کرتی کچھ اور جاتی ہیں...... اچھا ہوتا تم استعفیٰ دے کر اس گھر میں قدم رکھتی...... خیر اللہ مالک۔'' وہ دو چار چلغوزے اٹھاتے ہوئے خود بھی اُٹھ کھڑی ہوئی اور زنجل کو وہیں ہکا بکا چھوڑ گئی۔ شادی کے بعد سے زنجل کی اس سے تیسری یا چوتھی ملاقات تھی۔ وہ اتنی مصروف رہتی تھی۔

وہ کس نوعیت کی جاب کرتی تھی زنجل کو یہ اندازہ نہیں ہو سکا مگر اب یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ وہ اس جاب سے خود کتنی مشکل میں تھی۔ وہ پہلی بار اس سے اس قدر بے تکلفی سے مخاطب ہو کر چلی گئی۔

''نجانے ان باتوں کا کیا مقصد تھا......'' زنجل نے دھیان ٹی وی کی جانب کرنا چاہا۔

اگلے دن آفس جاتے ہوئے عمیر نے اسے امی کی طرف چھوڑ دیا۔ وہاں سب جیسے اسی کے منتظر تھے۔ پھر عزیر کی شادی کے بارے میں بھی پلاننگز کی جارہی تھیں۔ سو اس کا ہونا بھی ضروری تھا۔ اپنے میکے آکر اس کا واپس جانے کو دل نہ کرتا اب بھی ایسا ہی تھا مگر مجبوراً عمیر کو فون کیا اور رات کے کھانے کے بعد وہ لوگ واپس آگئے۔

☆......☆......☆

"خبیب بھائی یہ شادی نہیں ایک بزنس ڈیلنگ ہے۔ ڈیڈی اپنے دوست کے بیٹے کے ہمراہ اپیا کی شادی کر رہے ہیں صرف اپنے ریسٹورنٹ کو تباہ ہونے سے بچانے کے لیے اور کاروبار کو چار چاند لگانے کے لیے۔ انہوں نے آپ کو اس لیے نہیں بتایا کہ آپ کے آنسو اور تکلیف اُن کے فیصلے میں رکاوٹ بنتی، حالانکہ خود وہ ایک رات بھی چین سے نہیں سو پائیں۔" وہ سارے عہد بھلا کر یہاں پہنچی تھی کہ خبیب ملک حقیقت جان کر اس کا کوئی حل نکالے جس سے زینب عمیر بچنا چاہتی تھی۔ خبیب ملک کو سمجھ نہیں آیا کہ کس طرح کا ردِعمل ظاہر کرے محبوب پر بے وفائی کے الزام کو جھوٹا ثابت ہوتا دیکھ کر خوش ہو یا محبت کے پرائے ہو جانے پر نوحہ پڑھے۔

"اب آپ کو اپیا کے پاس جا کر اس حماقت سے روکنا ہے۔ بولیں آپ ایسا کریں گے ناں...... جواب دیں آپ انہیں خود کو یہ سزا دینے سے روکیں گے۔" وہ انہیں بازو سے ہلا ہلا کر جواب لینا چاہ رہی تھی مگر وہ غیر مرئی نقطے پر خاموشی سے دیکھتا رہا۔ اس کے پاس الفاظ نہیں تھے کہ جن سے پہلے وہ اپنی تسلی کراتا یا پھر لیزا کو یقین دلاتا۔

"ٹھیک ہے آپ یہیں بیٹھ کر تماشہ دیکھیں...... اگر محبت کو نبھانے کی ہمت نہیں تو پھر کیوں اناڑی پن سے اس گنگا میں ہاتھ دھونے کی کوشش کی آپ نے۔" وہ اب التجا چھوڑ کر غصے سے مخاطب ہوئی۔

"میں جان چکی کہ مجھے کیا کرنا ہے۔" جس دھماکے سے وہ آئی تھی اس کا آخری پٹاخہ پھوڑ کر وہ چلی گئی۔

☆......☆......☆

اسے امی کی طرف گئے مہینہ ہو چلا تھا حالانکہ ہر روز وہ عہد کرتی تھی اگلی صبح جانے کا مگر کالج سے آکر ٹھیک طرح سے آرام بھی نہ کر پاتی کہ زاس کی نند ثوبیہ آجاتی کبھی فیملی تو کبھی ود آؤٹ فیملی ہر حال میں اسے کمپنی دینا دونوں بھابیوں پر فرض تھا یہ عجیب روایت تھی اس گھر میں...... ایک دن اسے اس قدر غصہ آیا کہ کالج سے آکر فوراً امی کی طرف چلی گئی۔ غلطی اس سے یہ ہوئی کہ اس نے جانے سے پہلے عمیر کو نہیں بتایا اور اس سے بھی بڑی غلطی کہ وہ کالج سے ڈائریکٹ میکے چلی جاتی بجائے گھر آکر دوبارہ باہر جانے کے لیکن وہ فریش ہو کر نہا دھو کر جانا چاہتی تھی۔

"عمیر کیا ہو گیا...... ابھی بتا ہی تو رہی ہوں آپ کو۔" اس نے شام کی چائے کے بعد فون کیا مگر نہیں اٹھایا گیا، آدھے گھنٹے بعد عمیر نے کال بیک کی۔

"یہ بھی نہ بتاتیں...... تمہیں ممی کو بتا دینا چاہیے تھا اور جب تم جانتی ہو کہ ثوبیہ آپی کے آنے کا ٹائم تھا تو تم کیوں بغیر بتائے گھر سے نکل گئیں۔" وہ حیران ہوتی سمجھ گئی کہ یہ آگ گھر والوں کی لگائی ہوئی ہے ورنہ پہلے کبھی عمیر نے اس سے یوں تلخی سے بات نہ کی تھی۔

"کیا ہوا کوئی پریشانی ہے۔" نیلم فاطمہ کو

سلا کر باہر نکلی۔

"نہیں بس صبح کالج بھی جانا ہے...... عبیر بھی آ گئے ہیں نکلتی ہوں میں بھی۔" سامنے چہرے پر چھائی تھکن کو کھر چنا چاہا۔ وہ گھر آئی تو سناٹے نے اُس کا استقبال کیا۔ وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گئی جہاں عبیر بستر پر لیٹا تھا۔

"اب بھی نہ آتیں...... ثوبیہ آپی تو ناراض ہو کر چلی گئیں۔"

"یہ اچھا انصاف ہے آپ کی بہن روز میکے آ جاتی ہے، اُن کے سسرال والے اجازت دیتے ہیں اور میں مہینوں بعد بھی جاؤں تو ہر ایک سے اجازت لے کر جاؤں حالانکہ وہ ایک این جی او کی ممبر ہیں اُن کے پاس پھر بھی ٹائم ہے اتنا۔" زنیل کے یوں جواب دینے سے عبیر لحہ بھر کو چپ رہ گیا۔

"ہر گھر کے اپنے طور طریقے ہوتے ہیں زنیل...... آپی اپنے گھر میں اکیلی ہوتی ہیں۔ ویسے بھی اُن کے ان لاز کو بھی کوئی اعتراض نہیں...... لیکن ہماری فیملی میں پسند نہیں کیا جاتا...... لڑکی کا میکے جانا۔"

"کیا......؟" وہ چیخ ہی تو پڑی۔

"پھر ہم بھی علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ یہ طور طریقے شادی کرنے سے پہلے بتا دیتے۔ دھوکہ دینا بھی شاید آپ لوگوں کے طور طریقوں میں ہی شامل ہے۔"

"اب تم بحث کر رہی ہو...... وہ بڑی ہیں، انہیں کافی قربانیوں کے بعد یہ آزادی ملی ہے کیا وہ اب اپنے بچوں کو لے کر چند گھنٹوں کے لیے یہ تفریح نہیں کر سکتی۔"

"عبیر......! میں نے اُن کے آنے پر اعتراض نہیں کیا وہ جب چاہے آئیں اور خواہ وہ اِدھر ہی رہیں لیکن میرے آنے جانے پر کیوں پابندی لگائی جا رہی ہے۔ اُن کو کمپنی دینے کی غرض سے میں کیوں اپنی روٹین خراب کروں۔ جب یہ اُن کا اپنا گھر ہے تو انہیں ہر روز کیوں غیروں کی طرح پروٹوکول کی ضرورت پڑتی ہے۔" وہ الماری کھول کر کپڑے نکالنے لگی کل کے لیے۔

"آئندہ تم اُن کی موجودگی میں یا اُن کے آنے کے وقت پر اپنے میکے نہیں جاؤ گی۔ یہ ممی کا آرڈر ہے۔ لائٹ بند کرو۔ وہ غصہ ضبط کرتی رہ گئی۔

☆......☆......☆

"دادا ابو آخری نظر دیکھ لیں کچھ رہ تو نہیں گیا......" وہ بیگز گنتا ان سے پوچھ رہا تھا۔

"بظاہر دیکھوں تو کچھ بھی نہیں مگر دل میں کہیں کوئی ادھورا پن ہے۔ تم غور کرو خبیب۔" وہ جانے کیا کہنا چاہ رہے تھے۔ خبیب رخ موڑ گیا۔ اور پھر جب وہ دونوں اپارٹمنٹ سے باہر نکلے تو ایاز صاحب نے ایک ناقابل یقین منظر دیکھا۔

"خبیب بیٹا......" وہ مخاطب اسے کر رہے تھے مگر دیکھ مسلسل سامنے رہے تھے۔ زینب عمیر اپنے ڈیڈی اور ممی کے ہمراہ اُن کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس کے اپنے چہرے پر بھی حیرانی اور بے یقینی کے ملے جلے تاثرات تھے۔ جیسے منزل سے وہ اب تک خود انجان ہو۔"

"کیا ہوا دادا ابو......" آہٹ پر وہ متوجہ ہوا۔

"ہم آپ کی امانت لے آئے ہیں ایاز صاحب! ہمیں معاف کیجیے ذرا دیر ہوئی۔" منیر کہہ رہے تھے خبیب کو سمجھنے میں دیر لگی اور پھر وہ حیران ہوتا چلا گیا۔

کچھ دیر بعد وہ لوگ لونگ روم میں موجود تھے۔

"ہم دراصل اپنی بیٹی لیزا کی شادی کا کارڈ دینے آئے ہیں آپ کو...... اس کے بعد ہم دوسرے معاملات طے کریں گے۔ اب آپ کی

فلائٹ تو جا چکی ہوگی۔ کیونکہ ایک اہم فرد کو بھول رہے تھے آپ اس لیے اب تسلی سے اپنے وطن روانہ ہوسکیں گے۔

لیزا کی شادی کا کیا معاملہ ہے؟'' خبیب ملک نے فرصت سے زینی سے پوچھا۔ ایک دوسرے کی معافی تلافی کے سارے مراحل سے گزر کر وہ دونوں آنسو پونچھ کر لیزا کو خراج تحسین پیش کر رہے تھے۔

☆......☆......☆

''ڈیڈی آپ سمجھ نہیں رہے، جو فائدہ آپ ایک بیٹی کی خوشی کو قربان کر کے حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ منافع آپ دوسری بیٹی کی خوشی کو سلامت رکھ کر بھی حاصل کر سکتے ہیں۔'' زینب اور خبیب کو سمجھانے کا جب کوئی فائدہ نہیں ہوا تو وہ سیدھا منیر کے پاس آئی۔ اگر وہ یہ ہمت کرتی تو ایک دو نہیں چار لوگوں کی زندگیاں برباد ہوتی۔

''اپنی حد میں رہ کر بات کرو لیزا...... تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟'' وہ اس کی صاف گوئی پر برہم ہوئے۔ صرف اتنا کہ خلدون کی شادی اپیا سے نہیں، مجھ سے ہونی چاہیے۔ میں اور خلدون پسند کرتے ہیں ایک دوسرے کو۔''

''تم ہوش میں ہو، میں اپنی بیٹی کا سودا کردوں؟''

''کتنے افسوس کی بات ہے اپیا کے بارے میں یہ خیال آپ کو نہیں آیا۔'' اُسے باپ کی کھلی منافقت سے دکھ پہنچا۔

''زینب جانتی ہے؟'' اُن کے پاس اسکی بات کا کوئی جواب نہ تھا۔

''نہیں...... انہیں فی الحال یہ بتانے کی ضرورت نہیں وہ ایک دم سے اس پر یقین نہیں کریں گی۔ اور جہاں تک بات ہے سودے کی تو آپ بے فکر رہیں۔ خلدون سب حقیقتوں سے واقف ہے۔

یہ بالشت بھر کی لڑکی اپنے باپ سے بھی زیادہ تیز نکلی تھی۔ وہ خاموشی سے اس کی جانب دیکھتے رہے۔ جیسے 'آگے کیا کرنا' ہے کے لیے لائحہ عمل تیار کر رہے ہوں۔

''سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا ڈیڈی...... آپ پریشان نہ ہوں۔'' وہ اُٹھ کر اُن کے گلے لگ گئی۔ میرے اپنے سینے سے لگے اس کے سر اپنا چہرہ ٹکا لیا۔ وہ خود کو بھی باور کرا رہے تھے کہ سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔

☆......☆......☆

اور پھر یہ تلخی پہلی بار تو ہوئی ہی تھی مگر آخری بار نہیں...... تلخیوں اور بدمزگیوں کا یہ سلسلہ بڑھتا ہی رہا حتیٰ کہ وہ ایک بیٹے کی ماں بن گئی۔ وہ کالج سے بے وجہ آف نہیں لے سکتی تھی، اسے گھر سے باہر بغیر اجازت کے قدم رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ اس کی تنخواہ پر اُس کا شوہر حق نہیں جماتا تھا مگر اس کا اپنا بھی کوئی حق نہ تھا اور وہ جو باتیں کرتی تھی ایسے شوہر کو جوتے لگا کر سیدھا کرنے کی تو وہ سب خواب ہوئیں۔

اس نے اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کر کے دیکھ لی حالات کو بدلنے کی...... لیکن شاید ہوائیں اُس کا ساتھ دینے کو تیار نہ تھیں۔

عبدل کی پیدائش کے چند ہفتوں بعد آرڈر ملا کہ اسے اپنی جاب پر جانا چاہیے جبکہ وہ چھٹیاں لے کر خوب سارا گھومنے کا، امی کے گھر رہنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ اور وہ جو دعویٰ تھا کہ اس گھر میں کوئی کسی کے معاملے میں دخل نہیں دیتا تو دو مہینوں بعد ہی وہ بھی جھوٹ ثابت ہوا۔ ہر معاملے میں سب سے پہلے رخنہ ڈالنے والی تو

تدبیر تھی۔ وہ اپنے نادر خیالات زرینہ بیگم تک منتقل کر دیتی اور اُن کا کام ہو جاتا۔ عبدل کا نام، اس کے کھلونے، کپڑے ہر چیز ان دونوں خواتین کے حکم سے ہوئی تھی۔ بس اس کو ایک چیز کا اطمینان ہوا تھا کہ عبیر اس کا ہے وہ واقعتاً اس سے محبت کرتا ہے ماں اور بہن کے کہنے پر کیے گئے غلط فیصلے اور روا رکھے برے رویے کی تلافی بھی وہ باقاعدگی سے کر لیتا تھا۔ مگر وہ جو دل میں شروع والی عزت اور احترام تھا۔ شوہر کے لیے زنحل کے دل سے وہ جاتا رہا۔ لیکن بہر کیف اسے یہ گھر بھی بچانا تھا اور رشتہ بھی...... سو ایک دن ہمت کر کے اس نے یہ رسک لے ہی لیا۔

''آج شام میں سوسائٹی سے ایک دو مہمان آئیں گے، تم ذرا ان کو دیکھ لینا۔'' ایک بار پھر وہ عبیر کے حکم پر دانت پیستی رہ گئی جو دراصل ممی کا ہوتا تھا وہ خود تو بڑے پیار بھرے انداز سے مخاطب ہوتی تھیں ہمیشہ زنحل سے لیکن عبیر کی ہر ڈانٹ اور ہر حکم درحقیقت زرینہ بیگم کے اشارے سے رونما ہوتا تھا۔ ان ڈیڑھ برسوں میں وہ اس گھر کی ہر سیاست سے واقف ہو چکی تھی۔ عبیر اور زنحل اکٹھے ہی نکلتے تھے تقریباً ہمیشہ، آج اس کا ارادہ تھا کہ اجازت لے کر امی کی طرف چلی جائے وہ اس سے شکوہ کر رہی تھیں کہ اس نے مہینوں سے ملاقات کے لیے بھی چکر نہیں لگایا۔

''عاتکہ باجی ہیں وہ دیکھ لیں گی۔''

''کیوں تمہیں کہیں جانا ہے۔'' عبیر نے سرسری سے انداز میں اعتراض کی وجہ جانی۔

''ہاں میں امی کے ہاں جانا چاہ رہی تھی۔''

''پھر بھی چلی جانا، آج بھابی جا رہی ہیں اپنے میکے۔''

''تو پھر میں کالج نہیں جاتی، مجھے امی کی طرف ڈراپ کر دیں، مہمانوں کے آنے سے پہلے آ جاؤں گی۔''

''عبدل وہ گھر میں رہے گا اکیلا؟''

''تو جب میں جاب پر ہوتی ہوں تب بھی وہ اکیلا ہی ہوتا ہے۔'' اس نے دوبدو جواب دیا تو عبیر خاموش ہو گیا۔

''بحث نہیں کرو زنحل...... پھر کبھی چلی جانا...... پلیز نا۔'' وہ یونہی اسے ٹال دیتا تھا کبھی غصے سے کبھی پیار سے اور کبھی سراسر نظر انداز کر کے...... زنحل منہ بسورتی چپکی بیٹھی رہی۔

☆......☆......☆

دنوں بعد وہ امی کی طرف آ ہی گئی تھی۔ آج اسے ایک ضروری کام بھی نپٹانا تھا، عرصہ پہلے کا رُکا ہوا کام اس نے اپنی پی سی کا ری سائیکل بن کھولا وہ ڈاکومنٹ یونہی پڑا تھا۔ اسے ری اسٹور کرنے کے بعد اس نے اوپن کیا کچھ اہم ترامیم کر کے ایک گہری سانس بھرنے کے بعد ہیڈ کو میل کر دیا۔ یہ اس کا ریزیگنیشن لیٹر تھا۔ گھر واپس آنے کے بعد اسے یہ افسوس ناک خبر عبیر کو سنانی تھی جس کے نتائج کیا ہو سکتے تھے وہ جانتے ہوئے بھی انجان بننا چاہتی تھی۔

''میں نے جاب چھوڑ دی ہے عبیر۔'' کنگھی کرتا عبیر کا ہاتھ پل بھر کو رُکا اور پھر سے حرکت کرنے لگا، زنحل بھی کچھ لمحے ردِعمل کا انتظار کرنے کے بعد کندھے اُچکا کر کمبل تہہ کرنے لگی۔

''اگر تمہیں چھٹی کرنی ہے تو بتا دو، یہ مذاق کر کے ڈرانے کی ضرورت نہیں۔'' عبیر ڈریسنگ ٹیبل سے مڑا۔ چھٹی کرنے کے معاملے میں جب اسے اندازہ ہوا کہ اسکول کے بچوں کی طرح ٹریٹ کیا جا رہا ہے تو اسے عبیر یا ممی کی مرضی کے بغیر لیو لینا ہی چھوڑ دی تھی۔

''یہ مت کہنا کہ تم سنجیدہ ہو۔'' اسے عام لباس میں دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا۔ زنیل نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ جانتی تھی اس شخص کو اپنی بیوی کی کمائی سے رتی بھر بھی سروکار نہیں لیکن یہ ساری برین واشنگ، آنکھوں میں یہ خوف اس کی ماں کی طرف سے بھرا ہوا تھا۔

''میں نے استعفیٰ دے دیا ہے۔ کسی سے بھی پوچھے بغیر کیونکہ میں نے یہ جاب اپنی مرضی سے شروع کی تھی اپنی مرضی سے چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور میرے اس فیصلے سے گھر کے کسی بھی فرد کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔'' متوقع سوالات کے پیش نظر اس نے تفصیلی جواب دیا عبیر کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے۔

''تمہیں ممی کا پتہ ہے میں انہیں کیا کہوں گا۔''

''آپ کچھ مت کہیے گا میں جواب دہ ہوں انہیں، آپ بس یہ احسان کیجیے گا کہ خاموش رہیے گا۔'' عبیر اس کی بات کا مفہوم سمجھ کر نظریں چرا گیا۔

''ویسے بھی یہ آپ کے الفاظ تھے کہ میں شادی کے بعد جیسا مرضی طرز زندگی اپنا سکتی ہوں۔''

''ہاں مجھے یاد ہے لیکن میں نے یہ بھی تو کہا تھا ہمارے گھر کا ہر فرد کام کرتا ہے، بلکہ کام کے معاملے میں جنونی ہے......''

''گھر میں رہ کر اپنے بیٹے کی تربیت کرنا، آپ لوگوں کے نزدیک معمولی سی بات ہے، مجھے عرصہ ہو گیا ہے اس گھر کے لان میں بیٹھ کر شام کی چائے پیے، عبدل کو جی بھر کے پیار کیے نجانے کتنے دن گزر چکے ہیں، ایک میڈ ماں کی جگہ تو نہیں لے سکتی۔ میرا اپنے گھر والوں سے رابطہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ میں بھی ہاؤس وائف بن کر دیکھنا چاہتی ہوں کہ آخر اس بنیادی فرض میں کیا کشش ہے کہ عورت اس فرض سے کو پورا کرتے ہوئے اپنے آپ کو سرخرو محسوس کرتی ہے۔''

''بڑی جلدی خیال آ گیا اس فرض کا۔'' عبیر کو موقع مل ہی گیا طنز کرنے کا۔

''آپ کی اس بات کا جواب تو میرے پاس ہے، لیکن اس سے بات بڑھ جائے گی، خیر اگر آپ نے میرے اس فیصلے کی دشمنی میں میرا جینا حرام کرنا ہے تو مجھے ابھی بتا دیں، میں یہ ہر دو دن بعد کی ذلالت نہیں برداشت کر سکتی۔''

''تم آخر کس کی ضد سے یہ سب کرنا چاہ رہی ہو۔'' عبیر کو اس کی جرأت پر حیرت ہوئی اور غصہ بھی آیا۔

''عبیر میں کسی سے ضد نہیں کر رہی...... کیا فائدہ اتنی دولت کا جو آپ کو سکون ہی نہ دے سکے۔ مجھے ذرا آپ ایمانداری سے بتائیں یہ مشینی زندگی گزار کر آپ تھک نہیں گئے، آپ کا بھی دل چاہتا ہے آفس سے آف لینے کو مگر ممی اور بھائی کے ڈر سے آپ یہ نہیں کرتے۔ اب اگر آپ میری بات سے اتفاق نہیں کر سکتے تو اس کو جھٹلایئے گا بھی مت پلیز۔''

''اگر مجھے اپنا اور میرے بیٹے کا خرچہ خود ہی اٹھانا ہے، اپنا پیٹ خود ہی پالنا ہے تو میں یہ پابندیاں کیوں جھیلوں یہ نام نہاد رشتے کی ڈور کیوں باندھوں۔ جس میں نہ پیار نہ کوئی نخرہ، نہ بہار، میں ان سب سے الگ ہو کر زیادہ اچھے طریقے سے اپنے بچے کو پال سکتی ہوں، آخر خود مختار تو میں ہوں ہی۔''

کبھی پہلے کا کہا ہوا نیلم بھابی کا جملہ اس کے ذہن میں لپکا تھا۔ عبیر اس کی بات سے زیادہ انداز پر چونکا تھا۔

''تم کہنا اور کرنا کیا چاہتی ہو آخر؟''

''کچھ بھی نہیں سوائے اس کے میں نے بہت

برداشت کرلیا ہے اب میں اپنی مرضی سے کوئی فیصلہ کررہی ہوں تو اس میں کوئی روڑے نہ اٹکائے اور نہ ہی اس کو مان کر انتقاماً ساری زندگی طعنے تشنوں سے میرا اس گھر میں رہنا دشوار بنا دیا جائے۔"

"ورنہ......؟"

"ورنہ جو بھی ہوگا مجھے اس کی ذرہ بھر پرواہ نہیں ہوگی۔" وہ سر جھکائے بولی تھی۔ عبیر کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل گیا جبکہ زنئل وہیں سر پکڑ کر بستر پر بیٹھ گئی۔

☆......☆......☆

"عبدل! عبدل......!" وہ ٹیبل کے پاس سہارے سے کھڑا تھا اور زنئل اسے آوازیں دے کر اپنے پاس بلانا چاہ رہی تھی وہ ایک سال کا ہو چکا تھا اور سہارے سے چلتا تھا۔ ماں کی آواز پر متوجہ ہو کر اس نے زنئل کی جانب دیکھا اور مسکرا دیا۔ سفید موتیوں جیسے دانت اور شفاف آنکھیں...... یہ فرشتہ سا چہرہ، عبدل کی پیدائش کے بعد بھی جاب اور گھر کے جھمیلوں میں چکی کے آٹے کی طرح پس کر وہ ماں والی ممتا محسوس نہیں کر پائی تھی۔ مگر چھ مہینے پہلے والی اس کی جرأت اور ہمت نے اس کی زندگی کو قدرے خوشگوار بنا دیا تھا۔ عبدل اب جلدی سے ماں کے پاس پہنچنے کے چکر میں تیزی سے قدم اٹھاتا لڑکھڑا رہا تھا کہ آخر کو منزل کے قریب پہنچنے تک اس کی ماں تھی نا اسے سنبھالنے کے لیے، اُس کا فون بج رہا تھا عبدل کو صوفے پر بٹھا کر اس نے اسے ٹوائز پکڑائے اور فون لینے چلی گئی۔

"بس فرسٹ کلاس تم سناؤ کیا مصروفیات ہیں آج کل۔"

"کچھ مت پوچھو زنئل وہ شخص بڑا خبیث نکلا، نجانے میں کیسے اس کے چنگل میں آ گئی۔ وہ تو ہر دوسری لڑکی کو اپنی وقت گزاری کا نشانہ بنانے کا عادی ہے۔ ذلیل مبخت کو چھوڑ دیا میں نے۔"

نعیمہ کی باتوں نے اسے بھی پریشان کر دیا۔

"چلو بروقت پتہ چل گیا اگر شادی کے بعد پتہ چلتا تو اور بھی نقصان ہوتا، اب آنٹی سے کہو تمہارا رشتہ دیکھ کر شادی کرا دیں جلدی سے یا میں بات کروں؟"

"جو نقصان ہونا تھا زنئل ہو چکا، شادی ہو جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ویسے امی نے بلوایا ہے کچھ لوگوں کو اگر مجھے پسند آ گئے تو ٹھیک ورنہ میرا ایک کولیگ ہے کب سے مجھ پر فلیٹ ہے بے چارا، مخلص بھی ہے۔"

"ہیلو تم سن رہی ہو......" فون بند ہو چکا تھا۔ زنئل مزید باتیں نہیں سن سکتی تھی اس کی...... اس نے ہاتھ پھیر کر چہرے پر پھیلی سنسنی کو کھرچنا چاہا۔ نجانے یہ شکوہ بجا تھا کہ نہیں "معاشرے میں عورت کی عزت نہیں۔" وہ کس کو موردِ الزام ٹھہرائے زنئل سوچتی رہ گئی۔

☆......☆......☆

سردی ایک بار پھر اپنے ساتھ دھند کی شدید لہر لائی تھی۔ فلک کے کناروں پر شام کا اندھیرا چھا چکا تھا...... پرندے اپنے آشیانوں کو لوٹ رہے تھے۔ مزدور طبقہ اپنی دن بھر کی خون پسینے کی کمائی دیہاڑی کسی خزانے کی طرح لیے اپنے غریب خانوں میں داخل ہو چکے۔ آج کے دن کی مشقت تمام ہوئی۔ رات اپنے ساتھ آرام کی چادر لائی تھی، تاکہ اُسے اوڑھ کر اگلے دن کی جفاکشی کے لیے توانائی حاصل ہو سکے۔ تین مسافر اپنے وطن کو لوٹ آئے، اُن کی منزل، اُن کا مسکن یہی علاقہ تھا۔ ایاز صاحب کی آنکھوں سے ننھے منے آنسو جگمگا رہے تھے، کتنے عرصے بعد اس گاؤں کی فضا کو محسوس کر رہے تھے۔ اپنے گھر میں قدم رکھنے والے تھے وہ۔

زینب، خبیب کی بینائی بن کر اس کے قدم سے قدم ملا کر چل رہی تھی۔ خبیب کے ہاتھوں میں وہ نازک ہیرے کی انگوٹھی دمک رہی تھی۔ ہر شے اپنے وقت پر ہو رہی تھی۔ دادا ابو عرصے بعد اپنے اندر خوشی کی بے شمار کونپلیں پھوٹتی محسوس کر رہے تھے۔ صبح کا بھولا شام کو بروقت لوٹ آیا تھا۔ اس علاقے کی ہر شام یونہی ہوتی تھی۔ یہی اس گاؤں کی خاص بات تھی اور یہاں کے باسیوں کی بھی۔

☆......☆......☆

بوگن ویلیا کی گلابی بیلیں پوری دیوار اپنی پناہ میں لیے لان کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہی تھی۔ پیڑ پر لگے ہرے سے پیلے ہوتے لیموں کی ہلکی ہلکی مہک ہوا سے اڑ اڑ جاتی تھی۔ آج عرصے بعد اس کے آنے پر لان میں شام کی چائے کا اہتمام کیا گیا تھا۔

''زنیل میری جان مجھے سچ سچ بتاؤ کوئی پریشانی تو نہیں ہے، تم مطمئن ہو؟'' فردوس ایک بار پھر اس کے اچانک کیے گئے فیصلے سے مضطرب ہوگئی تھی۔

''نہیں پیاری بی بی...... امی جان میں واقعی ہی بہت مطمئن ہوں۔'' اس کے لہجے کی سچائی اس کی آنکھوں سے بول رہی تھی۔ تبھی فردوس نے دوبارہ سوال نہیں کیا۔

''پتہ ہے میں نے نیلم بھابی سے کہا تھا کہ جب میرے فیصلوں میں کی گئی کوئی بھی بات میرے لیے اعصاب شکن ثابت ہونے لگے گی تو میں فوراً اس کے مخالف ردعمل کروں گی۔'' وہ چکن رول کھا رہی تھی۔

''کیا مطلب۔'' فردوس نے پہلے زنیل اور پھر ساتھ بیٹھی نیلم کی جانب دیکھا۔

''ہاں مجھے یاد ہے اور مجھے خوشی ہے کہ تمہیں جلد ہی احساس ہوگیا، اب آپ پریشان مت ہوں بالکل بھی امی، ہماری زنیل بہت سمجھدار ہے۔'' نیلم نے بھی چائے کا کپ اٹھایا۔

''میں اب بھی کسی جاب کے خلاف نہیں ہوں میری سوچ نہیں بدلی ہاں اتنا ضرور ہے کہ کچھ حقیقتیں سمجھ آ گئی ہیں۔ اور آئندہ اگر کبھی مجھے ضرورت پڑی خدانخواستہ تو میں کرلوں گی۔ جاب صرف گھر سے باہر نکل کر گدھوں کی طرح کام کرنے کو ہی تو نہیں کہتے۔'' وہ نیلم اور فردوس کو دیکھتے ہوئے اپنا موقف بتا رہی تھی۔

''بالکل ٹھیک کہا...... یہ بات Understood ہے کہ کوئی بھی کام چھوٹا یا بڑا نہیں ہوتا، یہ تو اس کام کو اختیار کرنے والے کی فطرت پر منحصر ہے کہ وہ اسے دنیا کے سامنے کیسے پیش کرتا ہے۔ اور تمہاری سوچ جیسی بھی ہو زنیل اچھی بات یہ ہے کہ تمہیں وقت پر اس چیز کا اندازہ ہوگیا کہ تم کب، کیسے کیوں اور کیا چیز کھو رہی ہو اور اسے کیسے دوبارہ حاصل کرنا ہے۔'' فردوس نے کہا تو زنیل ایک بار پھر کھلے دل سے مسکرادی۔

''ماہرہ اور عزیر کب تک آئیں گے؟''

''رات کھانا پھوپو کی طرف ہی ہے اُن کا کل تک ہوگی واپسی تم تو یہیں ہو، ہو جائے گی ملاقات۔''

''ہمم م ٹھیک ہے۔''

''جب سے عزیر کو فارماسیوٹیکل کمپنی میں جاب ملی ہے اس کے سسرال والوں کی طرف سے دعوتیں ختم نہ ہونے میں آرہی تھیں۔'' فردوس بیگم اندر لاؤنج میں چلی گئیں تو نیلم نے اسے رازدارانہ انداز میں بتایا۔

''ایسا کیوں۔'' زنیل کو اچنبھا ہوا۔

''اُن کا خیال تھا کہ عزیر اپنی والدہ کے ساتھ بوتیک پر ہی رہے گا ساری عمر...... بس پھر خدشات شروع ہوگئے اُن کے، ماہرہ نے الگ ماحول میں پریشانی پھیلائی ہوئی تھی۔ اب جب اتنی اچھی

پوسٹ ملی ہے تو مائرہ اور اس کی امی بھی خندہ پیشانی سے ملتی ہے۔'' نیلم ہنستے ہوئے بتا رہی تھی۔ مگر زنتل پھیکی مسکراہٹ لیے خاموش رہی۔

''کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں، بس میں یہ سوچ رہی تھی کہ کیا میں واقعی آپ لوگوں سے اتنا دور ہوگئی تھی، اس گھر میں کیا کچھ ہوتا رہا۔ مجھے پتہ ہی نہ چل سکا۔''

''اوہو زنتل حد کرتی ہو اتنی بھی کوئی بات نہیں ہوگئی، سب ٹھیک ہے اب تو...... چھوڑو، پچھلی باتوں کو، آگے جاتے راستوں پر چلنے کی تیاری کرو۔ وہ کہتے ہیں نا دیر آید درست آید، اب تقریباً تم آٹھ ماہ بعد آئی ہو، کافی عرصے بعد ہی سہی مگر سچی خوشی تو اپنے سنگ لائی ہونا۔''

''ٹھیک کہتی ہیں بھابی آپ۔''

''پھو...... پو عبدل نے مجھے مارا ہے'' لاؤنج کا دروازہ کھول کر فاطمہ بھاگتے ہوئے آئی اور اپنی پیاری سی آواز میں عبدل کی شکایت کرنے لگی۔

''اوہ...... میری چندہ! اسے میں ابھی پوچھتی ہوں اس نے فاطمہ کو کیوں مارا ہے۔ کہاں ہے وہ اسے بلا کر لاؤ۔'' زنتل نے اسے گود میں بٹھالیا۔

''رکو! پہلے مجھے ایک پاری تو لینے دو۔'' وہ گود سے اترنے لگی تو زنتل نے اس کے بائیں گال پر پیار کیا اور پھر وہ تیزی سے اُتر کر بھاگ گئی۔

''لڑکے لڑکے ہی ہوتے ہیں، چھوٹا ہے اس سے پھر بھی رعب جماتا ہے۔'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہنے لگی۔

''شاید لڑکوں کو قدرتی طور پر عمر کے ہر حصے میں اپنی طاقت کا اندازہ ہوتا ہے۔''

''ہوسکتا ہے......'' زنتل نے کندھے اچکائے۔

☆......☆......☆

زنتل کے جاب چھوڑنے کے فیصلے کی خبر جب کمرے کے در و دیوار سے باہر نکلی، پھر دنوں تک یہ گھر ایک جنگی محاذ ہی بنا رہا۔

''یہ لڑکی تو بڑی تیز نکلی۔'' عاتکہ نے دل کی جلن نکالی۔

''اس گھر میں میری اجازت کے بغیر آج تک کوئی فیصلہ نہیں ہوسکا۔'' زرینہ بیگم کو سمجھ نہ آئی بیٹے کی بیوقوفی پر اپنا سر پھوڑے یا بہو کو بالوں سے پکڑ کر گھر سے باہر کردے۔

''ہمارا بھائی ہی سیدھا ہے جورو کا غلام بیوی کیوں نہ اپنی مرضیاں کرے۔'' ثوبیہ آپی آئیں تو عبیر کی برین واشنگ کرنے لگی۔ لیکن اس بار زنتل ابراہیم نے بھی ثابت قدمی سے ڈٹے رہنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا لہٰذا عبیر سب باتوں کے جواب میں خاموش رہا اور اسی میں بہتری تھی۔ سو شر پسند عناصر دھیرے دھیرے کمزور پڑنے لگے اور ایسے حالات میں مصطفیٰ حیدر ایک بھولی بسری یاد سے بھی کہیں دور جا چکا تھا زنتل کے لیے...... پتھریلے راستے پر چلتے، گرتے، سنبھلتے، اس نے منزل اور سکون دونوں پالیے تھے۔

کچھ لوگ جنوں کی راہ پر چل کر جلد ہی منزل کا نشان پالیتے ہیں۔ اور کہیں لوگ ایسا بھی کرتے ہیں کہ نفس کے دائرے میں قید سراب کے پیچھے بھاگ کر اپنا ہر راستہ کھوٹا کرلیتے ہیں۔ منزل کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ایسی صورت میں...... نعیمہ افضل جیسے لوگ، جو اپنی زندگی کو تباہ کرتے ہیں اپنے ساتھ دوسروں کی زندگی کو بھی بے قدر و قیمت جان کر کھیلتے رہتے ہیں۔ مگر سب سے زیادہ نقصان خود کو ہی پہنچاتے ہیں اور افسوسناک بات یہ ہے کہ انہیں احساس بہت دیر میں ہوتا ہے...... بہت دیر میں

☆......☆......☆

افسانہ

منعم اصغر

مہر مہ کی عید

ارسلان، ناہید چچی اور نوفل کے ساتھ مہر مہ بھی چپ کی چپ رہ گئی۔ انہوں نے رشتے سے صاف انکار کردیا اور اپنی خوبصورت آنکھوں میں مہر مہ کے معصوم سے خواب چھنا کے سے ٹوٹے تھے۔ تب سے نوفل نے گھر آنا بالکل بند کررکھا تھا مگر جاوید......

عید کا تہوار ایسا تہوار ہے کہ 'عید' کا نام سنتے ہی ایکدم خوشی اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ چھوٹے بڑے سب بہت پُرجوش نظر آتے ہیں عید کے دن کے لیے انہیں شاپنگ کی فکر بھی ستانے لگتی ہے۔

مہر مہ بھی ایسی ہی تھی۔ سارا سال عیدوں کا انتظار کرتی کہ جب سب مل کر ساتھ بیٹھتے تھے۔ باتیں کھانا پینا' ہلا گلا بڑے چھوٹے سب کا ایک ساتھ ہونا اسے بے حد پسند تھا۔ چھوٹوں کو عیدی دینا بڑوں سے عیدی وصول کرنا یوں پیسوں کی تو اسے کوئی کمی نہیں تھی مگر عیدی لینے کا تو اپنا ہی مزہ ہے ناں۔

عید کا کام مثلاً کھانا کپڑے پریس کرنا وہ عید سے ایک رات ہی پہلے سب ریڈی رکھتی اور پھر عید کے اگلے تین دن بغیر کام کی ٹینشن کے خوب انجوائے کرتی۔

مگر اس بار ایسا کچھ نہیں تھا۔ اس نے رمضان کے تمام روزے رکھنے کے بعد دھوم دھام سے عید الفطر منائی تھی مگر اب عید الاضحیٰ کے لیے وہ پُرجوش نہیں تھی۔ جس کی وجہ شاید اُس کا کزن تھا نوفل ارسلان......!''

مہر مہ ایک نرم مزاج وخوش مزاج لڑکی تھی۔ ہر کسی سے جلد گھل مل جانے والی، نوفل ارسلان اس کے چچا ارسلان اور چچی ناہید کا اکلوتا بیٹا تھا۔ مہر مہ اور نوفل کے گھر بالکل ساتھ تھے۔

دونوں کے گھروں کے درمیان ایک دیوار تھی جس کی ایک طرف نوفل اور دوسری طرف مہر مہ کا گھر تھا۔ مگر چند سالوں پہلے دیوار کو بیچ سے توڑ کر درمیان میں دروازہ لگوادیا گیا تھا جس سے دونوں فیملی کا ہر وقت ایک دوسرے کے گھر آنا جانا لگا رہتا تھا۔

مہر مہ کے والد جاوید صاحب اپنا کاروبار چلاتے تھے اور اس کے بھائی روحیل نے بھی اب والد کا کاروبار سنبھالنا شروع کردیا تھا جس سے ان کا گھرانہ خوشحال تھا۔

جبکہ ارسلان صاحب کی واپڈا میں نوکری

تھی۔ نوفل اپنی تعلیم مکمل کر چکا تھا اور اب اس کا ارادہ جاب کا تھا۔

گویا ارسلان صاحب کا گھرانہ جاوید صاحب کے گھرانے کی طرح خوشحال نہیں تھا۔ مگر وہ ان سے بہت زیادہ کم تر بھی نہیں تھے۔

ارسلان صاحب کی تنخواہ سے گھر کے سارے

اخراجات ہی پورے ہوتے اور باقی پورا مہینہ بھی اچھا گزر جاتا۔ ارسلان صاحب کے پاس سیونگ کچھ نہیں تھی اور یہی بات جاوید صاحب کو سخت ناگوار گزرتی تھی۔

☆......☆......☆

اگلی صبح حسب معمول مہرمہ کی آنکھ اسی چھوٹی سی چڑیا کی چہچہاہٹ سے کھلی تھی۔ جس کی آواز پر وہ ہر روز جاگتی تھی۔ یہ چڑیا چند ماہ پہلے سے ہی مہرمہ کی کھڑکی کے ساتھ والے درخت پر اپنا گھونسلا بنا چکی تھی۔

اور تب سے مہرمہ کو کبھی الارم لگانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی اور چڑیا مسلسل اس وقت تک بولتی رہتی جب تک مہرمہ اُٹھ کر اس کے گھونسلے میں دانہ پانی نہ ڈالتی۔

اس صبح بھی اس نے مسکراتے ہوئے اپنا کام کیا اور منہ دھوتی باہر آ گئی۔ جاوید صاحب چائے کے ساتھ اخبار پر نظریں دوڑا رہے تھے مہرمہ کو دیکھ کر مسکرائے۔

''مہر اس بار کی کیا بات ہے عید کے حوالے سے تمہاری تیاریاں نظر نہیں آ رہیں؟'' انہوں نے پوچھا۔

مہرمہ انہیں دیکھ کر رہ گئی۔ زندگی میں یہی چھوٹی چھوٹی خوشیاں ہی تو ہوتی ہیں جو انسان کو کچھ پل کے لیے ہی سہی مگر ان کے دکھ تکلیفیں ضرور بھولانے پر مجبور کر دیتی ہیں اور زندگی میں تو جتنا وقت بھی ملتا ہے ہنسی خوشی گزار لینا چاہیے یہی اصل مزہ ہے زندگی کا۔

بس پاپا دل نہیں کرتا۔ مہرمہ زبردستی مسکرائی جاوید صاحب حیران ہوئے۔

''اچھا آج میں بکرا لینے جا رہا ہوں بتاؤ کس رنگ کا ہو؟'' جاوید صاحب نے دوسرا سوال کیا کیونکہ ہر سال مہرمہ اور نوفل ہی فیصلہ کرتے تھے کہ بکرا سفید بالوں والا یا بھورے بالوں والا ہو یا پھر کالے بالوں والا۔ مگر اس بار نوفل ان کے ہاں نہیں آیا تھا۔

''جو آپ کو پسند ہو پاپا......'' وہ کہہ کر اٹھ گئی۔ جاوید صاحب ہر سال بکرا عید کے ایک ماہ پہلے ہی لے کر پورا ایک ماہ اس کی دیکھ بھال کرتے پھر عیدالاضحیٰ پر قربان کرتے تھے۔

اور اس پورے ماہ نوفل اور مہرمہ بکرے کو پورا پورا انجوائے کرتے تھے اس کے ناز نخرے اٹھاتے۔

اس بار سب مختلف تھا کہ ہوا کچھ یوں......

ناہید چچی اور ارسلان چاچو کو مہرمہ بہت عزیز تھی اور گھر ہی کی بات تھی سو انہوں نے نوفل کا رشتہ مہرمہ کے لیے پیش کر دیا۔

نوفل اور مہرمہ بھی اب ایک دوسرے کے لیے بچپن سے ہی دل میں رکھنے والی فیلنگز کو سمجھ چکے تھے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے مگر جاوید صاحب تو جیسے اکھڑ کھڑے ہوئے۔

میں اپنی لاڈلی بیٹی جسے میں نے شہزادیوں کی طرح پالا ہے اسے ایسے گھر میں رخصت کر دوں تاکہ اُس کا مستقبل تاریک ہو جائے اور نوفل کا بھی پتہ نہیں کہ جاب لگتی ہے یا نہیں پھر تمہارے گھر کے حالات......

کیا تم چاہو گے اپنی اکلوتی بھتیجی کے لیے کہ وہ اس گھر میں گھٹ گھٹ کر جیئے۔ جاوید صاحب بڑے بھائی تھے ارسلان کے اسی لیے بغیر لگی لپٹی میں رکھے کہا۔

ارسلان، ناہید چچی اور نوفل کے ساتھ مہرمہ بھی چپ کی چپ رہ گئی۔

انہوں نے رشتے سے صاف انکار کردیا اور اپنی خوبصورت آنکھوں میں مہرمہ کے معصوم سے خواب چھناکے سے ٹوٹے تھے۔ تب سے نوفل نے گھر آنا بالکل بند کررکھا تھا مگر جاوید صاحب اپنے فیصلے سے ایک انچ نہ ہٹے جس سے دو فیملیاں الگ ہوتی نظر آرہی تھیں۔

☆......☆......☆

اُسی شام سفید رنگ کا موٹا تازہ بڑا سا بکرا لان میں آگیا۔

ناہید چچی اور ارسلان چاچو بھی ساری تلخیاں بھولائے انہیں مبارک باد دینے کھنچے چلے آئے۔ مہرمہ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی۔ گویا فاصلے تو سمٹے تھے۔

سب لوگ وہیں لان میں بیٹھے باتیں کررہے تھے جب نوفل نیلے کلر کے شلوار قمیض میں ہمیشہ کی طرح دلکش دکھتا آگیا تھا۔

کچھ دیر بکرے سے باتیں کرنے کے بعد نوفل نے کہا۔

''مہرمہ میں نے جاب کے لیے ایک دو جگہ انٹرویو دے رکھا ہے۔ مجھے بہت امید ہے کہ اُن کی طرف سے جلد ہی کال آئے گی۔ میں تمہیں پالوں گا مہر، کسی اور کا نہیں ہونے دوں گا۔ تم فکر مت کرو۔'' وہ بہت اپنائیت سے کہتا مہرمہ کو نئے سرے سے امید کے دیے روشن کرنے پر مجبور کرگیا تھا۔

عید ہر گزرتے دن کے ساتھ قریب آتی جارہی تھی۔ پاپا آہستہ سے اٹھے اور امی جو کہ کچن میں چچی، چاچو کے لیے کھانا بنانے میں مصروف تھیں۔ کچن کے دروازے میں کھڑے ہوکر کہا۔

''بیگم کچھ اہتمام کرلینا بھابی کتنے دنوں بعد آئی ہیں۔ ارسلان بھی ہے گھر میں تو نجانے کیسا کھاتے ہوں ہمارا تو فرض ہے ناکہ ایک بھائی دوسرے بھائی کو اچھا کھانا ہی کھلادے۔'' جاوید صاحب کا انداز غلط نہیں تھا نہ ہی اُن کے دل میں کوئی غرور تھا مگر ان سے لفظوں کا چناؤ غلط ہوگیا تھا۔

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' پیچھے کھڑی ناہید چچی نے دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ پوچھا تھا۔

زندگی میں کوئی چیز اتنی تیزی سے انسان پر اثر کرکے اسے چیرتے ہوئے لہولہو نہیں کرتی جتنا ایک انسان کی زبان سے نکلے الفاظ کرتے ہیں۔

اور اپنوں کی باتیں تو اس نوک دار تیر کی طرح ہوتی ہیں جو سیدھا دل پر اثر کرتے ہیں۔ زندگی میں ہم ان سب باتوں کو بھلا بھی دیں مگر تب بھی وہ تیر ہم نہیں نکال پاتے جو ہمارے دل میں پیوست ہوتے ہیں۔

''ارے کچھ نہیں بس......'' جاوید صاحب مسکرا کر اُن کی طرف بڑھے۔

''بس بھائی صاحب...... میں جان گئی آپ کا مطلب...... بے شک ہم آپ جتنے امیر نہیں آپ جتنا اچھا کھاتے اوڑھتے نہیں مگر ہم اتنے بھی کمی کمین نہیں کہ آپ کے ہاں اچھا کھانا کھانے کے لیے آتے ہوں۔''

ناہید چچی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ درست کہتے ہیں لوگ بھائی صاحب کہ غریب تو اللہ کسی کو بھی نہ بنائے۔

ناہید چچی کی آواز بھرا چکی تھی تب تک سب اکٹھے ہوچکے تھے وہ روتی ہوئی وہاں سے چلی گئیں۔ ساتھ میں نوفل اور ارسلان چاچو بھی......

مہرمہ پیچھے رہ گئی ایک بار پھر سب الٹ ہوگیا

تھا۔ جاوید صاحب نے اس دن عیدالاضحیٰ سے ایک دن پہلے سوال کیا تھا۔

☆......☆......☆

عید میں پندرہ دن رہ گئے تھے۔ مہرمہ بے دلی سے تیاریاں کر رہی تھی۔ اور بیٹی کے جذبات سے انجان جاوید صاحب اس کا رشتہ طے کرنے کا سوچ رہے تھے۔

کہتے ہیں کہ دولت ایسی چیز ہے جو کچھ اور نہیں دیکھتی جاوید صاحب کو بھی صرف دولت نظر آ رہی تھی بیٹی کی خوشی نہیں۔

جاوید صاحب ان لوگوں میں سے تھے جو چاہتے ہیں کہ اُن کی بیٹی امیر سے امیر گھر میں بیاہ کر جائے جہاں اسے کسی چیز کی کمی نہ ہو مگر وہ یہ نہیں سمجھنا جانتے تھے کہ دولت سے خوشیاں نہیں خریدی جاتیں۔

عید کے دن قریب آ گئے تھے۔ مہرمہ بھی تقریباً سارے کام مکمل کرنے والی تھی۔ عید کے ایک روز پہلے اُن کے خاندان سے اس کے کچھ کزنز، فرینڈز وغیرہ اُن کے گھر آتے تھے۔

جاوید صاحب سوچ رہے تھے کہ عید کے دوسرے دن مہرمہ کی منگنی رکھ دیں۔ وہ مہرمہ کی شادی اپنے پرانے دوست کے بیٹے سے کر رہے تھے جو اُن سے بھی بڑھ کر رئیس تھے۔

کئی بار انہوں نے محسوس کیا کہ مہرمہ جیسے ان سے خفا ہے مگر انہوں نے اگنور کر دیا کہ جب شادی کر کے وہ اُن کے ہاں جائے گی تو اپنے پاپا کی احسان مند ہو گی انہیں کیا پتہ دلوں کے فیصلے کیا ہوتے ہیں۔

جہاں محبت ہوتی ہے وہاں بہت زیادہ دولت کی ضرورت ہرگز نہیں ہوتی کیونکہ محبت ہی سب سے بڑی دولت ہے اور جہاں دولت کا غرور کیا جائے وہاں محبت نہیں ہوتی۔

''مہرمہ تم صفدر سے شادی پر خوش رہو گی وہ تمہیں کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دے گا دیکھو بیٹا میرے ایک جاننے والے کی بیٹی کی شادی امیر گھرانے میں ہوئی مگر پھر بھی وہ وہاں ایک ایک چیز کے لیے ترستی ہے میں نہیں چاہتا میری بیٹی کے ساتھ یہ سب ہو۔''

اُن کی بات پر مہرمہ نے حیرت سے انہیں دیکھا تھا وہ خود اپنے منہ سے حقیقت بیان کر گئے تھے مگر سمجھے نہیں تھے۔

''پاپا آپ جہاں چاہیں میں شادی کرنے کے لیے تیار ہوں مگر پاپا......'' وہ اُس کی بات پر خوش ہوتے ہوئے ''مگر'' پر چونکے جب ایک لڑکی بیاہ کر سسرال جاتی ہے تو وہ اپنی قسمت کا لکھا بھی ساتھ لاتی ہے اگر اُس کے نصیب میں خوشحال زندگی گزارنا لکھا ہوتا ہے تو وہ سب اسے غریب سسرال میں بھی مل جاتا ہے۔

اور جس لڑکی کی زندگی میں فقیرانہ زندگی گزارنا لکھا ہوتا ہے نا تو وہ چاہے جتنے بھی امیر سسرال کیوں نا بیاہ کر چلی جائے وہ فقیرانہ زندگی ہی گزارنے پر مجبور ہو جاتی ہے کیونکہ یہ قسمت کا لکھا ہے جسے کوئی نہیں بدل سکتا دولت بھی نہیں۔

اسپاٹ انداز میں کہتی مہرمہ انہیں زندگی کا وہ سبق سمجھا گئی تھی۔ جسے سمجھنے میں اُن کی پوری زندگی گزر گئی تھی اور بیشک زندگی میں کبھی بڑی سی بڑی بات سمجھنے کے لیے ایک لمحہ ہی کافی ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

عید سے ایک دن پہلے سب کزنز اور فرینڈز اُس کی طرف آئے تھے۔ خوب ہلا گلا رہا اور

رات گئے سب واپس لوٹ گئے اس لیے کہ سب کو اپنے گھر قربانی کی تیاری کرنا تھی۔ رات گئے وہ سارا کام نمٹا کر سوئی تو صبح آنکھ چڑیا کی آواز سے ہی کھلی تھی۔

ایک انگڑائی لے کر وہ دل کی تمام تر اداسیوں کے باوجود بھی کھل کر مسکرائی تھی آخر عید کا دن جو تھا۔

چڑیا اب گھونسلے میں موجود اپنے بچے کے پاس بیٹھی تھی۔ جو چیں چیں کر کے منہ کھولتا اور چڑیا اپنی چونچ اس کے منہ میں ڈالتی تو وہ چند لمحے خاموش ہو جاتا۔ مہرمہ نے دلچسپی سے یہ منظر دیکھا تھا۔

پھر جلدی سے وہ نیچے آئی تو پاپا عید کی نماز پڑھنے کے لیے بالکل تیار کھڑے تھے۔ نوفل اور ارسلان چاچو کے ساتھ مل کر وہ نماز ادا کرنے عیدگاہ کی طرف چل دیے۔

''ناہید چچی بھی خوشی خوشی عید ملنے چلیں آئیں جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔'' مہرمہ اُلجھ گئی۔ واپسی پر قصائی کے ساتھ مل کر بکرے کو ذبح کر کے سنتِ ابراہیمی پوری کی گئی اور پھر سارا گوشت برابر کا تقسیم کر کے محلے میں بانٹ دیا گیا۔

امی تب تک اس گوشت سے طرح طرح کی ڈشز بنانے میں مصروف تھیں۔

وہ تیار ہو کر نیچے آئی تو سب کزنز معنی خیز نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ نوفل سفید کلف شدہ سوٹ میں ملبوس نظر لگنے کی حد تک پیارا لگ رہا تھا۔

مہرمہ نے بمشکل دھڑکنیں سنبھال کر نظریں اس کے چہرے سے ہٹائیں تھیں۔ سب کو عیدی لینے دینے کے بعد وہ پاپا کے پاس آئی۔

''لائیں پاپا میرا عیدالاضحیٰ کا تحفہ......'' اس نے ہاتھ آگے کیا تو پاپا نے مسکرا کر نوفل کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہوئی سب نے قہقہہ لگایا۔ پاپا اُٹھ کر اس کے قریب آئے۔

''مہر بیٹا میں دیر سے ہی سہی مگر سمجھ ہی گیا کہ اپنے اپنے ہوتے ہیں اور پھر یہ بیٹیوں کا اپنا نصیب ہوتا ہے کہ اس کے حصے میں کتنی خوشیاں آتی ہیں۔

بیٹا نوفل کی بہت اچھی جگہ جاب لگ گئی ہے مگر میں اس وجہ سے تم کو نوفل کو نہیں دے رہا کہ اُس کا مستقبل روشن ہے۔ بلکہ اس لیے کہ زندگی میں سب کچھ دولت نہیں ہوتی۔ تمہاری باتوں نے میری آنکھیں کھول دیں اور اب یہ تمہارا تحفہ ہے نوفل......''

پاپا نے بہت محبت سے اسے کہتے ہوئے اُس کا ہاتھ دوبارہ نوفل کے ہاتھ میں دیا جسے نوفل نے تھا کر اس میں ایک نفیس انگوٹھی پہنائی اور منہ کھولے کھڑی مہرمہ کا ہاتھ نرمی سے دبا کر چھوڑ دیا۔

پہلے وہ شرمائی پھر مسکرا دی۔ جاوید صاحب کے ساتھ سب باتوں میں مصروف تھے۔ جاوید صاحب کے چہرے پر عجیب سی طمانیت تھی جیسے آج اُن کا بوجھ اتر گیا ہو وہ پُرسکون لگ رہے تھے۔

مہرمہ کی تو گویا اصل عید ہی یہی تھی۔ عیدالاضحیٰ کا مبارک دن اُن کی زندگی میں سب کچھ ٹھیک کر گیا تھا۔ اس عید پر ملنے والا 'عیدالاضحیٰ کا تحفہ' بلاشبہ تمام عیدوں سے بڑھ کر تھا۔ اس کی عید یادگار ہوگئی تھی اور اس کے دل سے ایک صدا نکلی۔ ''عیدالاضحیٰ مبارک......''

☆☆......☆☆

ناولٹ

شمسہ فیصل

اِک آہ چاہیے...

انہیں زبردست نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔ آمنہ بیگم کے دل میں پوتیوں اور بہو کے لیے نفرت میں دوسو گنا اضافہ ہوا تھا۔ سترہ گھنٹے بعد انہیں ہوش آیا تھا۔ ''مجھے آپ سے ایسی دقیانوسیت کی امید نہیں تھی۔'' صداقت حسین کو اُن کے رویے پر دلی افسوس......

وہ جیسے ہی ڈرائینگ روم میں داخل ہوئیں۔ ہر نفوس کی نگاہیں اختیاری اور بے اختیاری طور پر اُن کی جانب اٹھی تھیں۔ میں نے گھبرا کے حور کا پہلے سے تھاما ہاتھ اور بھی مضبوطی سے تھام لیا۔ اُس کی حالت مجھ سے مختلف نہ تھی تب ہی اُس کے ہاتھ کی گرفت مضبوط ہوئی۔ ہم دونوں ہی جھکے سر کے ساتھ بنا اِدھر اُدھر دیکھے قریبی صوفے پر ٹک کے بیٹھ گئیں۔ بدحواسی کی انتہا تھی کہ سلام کرنے کا بھی خیال نہ آیا۔

''حور بیٹا سلام تو کرو......'' مما نے بظاہر خوشدلی لیکن سختی سے تنبیہ کی۔ مما کے اس حکم پر ہم دونوں ہی جی جان سے شرمندہ ہوئے۔ لٹھ مار انداز سے سلام کیا گیا۔

اب ہم سر جھکائے سوالات کی منتظر تھیں۔ کمرے میں ہم چھ نفوس اور سبھی خاموش......

''یہ میری بیٹی حورعین اور یہ نورعین......'' مما نے سکوت توڑا۔ ہمارے جھکے سر اور بھی جھک گئے۔ یہ ہمارا کوئی پہلا تجربہ نہیں تھا لیکن ہم ہمیشہ اِس صورت حال سے نروس ہو جاتی۔

''کیا کرتی ہیں آپ؟'' پہلا سوال دائیں جانب سے اٹھا۔ میں نے ذرا کی ذرا نگاہ ترچھی کر کے سوال کرنے والی کو دیکھا اور حورعین کو کہنی ماری۔ اِس کا مطلب تھا کہ جواب وہ دے گی۔ لیکن وہ ڈھیٹ بنی بیٹھی رہی۔ مجھے حور کی حرکت جی جان سے جلاگئی۔

''اُس کی بات کا جواب دو......'' میں نے دانت پیستے ہوئے سرگوشی کی۔

''گریجویشن کر رہی ہوں۔'' اُس کی آواز حلق میں پھنس گئی۔

''کن سبجیکٹس میں؟'' دوبارہ سوال کیا گیا۔

''فائن آرٹس اور لٹریچر......'' میں نے جواب دیا۔

''انگلش لٹریچر......'' پھر سے پوچھا گیا۔

''چھچھوری......'' بے ساختہ دلوں میں ایک لقب ابھرا۔ نور نے جواب دینے کی بجائے سر اثبات میں ہلایا۔

"کس کالج سے......" اُف اتنے سوال تو انٹرویو دیتے ہوئے بھی نہیں پوچھے جاتے ہوں گے۔ میرا اسٹیمنا جواب دینے لگا۔

"ہیلے سے......" حور نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا۔ میری ہنسی چھوٹ گئی۔ اس جواب کے بعد وہ نہیں بولی۔

میرا دل چاہا میں زور زور سے قہقہے لگاؤں۔ اُف کس قدر بے وقوف لڑکی ہے، ہیلے سے مرعوب ہوگئی؟ کیا وہ واقعی اتنی بے وقوف ہے یا جان بوجھ کر ایسا کر رہی ہے۔

"ہیلے سے تعلیم وہ بھی فائن آرٹس اور لٹریچر میں......؟"

ہاہاہا...... مزید چند سیکنڈ بعد مما نے ہمیں اٹھنے کا اشارہ کیا اور ہم دونوں بنا ادھر اُدھر دیکھے باہر کی جانب دوڑے اور اپنے کمرے میں آ کر دم لیا۔

"آج تمہاری باری تھی پھر مجھے جواب دینے کو کیوں کہا۔" میں کمرے میں آتے ہی بولی۔

"کیونکہ میں ہیلے میں نہیں پڑھتی۔" وہ اس انداز سے بولی کہ میری ہنسی نکل گئی۔

"اُف کس قدر مشکل ہوتی ہے کیٹ واک......" حور نے سر جھٹکتے ہوئے کہا اور پاؤں پسار کے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

لوگ کہتے ہیں یہ بھی انجوائے ایبل پریڈ ہوتا ہے۔"

نور اُس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ حور نے جواب نہیں دیا تھا۔ وہیں بیڈ پر نیم دراز ہو کے لیٹ گئی اور ہاتھوں کی انگلیاں چٹخانے لگی۔ اک بے معانی سی خاموشی کمرے کے در و دیوار سے جھانکنے لگی۔ جس نے کچھ پل کے لیے کمرے کی ہر شے کو منجمد کر دیا تھا۔

"حور......" میں نے دھیرے سے اُسے پکارا۔

"ہونہہ......" وہ اسی انداز میں لیٹے ہوئے بولی۔

"کیا سوچ رہی ہو......؟ کس قدر بے تکا سوال کیا تھا؟ وہ جو تم سوچ رہی ہو۔" اُس نے پیٹ کے بل کروٹ لی۔

"آٹھ مہینوں میں یہ گیارہواں رشتہ ہے، کیا ہم بہت بدصورت ہیں۔" نور کے لہجے میں افسردگی تھی۔

"آئینہ کیا کہتا ہے؟" حور اٹھ بیٹھی۔

"اُس کی چھوڑو۔" نور نے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اپنے دلکش عکس سے نگاہیں چراتے ہوئے کہا۔

"دادو کہتی ہیں روپ کی روئیں کرم کی کھائیں......" وہ آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"کیا ہمارے نصیب اتنے برے ہیں کہ روپ کو مات دے گئے۔" حور کی افسردگی پر میرا دل دہل کے رہ گیا۔

"میں مما سے کہتی ہوں وہ جو پچھلی بار دو گنجے بھائیوں کا رشتہ آیا تھا وہ اوکے کر دیں۔" نور نے چہرے پر زمانے بھر کی معصومیت سجاتے ہوئے کہا۔

"وہ گنجا میرے لیے رہ گیا ہے۔" نور کی بات پر وہ تڑپ اٹھی۔

"نہیں اُس کے بھائی کا سر بھی جھالر والا تھا۔" میرا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ میری بات کا مطلب سمجھتے ہوئے حور مجھ سے بھی زیادہ زور سے ہنسی۔

کمرہ پژمردہ ماحول سے آزاد ہو چکا تھا۔

اب وہ دونوں نئی بحث پر اُلجھ کے اپنے نصیب اور روپ کے سحر سے نکل آئی تھیں۔

قسمت میں جولکھا ہے وہ اکثر ہو کے رہتا ہے
چندا اُلجھی سی لکیریں ہیں ورنہ ہاتھوں میں کیا رکھا ہے

میں یعنی نور عین اپنی بہن حور عین سے پورے سات منٹ بڑی ہوں۔ ہم اپنے والدین کی اکلوتی جڑواں اولاد ہیں۔ ہمارا رنگ روپ، قد کاٹھ، انداز و اطوار، پسند ناپسند حتیٰ کہ سوچ بھی ننانوے فیصد ایک جیسی ہے۔ اگر کوئی ہمیں ایک جان دو قالب کہے تو غلط نہ ہوگا۔

مجھے نہیں یاد پڑتا کہ ہمارے درمیان کبھی کوئی معمولی سا بھی جھگڑا یا بحث ہوئی ہو۔ حالانکہ کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے کہ ہم میں بھی بہنوں والا جھگڑا ہو۔ کبھی میں روٹھوں کبھی وہ منائے لیکن ایسی نوبت ہی نہیں آئی۔ اگر یہ کہا جائے کہ حور ایسی نوبت آنے ہی نہیں دیتی تو غلط نہ ہوگا۔ سچ میں اُس کے اندر مجھ سے زیادہ قوتِ برداشت ہے۔ میں زندگی کو توڑ پھوڑ کے گزارنے کی عادی نہیں اور حور میں دنیا داری کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی ہے۔

میں اِس کی ان رواداریوں اور دنیا داریوں سے چڑ جاتی ہوں۔ مجھے بل دے کر بات کرنی نہیں آتی۔ اور حور وقت اور حالات کی نزاکت کو بڑی خوبصورتی سے نپٹا لیتی ہے۔ اس لیے تو بوجہ مطلب ہم ایک دوسرے کی کبھی ضرورت بن جاتی ہیں اور کبھی ڈھال......

اکثر اپنے جڑواں پن سے دوسری کو تنگ کرنے کا اپنا ہی مزہ ہے۔ بہت کم لوگ ہماری شناخت کر پاتے ہیں۔ کیونکہ اکثر یہ نہیں جانتے کہ ہم میں بظاہر کیا مشترک نہیں ہے۔

میرے دائیں اور حور کے بائیں کان کے پیچھے ایک انچ کا برتھ مارک ہے۔ جسے عموماً لوگ چاند گرہن یا سورج گرہن سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اس گرہن کی کہانی بھی عجیب ہے۔ دادو کہتی ہیں جب چاند گرہن لگا تھا تو پتہ ہی نہیں چلا اور تمہاری ماں نے حمل میں ماچس جلا دی تب ہی تو یہ نشان بنا۔ شکر کرو کہ نظر نہیں آتا۔ کچھ لوگوں کے چہرے پر نمایاں ہوتا ہے۔

''کتنی بار میں نے حمل کے دوران کہا کہ آنکھوں میں سرمہ ڈالو اور کروٹ کے بل لیٹ جاؤ۔ لیکن تمہاری ماں تو شروع سے ہی بھولی ہے۔''

''دادو کی منطق ......'' اف ہماری ہنسی نہ رکتی۔ دادو سورج گرہن اور چاند گرہن کا تعلق اس تو ہم پرستی سے نہیں سائنس سے ہے۔'' ہم تصیح کرتے جواباً دادو ہمارے وہ لتے لیتی کہ خدا کی پناہ۔

''رہنے دیں اماں اِن کو کیا پتہ ہو بڑے غلط تھوڑی کہہ گئے ہیں۔'' مما دادو کے غصے سے کانپنے لگی۔

''تمہاری اولاد ثریا بیگم انتہائی نا ہنجار ہے۔'' دادو بے دردی سے تبصرہ کرتیں اور ہم دل و جان سے جل جاتیں۔

''معافی مانگو دادو سے۔'' مما الٹا ہمیں ڈانٹنے لگتیں۔

''ہاں پہلے بدتمیزی کرو پھر معافی مانگو اللہ اللہ خیر صلا۔'' دادو کو ہماری برائی کا موقع ملنا چاہیے۔

''کیا واقعی دادو چاند گرہن یا سورج گرہن لگے تو لیٹ جانا چاہیے۔'' حور فوراً دادو کی چاپلوسی میں مگن ہو جاتی۔ دادو تو خوش ہو جاتیں اور میں اِس تو ہم پرستی سے جل اٹھتی۔

جب چاند سورج کے قریب جائے تو چاند گرہن ہوتا ہے اور سورج قریب آئے تو سورج گرہن......

میں دانت کچکچاتے ہوئے کہتی۔

دادو جو موڈ ٹھیک کر رہی ہوتیں پھر سے تیوریاں چڑھا کر مما کی تربیت کو کوسنے دینے لگتی۔

حور مجھے منظر سے غائب کرتی اور مما دادو کی منتیں شروع کر دیتی۔ مما کی وہ کلاس لگتی کہ مجھے افسوس ہوتا کہ میں تو ہم پرست کیوں نہیں؟''

حور کے لیے رشتہ آیا، اُس نے فوراً انکار کر دیا۔ دادو کا غضب اور مما کا غصہ دیکھنے لائق تھا۔

''لوتھا کی لوتھا ہوگئی ہے۔ کب کرنی ہے شادی؟'' اس عمر میں ہماری چار چار اولادیں تھیں۔ انہیں ننھی بننے سے فرصت نہیں۔'' دادو کی تقریر شروع ہو چکی تھی۔

''کیا آپ کی پالنے میں شادی ہوئی تھی؟'' میری زبان پر کھجلی ہوئی۔

دادو نے قریب پڑا جوتا مجھے دے مارا جو ٹھیک نشانے پر لگا۔

''بڑی بے حیا ہے ثریا تیری اولاد.....'' دو ہی اولادیں وہ بھی نوج لڑکیاں..... رج کے بدلحاظ اور زبان دراز.....'' دادو نے بے لاگ تبصرہ کیا۔

مما کی شامت آ چکی تھی۔ میرا دل خون ہوا، خدا گواہ ہے کہ مما جیسی گونگی، بہری، اندھی بہو میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ اِس کے باوجود دادو مما سے یوں سلوک کرتیں کہ مجھے دادو سے نفرت ہونے لگتی۔

''کیا تکلیف ہے تمہیں حور؟'' مما کی کپکپاتی آواز میرے اندر کی ہر سانس کو ساکن کر گئی۔

''کیا بھروسا تمہاری لڑکیوں کا، کوئی پھانس لیا ہوگا۔'' دادو کے اِس بے لاگ تبصرے پر مما کا رنگ فق ہوا تھا جبکہ میں اور حور اِس واہیات الزام پر ڈھے ہی گئیں۔ میں نے کوئی سخت سا جواب دینے کے لیے لب وا کیے کہ حور زبردستی مجھے وہاں سے لے گئی۔

''آلینے وہ اپنے باپ کو، وہی اگلوائے گا تمہارے کرتوتوں کو..... میں پکڑاؤں گی اُسے جوتا..... آئے ہائے رول دی میرے بیٹے کی عزت، میرا چھوٹا سا بیٹا اور ایسی منحوس لڑکیاں، کھا گئی اُس کی جوانی کو۔'' دادو اونچی اونچی آوازیں بول رہی تھی اور ساتھ میں ٹسوے بہا رہی تھی۔

پاپا کے آنے کا وقت تھا۔ مما کے ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔ میرے اندر تک سناٹے اتر آئے۔

''کیا ضرورت تھی اُن کے سامنے یہ بکواس کرنے کی؟'' حور نے کمرے میں آتے ہی ڈپٹا۔

''سن رہی ہو اُن کی باتیں.....'' میرا غصے سے برا حال تھا۔

''تم جانتی ہو اُن کی عادت پھر کیا ضرورت تھی یہ بکواس کرنے کی۔'' حور کا لہجہ بے حد سخت تھا۔

''تم جانتی ہو کیا ضرورت تھی۔'' میرا لہجہ ضدی اور خود سر تھا حالانکہ یہ میرے مزاج کا حصہ نہ تھا۔ لیکن جو کبھی میں کسی بات پر اڑ جاتی تو منواتے دم لیتی اب بھی میرے ہر انداز میں بلا کی ضد تھی۔

''ایڈونچر میں اور زندگی کو ایڈونچر بنانے میں فرق ہوتا ہے۔'' اُس کی تلخی برہمگی میں بدلی۔

''تم جو کہو مجھے پرواہ نہیں۔'' میری ہٹ دھرمی عروج پر تھی۔

''تم جانتی ہو پاپا کو وہ کس طرح مما پر برسیں گے۔'' حور روہانسی ہو کر بولی۔

میرے دل کو کچھ ہوا تھا میں نے بنا کوئی جواب دیے سر جھکا لیا۔ رات پاپا کی عدالت میں ہماری پیشی ہوئی۔ دادو پاپا کو صحن میں ہی ساری روداد سنا چکی تھی۔ انہیں اندر آنے کی مہلت نہیں ملی تھی۔ اور اکثر و بیشتر پاپا کو اندر آنے سے پہلے ہی ہر بات اِس طرح گوش گزار دی جاتی کہ پاپا اندر آتے ہی مما پر برس پڑتے۔

ایسی بھی کیا فرمانبرداری کہ اتنے سال گزارنے کے باوجود پاپا، مما کے مزاج کو نہ سمجھ سکے۔ اُن کے چہرے پر ہمیشہ دادو کی آنکھیں ہی کیوں لگی رہیں۔ اُن کے منہ میں دادو کی ہی زبان کیوں چلتی رہی۔ مانا ماں کا درجہ بہت اونچا ہے لیکن بیوی کے حقوق کے بارے میں بھی پوچھ گچھ ہوگی۔''

صرف ماں کی خوشنودی کے لیے آپ بیوی کو 'جوتی' کا درجہ دیں، یہ کہاں کا اسلام ہے۔ جو عقلمند مردوں کو پیدا کرتی ہے...... وہ عورت حیثیت میں اتنی بے وقعت کیوں ہوتی ہے؟'' اک ٹیس سی اُس کے دل میں اٹھی۔ وہ باپ کے اندر آنے کا انتظار کرنے لگی۔

''اماں! اِس وقت آپ صحن میں کیا کر رہی ہیں۔'' پاپا گھر میں داخل ہوتے ہی دادو کے پاس تخت پر بیٹھ گئے۔ دادی عشا کے بعد صحن میں وظائف پڑھتیں پھر تہجد پڑھ کے اندر جاتیں۔ اللہ اتنی دین دار دادو کے مزاج میں جانے کیوں خود غرضی، بے حسی اور غرور کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

''دین بندے اور اللہ کا ذاتی معاملہ ہے، تم فضول کی قیاس آرائیاں نہ کرو۔'' حور مجھے ٹوک دیتی۔

''گھر کا کوڑا باہر ہی رکھا جاتا ہے۔'' بڑا کڑوا جواب دیا گیا۔

''کیا ہوا اماں...... پاپا نے ہمیں پکارا۔ عدالت لگ گئی تھی مما کی جان نکلی ہوئی تھی۔ حور خوفزدہ اور میں مطمئن۔

''مجھے ابھی اس وقت بشارت کے گھر چھوڑ کے آؤ۔'' دادو نے ایک نیا شوشہ چھوڑا۔

''اُف دادو کے ناٹک ایک دن بھی اِن کا بشارت چاچو کے گھر گزارا نہیں۔ وجہ اُن کی بیگم دادو کے جوڑ کی ہیں۔''

''اماں ایسا کیا ہوا کہ آپ یوں روئے جا رہی ہیں۔'' پاپا نے انہیں ساتھ لگا لیا۔

''پوچھو اپنی بدلحاظ، بدزبان، بدکردار اولاد سے۔'' دادو نے ہماری ذات اور کردار کو پل بھر میں غلاظت سے لپیٹ دیا۔

میرا دل چاہا میں دادو کو کوئی سخت بات کہہ دوں لیکن اِس وقت وقت کا تقاضہ خاموشی تھا۔ پاپا نے شعلہ بار آنکھوں سے مما کو دیکھا۔ پہلے سے بدحواس مما اور بھی سہم گئی۔ اِس وقت مجھے وہ اُس ہرنی کی طرح لگیں جس کا بچہ اچانک کھو جاتا ہو...... میرے دل پر منوں بوجھ آ پڑا۔

''کچھ نہیں پاپا رشتے سے انکار میں نے کیا ہے۔'' میں نے مما کو بولنے کا موقع نہ دیا۔

''کیوں؟'' پاپا کا لہجہ نرم تھا۔

''توبہ توبہ کیسی بے حیا اولاد جنی ہے ثروت حسین تُو نے۔'' دادو نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔ انداز ایسا تھا کہ کسی بھی نرم خو انسان کو غصہ آ جاتا اس وقت تو مقابل پاپا تھے۔

''پوچھو کون ہے وہ؟'' کسی بھی غیرت مند انسان کو یہ بات غصہ دلانے کے لیے کافی تھی۔

''دادو بہت ہو گیا، میں بھاگ نہیں رہی کسی کے ساتھ، نہ کسی کو پسند کیا ہے، صرف یہ چاہتی ہوں کہ ہمارا رشتہ جڑواں بھائیوں سے ہو۔'' اُس نے تلخی اور بے صبرے پن کی انتہا کی۔ مما اور پاپا نے سکھ کا سانس لیا۔ حور کا جھکا سر اور بھی جھک گیا۔

''اے لو اور سنو...... تمہاری بیٹیوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے، بے شرمی دیکھو اپنے منہ سے بر مانگ رہی ہیں۔ توبہ توبہ قیامت کی نشانیاں۔'' دادو کا واویلا شروع، پاپا ہمیں دیکھ کر مسکرائے۔

''مجھے نہیں لگتا تم بیٹیوں کو بیاہو گے۔'' بے دردی سے تبصرہ کیا گیا۔ مما نے دہل کے دل پر ہاتھ

رکھا۔

''کہتے ہیں اصل سے سود پیارا ہوتا ہے۔''

لیکن دادو کو دیکھ کر اِس محاورے کی تصحیح کرنے کو دل چاہتا ہے۔ دادو کو یوں تو اپنے سارے پوتے، پوتیوں سے شکایت ہے لیکن ہم سے اِس شکایت کی اصل وجہ 'بیٹیاں' ہونا ہیں۔ اُن کے خیال میں اُن کے چھوٹے سے بیٹے کو (بقول دادو کی ممتا) وہ خون کی پیاسی جونک کی طرح چمٹ گئی ہیں۔ اف دادو کے ہولناک تبصرے ہولا دیتے ہیں۔

''تم رشتے والی خالہ سے کہہ دو جیسے میری بیٹیاں چاہئیں۔'' پاپا نے مما کی طرف دیکھتے ہوئے فیصلہ سنایا۔ اُن کی بات ہمارا سیروں خون بڑھا گئی اور دادو تنک کے رہ گئی۔

مما نے بے بسی سے پاپا کو دیکھا تھا۔ کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ اُن کا یہ فیصلہ مما پر کتنا بھاری پڑنے والا ہے۔ دادو مما کو وہ سناتی کہ اللہ کی امان۔ کبھی کبھی تو مجھے لگتا کہ مما کوئی گائے ہیں۔ جس کھونٹے سے باندھ دیا گیا ہے...... نہ کوئی جواب، نہ تصیح۔ ناجائز باتوں پر صبر کرنا کہاں کا اسلام ہے۔ مما کے پاس ہمارے کسی سوال کا جواب نہیں۔

''معلوم نہیں پاپا نے دادو کو کیسے منایا لیکن پاپا کا ووٹ ہمیں ملنا دادو کو سلگا گیا تھا۔ انہیں 'ناں' سننے کی عادت نہیں تھی، ساری عمر اپنی اولاد پر انہوں نے کسی حکمران کی طرح حکومت کی اور اولاد بھی ایسی مظلوم رعایا کہ کبھی اُن کے خلاف جا کے کسی بات کو نہیں منوایا۔ جس نے منوایا اُس کو اپنی زندگی سے بے دخل کر دیا گیا۔

دادو کے تین بیٹے اور ایک بیٹی...... بیٹی بیاہ کر لندن چلی گئی اُن کی صرف چار بیٹیاں ہیں۔ (دادو کو ہم دو کھٹکتی ہیں وہ چار نہیں۔) ایک بیٹا دبئی میں ہوتا ہے۔ وہ بے اولاد ہیں۔ دادو نے کئی بار انہیں دوسری شادی کے لیے کہا ہر بار صداقت چچا نے انکار کر دیا۔ دادو نے ہر حربہ آزمایا۔ ڈانٹ کے، غصے سے، ناراضگی، پیار، جذبات، لیکن صداقت چاچو کی ناں، ہاں میں نہ بدلی۔ نتیجتاً اپنے آگے بغاوت کرنے کے جرم میں دادو نے چچا کو گھر بدر کر دیا۔ بلکہ اُن سے ہر ناتا توڑ لیا۔

یہ تب کی باتیں ہیں جب ہم بمشکل آٹھ سال کی تھیں۔ لیکن وہ باتیں میرے حافظے میں آج بھی کل کی طرح فیڈ ہیں۔

صداقت چاچو شادی کے پانچ سال دادو کے ساتھ رہے۔ اور اِن پانچ سالوں کی اذیت نے چچا کو ذہنی مریض بنا دیا۔ دادو کی اذیتیں، اُن کے طعنے، الزامات، وہ برستی شام جب دادو نے ہر حد کو پاٹا تھا۔ چچا کے ساتھ شادی پر بحث کے بعد چچا حسب عادت گھر چلے گئے۔

رات گئے واپسی پر انہیں چچی گلی میں بنا دوپٹے کے بیٹھی ملیں۔ دادو نے انہیں گھر سے نکال دیا تھا۔ وہ فیصلہ جو چچا پانچ سالوں میں نہیں کر پائے تھے، پانچ لمحوں میں کیا۔ انہوں نے گھر ملک تک چھوڑ دیا۔ ماں سے گلہ اپنی جگہ انہیں بھائیوں سے بھی شکوہ تھا کہ انہوں نے اماں کو روکا کیوں نہیں۔ اس لمحے چچا بھول گئے تھے کہ دادو کے آگے بولنے کی ہمت کسی کی نہیں چاہے وہ بات صحیح ہو یا غلط......

دبئی جا کے انہوں نے بہت عرصہ تک کسی سے رابطہ نہ کیا۔ آٹھ سال بعد دادو کو ہارٹ اٹیک ہوا تب وہ پاکستان آئے تھے۔ اس وقت ہم میٹرک میں تھیں۔ ارادتاً نہیں اتفاقاً میں نے چچا اور پاپا کی باتیں سنی تھیں۔ تب مجھے دادو سے شدید ترین نفرت محسوس ہوئی۔

''تُو اماں کی بات مان لے یار......'' پاپا نے لجاجت سے کہا تھا۔

"میرے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں بھائی۔" وہ رو پڑے۔

"زبیدہ سے محبت اپنی جگہ لیکن اماں کی حکم عدولی تجھے مہنگی پڑے گی۔"

"بھائی میں اماں کو نہیں سمجھا سکتا یہ حکم عدولی نہیں قدرت کا فیصلہ ہے اور میں تقدیر سے لڑ نہیں سکتا۔" وہ پاپا کی بات کاٹ کے بولے۔

"وجہ......" مختصراً سوال۔

"میں ایک چھوڑ سات شادیاں بھی کروں گا تب بھی میری زندگی میں کوئی قلقارے مارنے والا نہیں آئے گا، بانجھ زبیدہ خاتون نہیں آپ کا بدنصیب بھائی ہے۔" وہ پاپا کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

ضبط کی شدتیں جب ٹوٹتیں تو کائنات کو رلا دیا۔

"پاپا فق چہرہ لیے حق و دق انہیں دیکھنے لگے۔

"بتا دینے سے میرا غم ہلکا نہیں ہو جاتا۔ میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہوتے ہیں زبیدہ نے میرا لباس ہونے کا حق ادا کیا۔ وہ کہتی ہے کہ اس حقیقت کا پتہ کسی کو نہ چلے۔ آپ کو بتانا میری مجبوری تھی۔ نہ بتاتا تو نافرمان ٹھہرایا رہتا۔ ہو سکتا ہے کل میں نہ رہوں۔ کم از میری فرمانبرداری کی گواہی دینے والا تو کوئی ہوگا ناں۔ میری بیوی کو رشتوں میں پناہ تو مل جائے گی ناں۔ اُس بھلی عورت نے میری خاطر ہر تکلیف برداشت کی، میرا لباس بنی، مجھے اپنا نہ بننے دیا۔ میرے عیب پر پردہ ڈال دیا۔ کہتی ہے مرد ایسے طعنے برداشت نہیں کر پاتے۔"

"وہ چاہتی تو مجھے چھوڑ سکتی تھی۔ بھائی کیا میرا اتنا بھی فرض نہیں کہ میں اس بڑی دنیا میں اُس کی چھت بن جاؤں۔" وہ روتے ہوئے بولے۔ پاپا نے انہیں گلے لگا لیا۔

دادو ہاسپٹل سے گھر شفٹ ہوئیں تو چاچو واپس چلے گئے۔ دادو نے انہیں روکنے کی کوشش نہ کی۔ بلکہ یہ کہا 'ماں کا دل دکھایا ہے کبھی خوش نہیں رہے گا۔'

اِس بات پر پاپا نے دہل کے دادو کو دیکھا تھا۔ ایسی کٹھور عورت میں نے زندگی میں نہیں دیکھی۔ میں نے کبھی انہیں صداقت چاچو کے لیے اُداس ہوتے نہیں دیکھا۔

وہ آج بھی فون کرتے ہیں لیکن دادو نے کبھی اُن سے بات نہیں کی۔ اُن کے خیال میں وہ ناہنجار اور نافرمان اولاد ہیں۔ دادو بھلا کیا جانتیں کہ اُن کی کمزوری پر رب نے پردہ ڈال دیا ہے اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ کون نافرمان ہے اور کون مجبور......"

"میں جانتی ہوں کہ جڑواں بھائیوں کا رشتہ ملنا مشکل ہی نہیں کسی حد تک ناممکن بھی ہے لیکن مجھے دادو سے ٹکرانا ہے ہر حال میں۔" میرے اندر اِسی دادو کا خون گردش کرتا ہے اور مجھے اِن جیسی ضد ورثے میں ملی ہے۔

دادو کی تو بات ہی الگ ہے انہیں اپنے تینوں بیٹوں سے شکوہ ہے سوائے بیٹی کے۔" حالانکہ دادو کی کوئی اولاد اُن پر نہیں گئی کاش جاتی تب ہی دادو کو احساس ہوتا کہ ظالم اور مظلوم میں کیا فرق ہوتا ہے۔ فرمانبرداری اور نافرمانی کسے کہتے ہیں۔

بشارت تایا اِس لیے اچھے نہیں لگتے کہ مومنہ تائی دادو کی روک ٹوک برداشت نہیں کرتیں وہ شادی کے محض چند سال بعد علیحدہ ہوگئی تھیں۔ انہیں دادو کی حکمرانی پسند نہیں تھی۔ بشارت تایا سے اُن کی پسند کی شادی تھی۔

سچ تو یہ ہے کہ وہ واقعی چاہے جانے کے قابل ہیں۔ اتنی سوفٹ، اس قدر نرم کہ دل چاہتا تھا کہ بندہ اُن سے محبت کرے۔

یوں تو چاچو اور تایا نے بھی کبھی دادو کو 'اف' تک نہیں کہا لیکن پاپا تو انہیں دیوی مانتے ہیں۔ مما انہیں

ماں کی طرح سمجھتی ہیں۔ اِس کے باوجود 'مما' ناپسندیدہ بہو ہیں۔

مومنہ تائی کہتی ہیں کہ اِس ناپسندیدگی کی وجہ 'دادا ابو' ہیں۔ کیونکہ مما اُن کے بھائی کی بیٹی ہے۔ اور اپنی تنگ مزاجی کی وجہ سے دادا ابو ساری عمر اُن کی ہٹ لسٹ پر رہے ہیں تو اُن کی لائی بہو کیسے پسند ہوگی۔

کہنے والے تو یہ بھی کہتے ہیں کہ دادا ابو نے دادو کو پھوپو کی شادی سے پہلے طلاق دے دی تھی۔ اس کے باوجود دونوں ایک ہی گھر میں علیحدہ چھتوں میں رہے۔ دونوں شاذ و نادر ہی گھر میں اکٹھے پائے جاتے۔

دادا ابو کو اپنی اولاد بے حد عزیز تھی۔ اُن کی حلیم و شفیق طبیعت نے اولاد کی خاطر ہمیشہ دادو کو سہا۔ اُن کی ہمت تھی کہ چالیس برس ایک تنگ مزاج، خود غرض، بے حس عورت کے ساتھ نبھا کیا۔ اگر چالیس سال یہ تعلق بنا رہا تو اس میں دادا ابو کی کوششیں تھیں اور اگر ٹوٹا تو دادو کا ہاتھ.....

اِس طلاق کی آنکھ مچولی کے آٹھ ماہ بعد پھوپو کی شادی ہوگئی۔ اور صرف تین دن بعد دادا ابو کو شدید ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ جانبر نہ ہو سکے۔

سچ اور جھوٹ کبھی عیاں نہ ہو پایا، دادو کی شاطرانہ طبیعت نے آخری ثبوت بھی غائب کر دیا اور آج تک بیوگی کی چادر نہیں اُتاری۔ وہ میت کے پاس بیٹھ کر روئی نہیں تھیں بلکہ خود کو ہوش و حواس سے بیگانہ کر دیا تھا۔ بھرم بھی رہ گیا اور بیوگی کی چادر نے عزت بھی قائم رکھی۔ اللہ جھوٹ نہ بلوائے تو ہمیں مومنہ تائی کی باتوں پر اتفاق کم ہی ہے لیکن دادو اِس قدر خود غرض اور بے حسی کا مظاہرہ کر جاتیں ہیں کہ ہمیں نا چاہتے ہوئے بھی یقین کرنا پڑتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ مجھے وہ عزیز نہیں لیکن آج کے اُن کے الزام نے مجھے سچ میں اُن سے متنفر کر دیا ہے۔

مومنہ تائی سچ کہتی ہیں کہ دادو کے گرد صرف انا، خودداری اور 'میں' کا حصار ہے۔ اِس کے باہر انہیں کچھ نہیں نظر آتا۔ وہ سمجھتی ہیں کہ سفید کپڑے پہن لینے سے یا ہاتھ میں تسبیح پکڑ لینے سے سارے حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا ہو جاتے ہیں۔ دادو نہیں جانتی کہ

درد دل کے واسطے پیدا کیا انساں کو
ورنہ اطاعت کے لیے کم نہ تھے کرّ و بیاں

وہ اللہ کی مخلوق پر رحم نہیں کرتیں، اپنی زبان سے ایسے وار کرتی ہیں کہ سامنے والا بلبلا اٹھتا ہے۔

''میں تو اُس عبادت کو عبادت نہیں سمجھتی جو بندہ کو تکلیف میں مبتلا کر کے کی جائے۔ یہ کیا ہاتھ میں تسبیح کے دانے گھماتے جاؤ۔ منہ سے بد خوئیاں کرتے جاؤ۔ نہ پتہ چلے عبادت ہو رہی ہے نہ پتہ چلے چغلیاں لگ رہی ہیں۔'' نور نے بلا لاگ تبصرہ کیا۔

''عبادت، مذہب ہر ایک کا ذاتی مسئلہ ہے تم فتویٰ جاری کرنے والی کون ہوتی ہو۔'' مجھے اُس کے اِس تبصرے پر برا لگا۔

''اللہ فرماتا ہے کہ اگر تم نماز پڑھ رہے ہو اور قریب کوئی کنویں میں گر جائے تو نماز چھوڑ کے اُس کی جان بچاؤ۔ نہ کہ اپنی زبان سے اُس کی مخلوق کو گھائل کرو۔'' اِس کے بعد کہاں گنجائش رہ جاتی کہ ذاتیات اور مخلوق کی پروا میں کتنی گنجائش ہے۔ اللہ نے حقوق العباد کو اپنے نزدیک افضل ترین عمل قرار دیا ہے۔'' حور نے تقریر کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ نور چپ کی چپ رہ گئی۔

''او کے! زیادہ مولانا نہ بنو آج مومنہ تائی نے آنا ہے چلو کچن میں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

''کیوں آرہی ہیں؟'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"اپنے بیٹے کا رشتہ لا رہی ہیں۔" اُس نے مذاق اڑایا۔ تو دونوں ہنس دیں۔ بعض اوقات سرسری سے باتیں ہماری زندگیوں میں کس قدر اہمیت اختیار کر لیتی ہیں کہ ہمیں خود بھی احساس نہیں ہوتا۔

مومنہ تائی رات کو آئیں تو اُن کی آمد بے مقصد نہیں تھی۔ وہ اپنے ذہین فطین، خوبرو، قابل بیٹے کا رشتہ نور کے لیے لائی تھیں۔

دادو نے ناک بھوں چڑھایا۔ مومنہ تائی انہیں کسی طور قبول نہ تھیں ماما متذبذب، پاپا حیران...... بیٹیوں سے وعدہ نہ کیا ہوتا تو اتنا اچھا رشتہ، عزیز از جان بھتیجا بھلا وہ ایک پل بھی کہاں سوچتے، بات دراصل یہ ہے بھابی...... "پاپا نے گلا کھنکھارہ۔

"ہاں اشتہار لگا دو اپنی بیٹیوں کی بے باکیوں کا۔" دادو نے توپوں کا رخ بدل لیا۔ تایا اور تائی نے پاپا کو چونک کے دیکھا۔ مما کا رنگ فق ہو گیا پاپا نے سر جھکا۔

"سب خیر ہے نہ......" تائی نے ماحول کے سکوت کو توڑا۔

"جی بھابی......" دھیمے سے جواب دیا گیا۔

"ہاں ایسی بدزبان لڑکیوں کے ہوتے خیر کہاں۔" دادو نخوت سے بولیں۔

"اماں آپ چپ رہیں گی۔" یکدم پاپا نے غصے سے کہا۔

"ثروت...... تایا نے ٹوکا انہیں پاپا سے ایسے رویے کی امید نہ تھی۔

"مجھے ایاز سے عزیز کوئی نہیں......لیکن میں اپنی بیٹیوں کے لیے جڑواں بھائیوں کا خواہاں ہوں۔" سنجیدگی سے کہتے انہوں نے تایا کو دیکھا۔ ماما کا سر شرمندگی سے جھک گیا۔ لیکن وہ بولی کچھ نہیں۔ کیونکہ اُن میں فیصلہ کرنے یا اپنی بات کی وضاحت کرنے کی ہمت نہیں تھی۔

مومنہ بھابی مسکرائی۔

"او کے اگر ایسا رشتہ نہ ملا تو نور میری بیٹی بنا دینا۔" تایا ابو نے ماحول کی کثافت کو کم کیا۔ پاپا کھل کے مسکرائے۔

"بھابی آپ شرمندہ نہ ہوں، مجھے خوشی ہے کہ ثروت نے اپنی بیٹیوں کے لیے دل سے فیصلہ لیا۔" اُن کی بظاہر یہ بات ثروت حسین کے دل میں انی کی طرح لگی۔ انہوں نے شرمندگی سے سر جھکایا۔

"اب کھانا ملے گا۔" تایا نے پیٹ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ سب ہنس دیے۔ کھانا بے حد خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔ چائے کے بعد دونوں رخصت ہوئے۔

"اماں آپ نے کھانا کیوں نہیں کھایا۔" پاپا نے اُن کے گلے میں بانہیں ڈال کے پوچھا۔

"میں کہتی ہوں میاں تم بیٹیوں کی چھت ڈال لو...... ہر آئے رشتے کو ٹھکرا رہے ہو۔ یا بیوی سے کہو اب یہی کوئی جڑواں بیٹے جن دے۔" بے حد کسیلا لہجہ اوپر سے زہر میں لپٹے لفظ پاپا بلبلا اٹھے۔

"خدا کے لیے اماں بس کر دیں، جینے دیں ہمیں، میں نے آپ جیسا سنگدل نہیں دیکھا کہ جسے اولاد کی خواہش اور خوشی کا احساس نہ ہو۔" پاپا چیخ پڑے۔

"ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ وہ اتنے غصے میں تھے۔

"ہمیں کیا ہماری بلا سے انہیں ساری عمر گھر میں بیٹھائے رکھو۔" دادو باز نہ آئیں۔ پاپا لب کاٹ کے رہ گئے۔ سخت لفظ اور سخت لہجہ انہیں پہلے ہی پشیمان کر رہا تھا۔

انہوں نے ہماری طرف دیکھا۔

"ثریا انہیں کمرے میں لے جاؤ۔"

"پاپا......" ہم دونوں نے قریب آ کر کہا۔

"کمرے میں جاؤ میرا بیٹا۔" پاپا نے ہماری پیشانی چومی۔ دادو نے سر جھکا۔

"میں شرمندہ ہو کے بے حد عاجزانہ التجا کرتا ہوں اماں، آئندہ میری بیٹیوں کے بارے میں سوچ کر بولیے گا۔" انداز دھیما، لفظ ٹھنڈے، دادو اپنی جگہ سرد ہو کے رہ گئی۔ انہیں پاپا سے ایسی امید نہ تھی۔ پاپا کہہ کے رُکے نہیں تھے۔ اُن کے جانے کے بعد دادو کا واویلا چھت پھاڑنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

بیٹیاں وفاؤں جیسی ہوتی ہیں
تپتی زمین پر آنسوؤں کے پیار کی صورت
چاہتوں کی صورت ہوتی ہیں
بیٹیاں خوبصورت ہوتی ہیں
دل کے زخم مٹانے کو
آنگن میں اترتی بوندوں کی طرح ہوتی ہیں
بیٹیاں پھولوں کی طرح ہوتی ہیں
نامہربان دھوپ میں سایہ دیتی ہیں
نرم ہتھیلیوں کی طرح ہوتی ہیں
بیٹیاں تتلیوں کی طرح ہوتی ہے
چڑیوں کی طرح ہوتی ہیں
تنہا اُداس سفر میں رنگ بھرتی ہیں
رداؤں جیسی ہوتیں ہیں
بیٹیاں چھاؤں جیسی ہوتی ہیں
کبھی بنا سکیں، کبھی چھا سکیں
بیٹیاں ان کہی صداؤں جیسی ہوتی ہیں
کبھی جھکا سکیں، کبھی مٹا سکیں
بیٹیاں اناؤں جیسی ہوتی ہیں

پرائیویٹ ہاسپٹل کے لیبر روم کے باہر خاموش کاریڈور کے سینے پر اپنا اضطراب اور بے چینی انڈیلتے وہ زمین کو بھی بے قرار کر رہا تھا۔ ہر بار اُس کی نگاہیں بند دروازے کی جانب اٹھتیں اور مایوس پلٹ آتیں۔ اُن کے اندر کا اضطراب اُس کے ہر ہر پہلو سے عیاں تھا۔

"اللہ مجھے بیٹا چاہیے۔" لفظوں میں ناصحانہ پن اور بچوں سی ضد تھی۔ اس وقت اُس کی بیوی موت اور زندگی کی جنگ لڑ رہی تھی۔ اُس شخص کی خود غرضانہ سوچ عروج پر تھی۔ نو مہینے اُس نے کوئی دربار، کوئی مزار، کوئی در ایسا نہ چھوڑا جہاں بیٹے کے لیے دعا نہ مانگی ہو۔ اگر کوئی اُن سے پوچھتا۔

"تیری زندگی کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے۔" وہ اک لحہ بھی ضائع کیے بنا 'بیٹے' کی خواہش کا اظہار کرتے۔

بے بے جنت (اُس کی دادی) نے بہترا سمجھایا کہ بیٹی اور بیٹا اللہ کی دین ہے۔ تو اچھی اور نیک اولاد مانگا کر، صحت اور تندرستی والی، نیک اور صالح، لیکن ثروت حسین ہر بار اُن کی نصیحتوں کا جواب اس انداز سے دیتے کہ بے بے جنت سرد ہو جاتیں۔

"ایسا نہ کہہ بیٹا......" اُن کی نرم خو طبیعت بیٹے کی ضد پر دہل اٹھتی۔

"بیٹا نہیں تو میں بے اولاد اچھا۔" انتہائی سفاکی سے کہا گیا۔

اللہ سے ڈر، صاحب اولاد ہونا خوش قسمتی ہے۔

بس کر بے بے جنت عمر کے اِس دور میں تو مجھ سے بیر ختم کر دے۔ تو چاہتی ہی نہیں میرے بیٹے کو میٹھا میوہ ملے۔" خود تُو نے سات لڑکیاں پیدا کیں ایک بیٹا وہ بھی ادھار کا، آمنہ خاتون کی زبان میں قید ہوتے وہ ایسے وار کرتیں کہ بے بے جنت بلبلا اٹھتیں۔ زبان سے نہ کہیں لیکن اللہ تک اُن کی آہیں ضرور جاتیں۔

ثروت حسین کی بیوی جب سے پیٹ سے ہوئیں تھیں ان ماں بیٹا نے 'بیٹے' کی رٹ لگا رکھی تھی۔ بے بے جنت سمجھا سمجھا کے خاموش ہو گئی اور

ایسی خاموشی کہ قیامت تک انہیں چپ لگ گئی۔
مرنے سے کچھ روز پہلے انہوں نے ثروت حسین کو بلایا تھا۔

"دیکھ ثروت...... میں جانتی ہوں کہ تجھے میرا سمجھانا بُرا لگتا ہے لیکن تیری باتیں مجھے ہولاتی ہیں۔ مرتے ہوئے بھی تیری جانب سے بے سکون ہوں۔" ثروت نے چونک کے انہیں دیکھا۔

"مرنے کا دن مقدر ہے، کاش میں تیری اولاد دیکھ پاتی، اللہ تجھے میٹھا میوہ دے، میں نے سات بیٹیوں کے باوجود بھی اللہ سے ضد کر کے بیٹا نہیں مانگا۔ اگر میرے نصیب میں ہوتا تو بن مانگے مل جاتا۔ حقیقت ہے کہ بیٹا اور اُس کی کمائی نصیبوں سے ملتی ہے۔" وہ آہستگی سے ٹھہر ٹھہر کے بول رہی تھیں۔ ثروت حسین کی بے زاری عروج پر تھی۔

"دیکھ ثروت......"

"اللہ کے لیے بے بے بس کر دے۔" وہ ہاتھ جوڑ گئے۔

بے بے نے تاسف سے انہیں دیکھا اور آنکھیں موندلیں۔ وہ بڑبڑاتے وہاں سے اُٹھ آئے۔ جتنی دیر زندہ رہیں ثریا خاتون کی ڈھال بنی رہیں وہ کم سن سترہ، اٹھارہ برس کی دبو سے لڑکی اِس گھر میں بیاہ کے آئی تھی۔ بن ماں کی بچی کو بے بے نے یوں چھاتی سے لگایا کہ سگی ماں بھی نہ ایسا کرتی۔ اُن کے مرتے وقت وہ سات ماہ کی حاملہ تھی۔ اُن کی موت پر وہ یوں تڑپ تڑپ کے روئی کہ جیسے سگی ماں مرگئی ہو۔

نو مہینے جس بے صبری اور اتاولے پن سے ثروت حسین نے گزارے اب اُس کے انعام کا وقت تھا۔ وہ منتظر تھے کہ کب نرس گول مٹول سا بیٹا اُن کی گود میں لا کے دیتی اور وہ لال نوٹوں سے اُس نرس کی ہتھیلی کو مٹھی بنادیے۔ آخر لمحہ آ گیا۔ نرس نے دروازہ کھولا۔

دونوں ماں، بیٹا بے صبری سے اُس کی طرف لپکے۔

"مبارک ہو آپ کو۔"

"میرا بیٹا کیسا ہے؟" ثروت حسین نے حماقت کی انتہا کی تھی۔ نرس نے ہونقوں کی طرح انہیں دیکھا۔

پل بھر میں وہ بات کی طے تک گئیں۔

"آپ کے...... جڑواں بیٹیاں ہوئی ہیں۔" وہ جھجکتے ہوئے بولیں۔ قدرت نے بڑی زور کا طمانچہ اُن کے چہرے پر مارا تھا۔ ہاسپٹل کی چھت اُن پر آن گری۔ ثروت حسین کو تو جیسے سکتہ ہو گیا تھا۔

آمنہ خاتون ثریا کو کوستے نڈھال بینچ پر بیٹھ گئیں۔ نرس نے تاسف سے انہیں دیکھا اور سر جھٹکتی دوبارہ اندر چلی گئی۔ کچھ لمحے بعد ڈاکٹر باہر نکلیں۔

"میری زندگی کا یہ مشکل ترین کیس تھا۔ بے حد مشکل سے ماں اور بچیوں کو بچایا گیا ہے۔" وہ پروفیشنل انداز میں بول رہی تھیں۔

کچھ جواب نہ پا کے انہوں نے ثروت حسین کی جانب دیکھا۔

"مسٹر......" انہیں جھنجھوڑا۔

"جی......" وہ ہڑبڑا کے انہیں دیکھنے لگے۔

"ہمیں افسوس ہے۔" وہ رُکی اور دم سادھے ثروت حسین کو دیکھا۔

"حمل کے دوران ذہنی پرابلمز کی وجہ سے زچگی میں ایسی پیچیدگیاں ہوگئیں تھیں کہ......"

"ہمیں افسوس ہے کہ آپ...... کی بیگم دوبارہ ماں نہیں بن سکتیں۔" وہ کہہ کے اُن کے پاس سے نکلتی چلی گئیں۔

ثروت حسین کے پیروں تلے زمین نکلی تھی۔ وہ تو جڑواں بیٹیوں کے سکتے سے نہیں نکل پائے تھے اور

یہ نیا صدمہ ہائے منحوس' آمنہ خاتون نے سینے پر دو ہتڑ مارے اور بین کرنے لگی۔

''اگر بیٹی ہوئی تو......'' اک بار ثریا نے ڈرتے ہوئے پوچھا تھا۔

''میں اُس کا گلا دبا دوں گا۔'' وہ سفاکی سے بولے تھے۔ اللہ نے اُن کے بول اُن کے منہ پر مارے تھے۔ آگے کے رستے بند اور دو بیٹیاں...... وہ پورے قد کے ساتھ زمین پر گرے تھے۔ آمنہ خاتون کا واویلا ہاسپٹل کی چھت پھاڑنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

صدمہ بلکہ خود ساختہ صدمہ اس قدر شدید تھا کہ وہ ذہنی طور پر مفلوج ہو کے رہ گئے خود ثریا کے لیے یہ حقیقت قہر قیامت تھی۔ آج ساتواں دن تھا وہ پوری طرح حالات سے نظریں چرائے گہری نیند میں جا چکی تھی۔ جہاں سے واپسی کا یقین ڈاکٹرز کو بھی نہ تھا۔ ذہنی پریشانی اُن کی ساری خوشیوں کو مردہ کر گئی تھی۔ وہ کومے میں چلی گئی تھی۔

دوسری جانب ثروت حسین حالات کو بھنے کی کوشش میں ہلکان منظر سے غائب تھے۔ اماں الگ کوسنے اور بددعائیں دینے میں مشغول تھیں۔

''تو بہ ایسا ظالم باپ دیکھا نہ سنا۔'' نرسیں بچیوں کو بلکتا دیکھ کر کانوں کو ہاتھ لگاتیں۔ پورے ہاسپٹل میں اماں دیوانوں کی طرح واویلا کرتیں۔ ڈاکٹرز پریشان، نرسیں تنگ، دیکھنے والوں کے لیے الگ تماشہ، بشارت حسین زبردستی انہیں لے جانے آئے تھے۔

''جب تک میرا بیٹا نہیں آتا میں نہیں جاؤں گی۔'' وہ چلا چلا کر کہتی۔ بشارت حسین زبردستی انہیں ساتھ لے گئے۔ دونوں بچیاں مومنہ کے سپرد کر دی گئیں۔ ثریا کو گھر بھیج دیا گیا انہیں دوا سے زیادہ دعا کی ضرورت تھی۔ دونوں بھائی جلے پیر کی بلی بنے ثروت حسین کو ڈھونڈ رہے تھے۔

اماں رقیہ کو قریب نہ آنے دیتی۔ مومنہ گھن چکر بنی سب حالات کو سنبھال رہی تھی۔ پورے انیس دن بعد اخبار میں اشتہار دیکھ کر صداقت حسین مطلوبہ جگہ گئے تھے۔ وہ ایک مزار کے باہر بیٹھے جوگی لگ رہے تھے۔ بکھرے بال، میلے کپڑے، براحال' صداقت حسین دل تھام کے رہ گئے۔ اُن کی ذہنی حالت بری طرح توڑ پھوڑ کا شکار تھی۔

''بھائی جی......'' انہوں نے ساتھ لگا لیا۔

''پوچھ اُس سے کتنی بار میں نے اُس سے بیٹا مانگا تھا۔'' وہ مزار کے طرف اشارہ کرتے ہوئے چلائے۔

صداقت حسین کا دل چاہا کہ کہیں جو شخص خود اس وقت قیامت کا منتظر ہے وہ تمہارے لیے دعا کیا کرے گا۔ جسے خود کو کیڑے مکوڑے کھا گئے وہ تمہاری فریاد رسی کیا کرے گا۔ لیکن اس وقت تقاضہ ان باتوں کا نہ تھا۔

''خدا سے شکوہ نہیں کرتے بھائی۔ اُس کی رضا میں ہی سکون ہے۔'' وہ اُسے دلاسہ دینے لگے۔

''اللہ سے کہو مجھے بیٹا دے دے۔'' وہ بچوں کی طرح ضدی ہوئے۔

''بھائی۔'' صداقت حسین بے بسی سے انہیں دیکھنے لگے۔

''پوچھو اللہ سے میں نے کتنی ہزار بار دعائیں مانگی تھیں۔'' وہ اپنی بے بسی پر رو دیے۔ صداقت حسین انہیں دیکھتے رہ گئے۔

''میں نے التجا کی، منت مانی پھر بھی اللہ نے مجھے بیٹا نہیں دیا۔'' وہ ضبط اور کرب کی انتہاؤں پر کھڑے تھے۔

''کیا یقین سے مانگا......'' صداقت حسین بولے بنا نہ رہ سکے۔ ثروت انہیں دیکھتے رہ گئے۔

"ضد سے مانگا...... دھڑلے سے مانگا۔ صرف یقین اور پختگی سے نہیں مانگا۔" وہ ہزار کوشش کے بعد بھی اُن کی باتیں برداشت نہ کر پائے۔

"مجھے بیٹا چاہیے۔" وہ بلک اٹھے۔

"بھائی آپ کے نصیبوں میں بیٹا ہوتا تو مل جاتا۔ بیٹا کوئی بازار میں نہیں ملتا، سنبھالیں خود کو۔" وہ انہیں ساتھ لگائے گھر لے آئے۔

انہیں زبردست نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔ آمنہ بیگم کے دل میں پوتیوں اور بہو کے لیے نفرت میں دوسوگنا اضافہ ہوا تھا۔ سترہ گھنٹے بعد انہیں ہوش آیا تھا۔

"مجھے آپ سے ایسی دقیانوسیت کی امید نہیں تھی۔" صداقت حسین کو اُن کے رویے پر دلی افسوس ہوا تھا۔

"امید تو مجھے بھی نہیں تھی کہ میرا بیٹا نہیں ہوگا۔" لہجے میں نمی واضح تھی۔

"شکر کر صاحب اولاد ہوا ہے میری جانب دیکھ ادھوری زندگی گزار رہا ہوں۔" اُن کے لہجے کی حسرت نے ثروت حسین کا دل چیر دیا تھا۔

"تُو نے اپنی بیٹیاں دیکھی ہیں۔" وہ محبت سے بولے۔

ثروت حسین نے آنکھیں موندلیں۔

"حقیقت کو پوری ہمت کے ساتھ قبول کرو گے تو تکلیف کم ہوگی۔ ثروت حسین نے گہری سانس لی۔

"ڈاکٹرز کہتی تھیں اس ہفتے جتنی بھی لڑکیاں پیدا ہوئیں اُن میں سب سے خوبصورت یہ دو بہنیں ہیں۔ اور شاید بدنصیب بھی۔" بدنصیب کہتے ہوئے اُن کا دل دہلا تھا۔

وہی ثروت حسین نے چونک کے انہیں دیکھا۔

"وہ بدنصیب ہی تو ہیں کہ ابھی تک اُن کے ماں باپ نے انہیں دیکھا نہیں۔ اُن کے لمس کو محسوس نہیں کیا۔ اُن کا نام نہیں رکھا۔" صداقت حسین کی آواز بھرا گئی۔

"تو کیوں نہیں سمجھتا صداقت مجھے بیٹیاں نہیں بیٹا چاہیے تھا۔" وہ بے بسی سے بولے۔

"کیوں، اتنی نفرت کیوں بیٹیوں سے؟" وہ زچ ہوئے۔

"کیا ہمارے محمدﷺ کی بیٹیاں نہیں تھیں پھر تیری کیا اوقات ثروت حسین۔" انہوں نے حتیٰ الامکان اپنے لہجے کو نرم رکھنے کی کوشش کی۔

"میں انہیں پالوں گا، پڑھا لکھا کے بڑا کروں گا۔ پھر انہیں کوئی لے جائے گا۔ وہ میری بیٹیوں پر ظلم کرے گا۔ اُن سے سختی برتے گا۔" وہ رو پڑے۔

صداقت حسین نے کھل کے سانس لیا۔

"میں نے کہا تھا اللہ سے مجھے بیٹی نہ دینا اس نے مجھے اکٹھی دو بیٹیاں دے دیں۔ میں کیسے ان کے دکھ برداشت کروں گا۔" انہوں نے صداقت حسین کے ہاتھ تھام لیے۔

صداقت حسین کو دکھ ہوا کہ ملال بیٹیوں کا نہیں اُن کے مستقبل کا خدشہ ہے۔ بیٹی تو پیدا ہوتے ہی پرائی ہے۔ بیٹی تو بادشاہوں کی بھی گھر میں نہیں رہتی، اس بات کی اجازت تو سرورِ کونین کو بھی نہیں تھی۔ بیٹی تو انہوں نے بھی بیاہی تھی۔ پھر ہم کون ہوتے ہیں اُن کی سنت کے خلاف جانے والے۔" وہ آہستگی سے اُن کے ہاتھ سہلاتے ہوئے بولے۔

"ہر کسی کے نصیب میں 'علیؓ' جیسا داماد کہاں؟"

"تو جانتا ہے مجھے یاد ہے خالہ خورشید...... اور اُس کی دودھ ملائی جیسی بیٹی۔ وہ گھر کی نہیں پورے محلے کی شہزادی تھی۔ سونے کا نوالہ کھاتی تھی چاندی کے پلنگ پر سوتی تھی، اصلی ریشم کا لباس تن کرتی

تھی۔ یاد ہے اُس کی رخصتی کسی شہزادی کی طرح ہوئی تھی۔ دعوت عام بنا تھا اُن کے گھر، آج سے تیس سال پہلے اسے لاکھوں کے جہیز کے ساتھ رخصت کیا گیا تھا۔

''مجھے آج بھی یاد ہے کہ دلہن بنی وہ کسی راجکماری سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ لوگوں نے مہینوں اُس کی بارات کا کھانا یاد رکھا تھا۔''

میری آنکھوں کے سامنے اُس کا مسخ شدہ چہرہ نہیں جاتا، مجھے اُن کی ہاتھوں کی مڑی ہوئی ہڈیاں نہیں بھولتی۔ اُس کے بدن کا گوشت تک کالا ہو گیا تھا۔ وہ شادی کے صرف سات ماہ بعد چار کندھوں پر واپس آئی تھی وہ بنار کے بول رہے تھے۔

باپ کی رانی ماں کی دلاری، بھائیوں کی بلبل، محلے کی شہزادی کو اُس کے سسرال والوں نے صرف اس لیے جلا دیا کہ اُس نے کھانا بنانے میں دیر کی تھی۔

میں صرف دس سال کا تھا مجھے اُس کی ماں کے بین نہیں بھولتے۔ اُس کے بھائیوں کے غش نہیں بھولتے۔ اُس کی باپ کی دیوانگی آج بھی میرے حافظے میں محفوظ ہے۔ وہ دونوں بھائی خالہ خورشید کے دکھ پر زار زار رو رہے تھے۔ تب پہلی بار میں نے اللہ سے دعا کی تھی۔ مجھے بیٹی کا باپ نہ بنانا، نابالغی سے بالغ ہونے تک ایک دعا جو میں نے تسلسل سے کی وہ یہی تھی۔

''پھر بھی اللہ کو مجھ پر رحم نہیں آیا۔ اُس نے ایک کی بجائے دو بیٹیاں دے دیں۔ میں اِن کا دکھ سہار نہیں پاؤں گا صداقت حسین۔'' وہ چیخ اٹھے۔

صداقت حسین کے جسم سے جان نکلی تھی۔ تیرا خوف بجا لیکن تجھے مانگنے کا سلیقہ نہیں آیا۔ تو مانگتا کہ تجھے جو بھی اللہ دے اچھے نصیب والا دے۔ تو تو خوش نصیب ہے ثروت کہ اللہ نے تیرا گھر پسند کیا تجھے بیٹیوں سے نوازا۔

ہر کسی کے گھر یہ کب جاتی ہیں
جس کو خدا پسند کرے وہاں جاتی ہیں

''حضورؐ نے فرمایا جس نے ایک یا دو بیٹیوں کی اچھی پرورش کی وہ میرے ساتھ قیامت کے دن یوں ہوگا۔ جیسے ہاتھ کی یہ دو انگلیاں ...... کیا تم اُن کے ساتھ کھڑا ہونا نہیں چاہو گے۔ انہوں نے ثروت کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ بیٹیاں تو آنگن کی بلبل ہوتی ہیں۔ ماں باپ کے دکھ درد کی ساتھی، اُن کے دل کا ٹکڑا، باپ کی تھیلی، ماں کی دوست پھر تو نے کیسے سوچ لیا کہ بیٹیاں نہیں ہونی چاہیے۔'' وہ اُس کا جھکا سر دیکھ کر بولے دھیرے دھیرے ثروت حسین کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے، اُن کے اندر تک سکون اتر آیا۔ وہ کھل کے مسکرائے تھے۔

اکیس دن بعد انہوں نے اپنی بیٹیوں کو دیکھا تھا۔ قدرتی محبت اللہ کے آئی تھی۔ باپ ہونے کے احساس نے جو تفاخر بخشا تھا وہ انہیں معتبر کر گیا۔ دونوں بے حد خوبصورت تھیں۔ انہوں نے ایک کو گود میں اُٹھا کر اُس کو بوسہ دیا اور اُس کا نام حور عین رکھا۔ باپ کے لمس کو پا کے وہ غوں غاں کرنے لگی۔ دوسری کو اٹھایا تو وہ کسمسا گئی۔ پہلے تھوڑا پھر چلا کے رونے لگی۔ ثروت یہ شکوہ ہے۔ بشارت بھائی مسکرائے۔ ثروت کو اُس پر ٹوٹ کے پیار آیا۔ انہوں نے اُسے چومتے ہوئے اُس کا نام نور عین رکھا۔

اک لمحہ چاہیے ہوتا ہے دلوں پر لگی مہریں مٹنے کے لیے، اور وہ لمحہ ثروت کی زندگی میں آ گیا تھا۔ دل کا خوف کیا مٹا بیٹیوں سے عزیز کوئی دوسرا نہ رہا۔

ایک ماہ سترہ دن بعد ثریا کو ہوش آیا تھا۔ ثروت حسین کا بدلا رویہ، بیٹیوں سے محبت اور پرواہ، انہیں اندر تک شانت کر گیا۔ اُن کی دعاؤں کو مستجابی ملی تھی۔ اللہ نے بے حد قریب ہو کے اُس کی سنی تھی اور

اپنے قریب مزید آنے کا موقع دے دیا تھا۔
ثروت حسین نے اپنی بیٹیوں کو ہتھیلی کا چھالہ بنا کے رکھا تھا۔ آمنہ بیگم اُس کی اس محبت سے چڑ جاتیں۔ جب تک دونوں چھوٹی تھیں دادی کی جھاڑ سن کے سہم جاتیں یا دائیں بائیں ہو جاتیں...... ایسی کٹھور عورت جسے نہ اولاد عزیز تھی نہ سود پیارا تھا۔ وہ ہمیشہ انہیں 'منحوسوں' کہہ کے آواز دیتیں۔ آفرین تھی ثریا پر کہ انہوں نے کبھی ساس کو پلٹ کے کچھ نہیں کہا۔ البتہ ہمیشہ لفظ 'منحوس' پر وہ دہل جاتیں تھیں۔
ثروت حسین کے ساتھ اتنی بے تکلفی نہیں تھی کہ شکایت کر سکیں لیکن ہمیشہ بیٹیوں کی بلائیں لیتی انہیں اچھے نصیب کی دعا دیتی تھیں۔
جیسے جیسے دونوں بڑی ہوتی گئیں۔ دادی کے بے حد خوبصورت رشتے کو نظر انداز کرتی گئیں۔
رشتے برے نہیں ہوتے اُن کے اندر دھنستی تلخیاں آپس کے جذبوں کو خراب کر دیتی ہیں۔ ناخن بڑھ جائیں تو انگلیاں نہیں کاٹی جاتیں۔ ناخن تراشے جاتے ہیں۔ دادی پوتی کے رشتے میں غرور کی کڑواہٹ تھی۔ جس نے اُن کے رشتے کو زہر آلود کر دیا تھا۔
آمنہ بیگم کی نفرت کی انتہا کیا ہو گی کہ انہوں نے اپنی چھ سال کی پوتی نور کو اس لیے جوتوں سے پیٹ ڈالا کہ اُس نے اُن کے پان دان سے چند دانے لیے تھے۔ تب بشارت حسین ماں سے بے حد لڑے تھے۔ انہوں نے ثروت حسین کی بزدلی پر انہیں بھی بے حد سنائی تھیں۔
''وہ ماں ہیں میرا احترام اُن سے نافرمانی کی اجازت نہیں دیتا۔'' وہ نور عین کو ساتھ لگائے بولے تھے۔
''احترام اپنی جگہ لیکن مارنے کی کوئی معقول وجہ

کون ہے میرے ساتھ؟

روتے روتے دن میں گزاروں
روتے روتے رات
تنہائی ہے میری سہیلی
اُس سے کروں میں بات
رشتے ہیں مطلب کے سارے
مطلب کے سب لوگ
دو دن ہنس کے کھیلیں جو ہم
دل کو لگ جاتے ہیں
عمروں سے لمبے روگ
دکھ بن جائے ذات
روتے روتے دن میں گزاروں
روتے روتے رات
میری آنکھیں تاروں جیسی
ہر سُو ہے اندھیارا
دشمن جگ ہے سارا
میں تو کب کی مٹ ہی جاتی
سعدیہ میری مدد کرتا ہے
کوئی غیبی ہاتھ
کون ہے میرے ساتھ

شاعرہ: سعدیہ سیٹھی۔ لندن

بھی تو ہو، ظلم، ظالم اور ظلم دیکھنے والا ایک جیسے ہیں۔''
اُن کی بات پر ثروت کچھ نہ بولے۔
''اُسے سکھانے کی بجائے مجھے کہہ ماں گھر سے نکل جا......'' آمنہ بیگم کے واویلے نے انہیں سٹپٹا کے رکھ دیا۔
''اماں، بات کی دم مت کھینچو۔'' بشارت چڑ

گئے۔ وہ تو ویسے بھی باپ کی طرح الگ مزاج کے تھے۔ تابعداری اور زیادتی میں فرق رکھتے تھے۔

''نہیں رہنا مجھے کہیں بھی چلی جاؤں گی۔'' وہ اپنا بھاری بھرکم وجود سنبھالتے ہوئے بولیں۔ صداقت نے انہیں روکا لیکن اُن کا ہنگامہ اور رٹ جاری رہی۔ مجبوراً تینوں بھائیوں نے اپنی بے گناہ بیویوں کے ساتھ اُن سے معافی مانگی احساس غرور اور حکومت سے اُن کی اکڑ اور گردن کی اکڑاہٹ میں کئی گناہ اضافہ ہوا تھا۔ اُن کا روم روم جھکے سر دیکھ کے جھوم اٹھا۔

اِس بات کے ٹھیک دو ماہ بعد بشارت تایا نے گھر چھوڑ دیا۔ حسبِ معمول دادو نے مومنہ تائی کو کوسنے دیے اور وہ بنا کوئی جواب دیے بڑی شان اور عزت کے ساتھ اپنے نئے گھر شفٹ ہوگئیں۔ اب دادو کی توپوں کا رخ چچا کی نئی شادی کی طرف تھا۔ چار سال یہ ڈرامہ ہوتا رہا۔ آخر انہوں نے بھی گھر چھوڑ دیا۔ اور باقی رہ گئے پاپا اور مما...... پاپا تو خیر تابعداری کے سارے ریکارڈ توڑ چکے تھے۔ مما کی صورت میں بے دام کی غلام میسر آ گئیں۔ ایک حاکم اور محکوم......!

زندگی پر لگا کے اڑنے لگی۔ دونوں لڑکیوں نے لڑکپن کو پیچھے چھوڑ کے جوانی کا ہاتھ تھام لیا۔ قدرت نے حسن کی ہر بوند کو نچوڑ کر اُن دونوں بہنوں کو حسن عطا کیا تھا۔ سب کچھ بدلا سوائے دادو کی تمکنت اور غرور کے، اور یہ غرور بھی آج اُس وقت ٹوٹا جب پاپا نے اپنی بیٹیوں پر لگنے والی تہمت کے جواب میں پلٹ کے دادو کو سخت لہجے میں جواب دیا۔

☆......☆......☆

حسین وِلا' کو آج برقی قمقموں کی مدد سے پہلی رات کی دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ گھر مہمانوں سے کھچا کھچ بھرا تھا۔ آج ہم دونوں بہنوں کی منگیاں جڑواں بھائیوں سے ہو رہی تھیں۔ حور کے تو پیر ہی زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ اُس نے پنک انار کلی فراک کے ساتھ سرخ پاجامہ زیب تن کیا ہوا تھا۔ وہ واقعی آسمان سے اتری کوئی حور لگ رہی تھی۔ میں نے بھی اُسی جیسا ڈریس پہن رکھا تھا۔ زندگی میں پہلی بار دادو نے ہمیں ساتھ لگا کے پیار کیا جانے کیوں مجھے وہ کچھ مضمحل سی لگیں۔

''خوش رہو وہ ہمیں پیار کرتیں اسٹیج سے نیچے اتر آئیں۔ دادو کی اِس ادا سے میری ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوئی۔ جس دن پاپا نے انہیں ٹھوکا تھا وہ چپ سی ہوگئی تھیں۔

دلہن بنی مجھے اِس بات کا شدت سے احساس ہوا۔

منگنی کی رسم ختم ہوئے ابھی چند گھنٹے ہی گزرے تھے کہ انہیں شدید قسم کا ہارٹ اٹیک ہوا کہ اسپتال جانے کی بھی نوبت نہ آسکی۔ ہم حق دق دیکھتے رہ گئے۔ گھر ابھی مکمل طور پر مہمانوں سے خالی نہیں ہوا تھا۔ دادو کی موت نے بلکہ اچانک موت نے ہمیں شدید ذہنی دھچکا دیا تھا۔ پاپا تو بالکل ہی ڈھے گئے تھے۔ اُن سے لاکھ چڑ لیکن کبھی نہیں سوچا تھا وہ یوں ہمیں اچانک چھوڑ جائیں گی۔

اُن کے ہونے یا ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا لیکن اب گھر یکدم خالی خالی لگنے لگا تھا۔ ہمیں دادو سے کوئی زبردست جذباتی وابستگی نہ تھی لیکن بہرحال اک اُنسیت تو تھی۔ پاپا کے حوالے سے وہ ہمیں عزیز تھیں۔ گھر میں بزرگوں کا سایہ اس قدر اہمیت رکھتا ہے اُن کے جانے کے بعد احساس ہوا۔

اُن کی اچانک موت سے صداقت چچا گنگ رہ گئے۔ روٹھی ماں منوں مٹی تلے جا سوئی تھی۔ احساس زیاں نے اُن کی قیامت تک کے لیے انگلی تھام لی۔ پاپا بے حد نڈھال تھے۔

وقت سے بڑا کوئی مرہم نہیں۔ مرے ہوئے پر

اگر انسان صبر نہ کرے تو اپنے پیاروں کو کوئی دفن نہ کرے۔ صبر نے سبھی کے اندر نرم پھوار ڈال کے سب کو پھر سے نارمل کر دیا تھا۔

پھوپو چہلم کے بعد واپس چلی گئی۔ اپنی شادی کے بعد وہ پہلی بار آئیں تھیں وہ بھی ماں کی موت پر۔ اب جاتے ہوئے سب کو ملتے ہوئے اُن کا رواں رواں کہہ رہا تھا کہ وہ اب دوبارہ نہیں آئیں گی۔

اُن کے جانے کے بعد چچا نے بھی تیاری شروع کر دی۔

''مت جا صداقت......'' پاپا نے اُن کے ہاتھ تھام لیے۔ وہ تو جیسے رو کے جانے کے منتظر تھے پاپا کے گلے لگ کے پھوٹ پھوٹ کے روئے۔ جلاوطنی کی سزا ختم ہوگئی۔ وہ اس وعدے پر واپس گئے کہ دو ماہ کے اندر سب سمیٹ کر واپس آجائیں گے۔ پاپا نے اُن کے لیے اوپر والا پورشن سیٹ کر دیا۔ زندگی اپنی ڈگر پر چلنے لگی۔ جگہ خالی ہو جائے تو بڑی مشکل سے پُر ہوتی ہے۔ اور کبھی کبھی وہ جگہ خالی ہی رہتی ہے۔

آج ہماری ساس صاحبہ تشریف لائی تھیں۔ اُن کے ساتھ ہماری نٹ کھٹ سی نند بھی تھی چار بھائیوں کی لاڈلی اکلوتی نند...... اُس کی اہمیت اور جگہ شادی سے پہلے ہی ہم پر واضح ہوگئی تھی۔

عبدل (نور کا منگیتر) سے بڑے دونوں بھائی شادی شدہ تھے۔ ایک بھائی امریکہ میں اور دوسرا انگلینڈ میں ہوتے تھے۔ دونوں نے ہی گوری لڑکیوں سے شادی کی تھی۔ اور اب دونوں کا ہی ارادہ کبھی لوٹ کے نہ آنے کا تھا۔ یہ بات ہماری نند صاحبہ نے بتائی تھی۔ بڑے بھائی کا صرف ایک دس سال کا بیٹا تھا اور دوسرے کے دو بچے تھے۔ عبدل اور عبداللہ (حور کا منگیتر) سے سب ہی کو بے حد امیدیں وابستہ تھیں۔ ہماری ساس دیکھنے میں تو اچھی خاصی سادہ خاتون معلوم ہوتی تھیں۔ اب اس بات میں کتنی گہرائی تھی یہ جا کے معلوم ہونا تھا۔

''بھابی......'' میں پیالیوں میں چائے ڈال رہی تھی جب سونیا نے پکارا۔ میں نے پلٹ کے اُسے دیکھا۔

''آپ کا فون ہے......'' اُس نے پیچھے دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔ اُس کا انداز ایسا تھا جیسے یہ چھپ کے کر رہی ہو۔

''کون ہے؟'' میں نے ناسمجھی سے اُسے دیکھا۔

''سنیے تو......'' اُس نے موبائل مجھے تھما کے باہر کو دوڑ لگائی۔

''ہیلو......''

''زہے نصیب......!'' میرے ہیلو پر برجستہ جواب آیا۔ میری دھڑکنیں بری طرح دیوانہ ہوئی تھیں۔ میں مزید بول نہ سکی۔

''سونی کو اپنا نمبر دے دینا۔''

کچھ کہنے سے پہلے کھٹ سے فون بند۔ میں بت بنی اُن کی انہونی خواہش میں اٹک گئی ہمارا گھرانہ ایسی بولڈ نیس کی اجازت نہیں دیتا۔ میں نے سونی کو اپنا نمبر نہ دیا۔

آسیہ بیگم شادی کی ڈیٹ رکھنے آئی تھیں تین ماہ بڑی مشکل سے انہوں نے دیے تھے۔ مما کے تو ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔

رات میں اور حور باتیں کر رہے تھے کہ میرے موبائل کی بیپ ہوئی۔ اجنبی نمبر سے فون تھا۔ اس سے پہلے کہ میں کال ریسیو کرتی حور نے موبائل جھپٹ لیا۔

''ہیلو......''

''عبدل بول رہا ہوں عینی سے بات کرواؤ۔''

ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب

اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں

ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر 5-L / 79 ڈاکخانہ 5.L / 78 تحصیل و ضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر: 03225494228

ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

بڑے یقین سے حکم صادر کیا گیا۔

''بول رہی ہوں۔'' نور کی رگِ شرارت پھڑکی۔

''عینی کو فون دو۔'' سوال دوبارہ دہرایا گیا۔

''بول رہی ہوں۔'' وہ گلا پھاڑ کے بولی۔

''تم پٹوگی۔'' دوسری جانب سے کہا گیا حور کھلکھلا اٹھی۔ اُس نے اسپیکر آن کر دیا۔ نور کی دھڑکنیں اتھل پتھل ہوئی تھیں۔ اس نے گھبرا کے حور کو دیکھا جو مزے سے بحث میں مصروف تھی۔

''آپ کا دل جلد Conect نہیں ہو گیا۔'' حور نے مذاق اڑایا۔

''کہاں سالی صاحبہ! ابھی تو ہم نے آپ کی بہن کو ٹھیک سے دیکھا بھی نہیں۔'' انداز اور بات اس قدر ذومعنی تھے کہ نور کے کان کی لوئیں تک سرخ ہو گئیں۔

''اب اسپیکر بند کرو اور عینی کو فون دو۔''

''عبدل بھائی آپ کو پتہ کیسے چلا۔'' بیوقوف حور نے سوال کیا۔

''اگر تم عینی ہوتی تو میری باتوں کا فر فر اور ٹر ٹر جواب نہ دیتی۔ تمہاری بہن کتنا بولتی ہے میں دیکھ چکا ہوں۔'' میرے دل کے جواب کو عبدل نے بڑی خوبصورتی سے ادا کیا۔ حور کھلکھلا کے ہنس دی اور مجھے موبائل تھما کے ٹیرس پر جا کھڑی ہوئی۔

جتنا عرصہ ہماری منگنی رہی عبدل نے میرے منع کرنے کی وجہ سے بے حد کم فون کیا۔ لیکن جتنی بار بھی کیا اُن کا انداز انتہائی بے تکلف اور پیار بھرا ہوتا۔ جبکہ عبداللہ نے صرف ایک بار فون کیا وہ بھی میں نے عبدل سے شکوہ کیا اس لیے۔

''وہ سمجھتا ہے کہ شادی سے پہلے بات کرنا نری حماقت ہے۔ اپنا بھی ٹائم ضائع کرو اور اُس کا بھی وقت برباد..... کیا اس طرح زیادہ یقین ہو جائے گا کہ ہم لائف پارٹنر ہیں، باتیں کرنے کے لیے ساری عمر پڑی ہے۔'' عبدل نے من و عن عبداللہ کا پیغام مجھ تک پہنچایا۔

دوسرے دن عبداللہ کا فون آیا تھا۔ حور کے چہرے کے رنگ وہ نہیں تھے جو ایک منگیتر سے بات کرنے کے بعد ہوتے ہیں۔ اُس نے صرف ڈیڑھ منٹ بات کی۔ جتنی بے دلی سے حور نے فون سنا اتنی ہی بد دلی سے فون بند کیا۔

''کیا کہا......؟'' میں نے اشتیاق سے پوچھا۔

''آپ کو آئندہ مجھ سے کوئی شکایت ہو کچھ کہنا ہو تو یہ ڈائریکٹ اِن ڈائریکٹ کا کھیل کھیلنے کی بجائے ڈائریکٹ مجھ سے بات کریے گا۔ آپ کی پسند ناپسند، اچھائی برائی، شوق دلچسپیاں جاننے کے لیے عمر پڑی ہے۔ تین باتیں کرنے سے کون سا تیر مار لیا جائے گا۔'' لفظ نہیں تھے اُس نے اینٹیں اٹھا کر حور کو ماریں تھیں۔

''تم کچھ بولی نہیں؟'' نور کی آنکھیں پھٹی رہ گئی۔

''کیا مجھے کچھ کہنا چاہیے تھا۔'' اُس نے الٹا سوال کیا۔ نور اُسے دیکھتی رہ گئی۔

یہ وہی حور تھی جسے اس وقت کا بے چینی سے انتظار تھا۔ اگر میرا پارٹنر مجھ سے بات نہیں کرے گا تو میں خود اُس کو کال کیا کروں گی۔ اُس کے ساتھ ڈیٹ پر جاؤں گی اسپیشل ڈنر کروں گی شادی کی شاپنگ ساتھ کروں گی۔ حور کے سپنے ایک ایک کر کے ٹوٹے تھے۔ ڈائریکٹ اِن ڈائریکٹ کی بات کر کے عبداللہ نے کچھ واضح کیا تھا۔ دادو کسی اوک سے مسکراتے ہوئے جھانک رہی تھیں۔ نور کا دل دھک سے رہ گیا۔

☆......☆......☆

ہزاروں خدشات دل میں لیے۔ بے پناہ

خوبصورت سپنوں کے، میں اور حور اپنی نئی زندگی میں داخل ہوگئی۔ ہم دونوں نے ایک جیسے لہنگے پہن رکھے تھے۔ اگر رنگوں کا فرق نہ ہوتا تو ہماری پہچان مشکل ہوتی۔

''بھائی، بھابی پہچان لیں گے ناں۔'' سونیا نے شرارت سے کہا۔ عبدل نے ایک نظر مجھے اور پھر حور کو دیکھا۔

''بالکل......!'' اُن کا اطمینان قابل دید تھا۔

''کیسے؟'' وہ شوخ ہوئی۔

''یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔'' وہ گہری نظروں سے میری جانب دیکھتے ہوئے بولے۔ میرے کان کی لویں تک سرخ ہوئی تھیں۔

''اور عبداللہ بھائی آپ......'' اب وہ عبداللہ کی طرف مڑی۔

''فضول باتیں مت کرو۔'' فوراً جھڑکا گیا۔

سونیا منہ بسور کے رہ گئی۔

انہی ہنسی مذاق میں رسموں کا انجام ہوا اور پھر اُس رسم کی باری ہے جسے نا چاہتے ہوئے بھی ہر باپ بیٹی کو سہنی پڑتی ہے۔

یہ بیٹیاں تو بابل کی رانیاں ہیں
میٹھی میٹھی یہ تو کہانیاں ہیں
رب جانے اے کڑیاں
کینیا نے جمپاں، کینیا نے لے جانیاں ہے

کسی نے اِس گانے کو لگا دیا تھا۔ رخصتی کا وقت بابل کا دل تو ویسے ہی مٹھی میں ہوتا ہے اوپر سے یہ گانا...... زمین نے میرے قدم جکڑ لیے تھے۔ ہمارا بچپن ہم سے بچھڑ رہا تھا۔

ہماری شرارتوں نے ہماری انگلی چھوڑ دی تھی۔ مما کی نرم آغوش پرائی ہو رہی تھی۔ پاپا سے لمبی ملاقاتیں اب کسی کے حکم کی محتاج ہونے والی تھیں۔ مما کے کھانے اب انتظار میں لگنے والے تھے۔ گھر کی دہلیز پار کرتے میرا دل کسی نے نکال دیا تھا۔ ہم دونوں نے پلٹ کے دیکھا۔ پاپا ابھی تک مما کو ساتھ لگائے پلر کے پاس ساکت کھڑے تھے۔ ہم دونوں واپس بھاگی ہوئی اُن کے پاس گئی۔ پاپا نے اِس گرمجوشی سے ہمیں ساتھ لگایا کہ ہم پھوٹ پھوٹ کے رو دیں۔

''بیٹیاں کیوں ہوتی ہیں پاپا؟ پاپا ہمیں دائیں بائیں ساتھ لگائے باہر تک آئے۔ ہمیں گاڑی میں بٹھایا۔ دل کو سکون تو نہیں ملا لیکن قرار آ گیا۔ گاڑی بابل کے آنگن سے نکلتی اجنبی راتوں کو پہچان دینے رواں دواں تھی۔

سسرال پہنچتے ہی رسموں کا ایک تھکا دینے والا سلسلہ اور پھر خوابوں کی اک نئی ڈور تھما کے ہمیں کمروں تک پہنچا دیا گیا۔ مجھے حور اور نور کو میرے ہونے سے بڑا آسرا تھا۔ حور کے لیے پھر مجھے اُس پر ٹوٹ کے پیار آیا۔ رات لمحہ لمحہ بھیگنے لگی تھی۔ چاہت، وفا، محبت، عہد سارے رنگ آہستہ آہستہ ہی رنگنے لگے تھے۔

صبح بے حد چمکیلی تھی۔ میں اپنے کمرے سے باہر نکلی تو حور پہلے سے ہی موجود تھی۔ میں اُسے دیکھ کر مسکرائی۔ اُس کے چہرے پر مسکراہٹ تو تھی لیکن اُس کے علاوہ بھی کچھ تھا جو مجھے سمجھ نہ آیا۔ میں اُس کے پاس جا کے بیٹھ گئی۔ اُس کے چہرے پر اک خوف لہرایا تھا۔

میرے دل میں خدشات نے سر اٹھایا۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ پوچھتی صداقت چاچو اپنی بیگم کے ساتھ ناشتہ لے کر آ گئے۔ اُس کے بعد سارا دن وقت گزرنے کا احساس نہ ہوا۔

عبدل کی شوخیوں میں، مجھے حور کا سپاٹ چہرہ دکھائی نہ دیا۔ شام میں ولیمے کی تقریب بے حد دھوم دھام سے ہوا۔ رسم کے مطابق ہم دونوں اپنے میکے

آ گئی۔ پاپا ہمیں دیکھ کر بے حد خوش تھے۔ دونوں بھائی واپس چلے گئے۔ حور اور میں اپنے مشترکہ کمرے میں آ ئیں۔ حور ہر شے کو نظر انداز کیے جیولری اُتار رہی تھی۔ مجھے اُس کی غیر معمولی خاموشی کھٹکی۔

''حور......'' میں نے پکارا۔

''ہاں......'' وہ اسی انداز میں فوراً بولی جیسے میری پکار کی منتظر ہو۔

''کیا بات ہے حور؟'' مجھے کسی غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔ وہ مسکرا دی۔ لیکن اُس کی مسکراہٹ میں جان نہیں تھی۔ اذیت تھی، دکھ، تکلیف میں نے بے چین ہو کر اُس کے ہاتھ تھام لیے۔

''کیا بات ہے حور......'' میں تڑپ اٹھی۔ ایک رات کی دلہن کے چہرے پر ایسی سوگواری مجھے کسی انہونی کا احساس ہوا تھا۔

''وہ کسی اور سے محبت کرتے ہیں۔'' وہ سر جھکائے بولی۔ میرا دل بند ہونے لگا تھا میں کچھ دیر بول نہ سکی۔

''میں اُجڑی سہاگن ہوں۔ جس کے شوہر کے پاس اُسے دینے کے لیے نہ دل ہے نہ کچھ اور......'' وہ آہستہ آہستہ اپنا زیور اُتار رہی تھی۔ مجھے سمجھ نہ آئی میں کیا کہوں۔

''پاپا سے بات کروں۔'' میں ہولے سے بولی۔

''نہیں......'' جب مجھے رہنا اُس کے ساتھ ہے تو پھر اُس کو رسوا کیوں کروں۔'' وہ دوپٹے کی پنیں اُتارنے لگی۔

''میرے تو کرم اور روپ دونوں رو رہے ہیں۔'' ضبط کا یارانہ ٹوٹ گیا وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

''میں کروں گی عبداللہ سے بات۔'' میں اُسے ساتھ لگائے بولی۔

''اپنی بہن کو بھکارن بنانا چاہتی ہو۔ تسلی رکھو وہ مجھ پر سوتن نہیں لائیں گے۔ اُن کے اصول کسی ڈکٹیٹر کی طرح ہیں۔'' اُس نے میری جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''زندگی ایسے بسر نہیں ہوگی۔'' مجھے اُس کے ضبط پر غصہ آیا۔

''قسمت سے لڑا نہیں جاسکتا۔'' اُس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

''گھٹنے ٹیکنے والا بزدل ہوتا ہے۔'' میں نے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

''عبدل کیسے ہیں؟'' اُس نے میری چوڑیوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

میں چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ کہہ سکی۔

''حور سنو! جتنا ضبط کرو گی اتنا وہ حاوی ہوگا۔'' میں نے اُسے سمجھایا۔

''ضبط نہیں کروں گی تو پاپا کا ڈر حقیقت بن کے سامنے آجائے گا۔ اور میں پاپا کو مایوس نہیں دیکھ سکتی۔'' وہ کرب سے بولی۔

''اپنی زندگی کو سمجھوتوں کی کشتی پر سوار نہ کرو۔'' میں زچ ہوئی۔

''بیٹیاں سمجھوتوں کے لیے ہی پیدا ہوتی ہیں۔'' اُس نے مجھے لاجواب کیا۔

''مما، پاپا تمہاری اس حالت سے دکھی ہوں گے۔'' میں لاچاری سے بولی۔

''وہ دکھی تب ہوں گے جب انہیں کچھ پتہ چلے گا۔'' اُس نے ایک رات میں ہی فلاسفی میں PHD کرلی تھی۔ مجھے اُس پر ترس آنے لگا۔ میں اُسے دیکھتی رہ گئی۔

خوابوں کی اُس رات اُس نے بہت سارے خوابوں کو کچلا تھا۔ وہ اتنی صابر تو لگتی نہیں تھی۔ مجھے

اُس کے ضبط پر حیرت ہو رہی تھی۔ وہ تو ذرا سی تکلیف پر واویلا مچا دیتی۔ یہاں زندگی کی بساط الٹ گئی تھی اور وہ خاموش تھی۔

ہاں وہ 'بیٹی' تھی۔ بیٹیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ گھٹی میں صبر ہی تو لاتی ہیں۔ سمجھوتے، قربانی، ایثار، وفا اُن کے خون میں ہوتا ہے۔ آنکھوں کی دہلیز پر سیلاب اکٹھا کر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رکھتی ہیں۔ خود تکلیف میں رہ کے ماں باپ کے لیے سکھ مانگتی ہیں۔ پھر بھی لوگ کہتے ہیں۔ بیٹیاں کیوں ہوتی ہیں؟

حور کی تکلیف نے مجھے بے چین کر دیا تھا۔ مجھے سمجھ نہیں آتی تھی کہ میں اُسے کیسے کوئی تسلی دوں۔ ہماری شادی کو ایک ماہ گزر چکا تھا۔ حور بالکل ہی کملا کے رہ گئی۔ مجھے اُس کے کمال ضبط پر حیرانگی ہوتی۔ اُسے رشتے نبھانے آتے تھے لیکن رشتے نبھاتے ہوئے خود کو اذیتوں سے گزارنا۔ یہ میں پہلی بار دیکھ رہی تھی۔

''غبارے میں ہوا زیادہ بھرو تو وہ پھٹ جاتا ہے۔'' میں زچ ہو کر کہتی۔ جواباً وہ مسکرا کے بات کا رخ بدل لیتی۔ سونیا کو آواز دے لیتی یا میرے سامنے سے ہٹ جاتی۔

ولیمے کی رات جو باتیں اُس نے کہیں تھیں اُس کے بعد ہماری اس ٹاپک پر بات نہیں ہوئی تھی۔ مجھے عبداللہ سے نفرت ہونے لگتی۔ میری نازو پلی بہن کو اُس نے رول کے رکھ دیا تھا۔ میری کومل جذبے رکھنے والی معصوم حور کے اُس نے سارے جذبے کچل دیے تھے۔ میں بے بس تھی کہ میں اُس کے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ حور مطمئن زندگی کی گاڑی چلا رہی تھی۔

کسی سے نظر، کسی سے ہاتھ ملاتے ہوئے
میں ٹوٹ رہی ہوں رواداریاں نبھاتے ہوئے
کسی کو میرے حال کی خبر ہو تو کیسے
میں مل رہی ہوں سب سے مسکراتے ہوئے

سب کو اُس کے چہرے کی مسکراہٹ نظر آتی اور میں اِس ٹوٹی مسکراہٹ سے اُس کے شگاف زدہ دل تک اُتر جاتی۔ میری محبت، میری وفا، اتنا شور مچاتی کہ میرا اپنا دل تڑپ اٹھتا۔ شادی کے بعد وہ صرف ایک بار مما پاپا سے ملنے گئی اور اِس ادا سے ملی کہ پاپا کے اندر تک سکون اتر آیا۔ اور میں اندر تک بے چین ہوئی تھی۔ میں نے عبدل سے بات کرنے کا سوچا۔

''آپ نے اتنا بڑا دھوکہ کیوں دیا ہمیں......؟'' میں سراپا سوال بنی عبدل کے سامنے کھڑی تھی۔ عبدل نے حیران ہو کے مجھے دیکھا وہ جو لیٹنے کی تیاری کر رہے تھے۔ اٹھ بیٹھے۔ ''کس نے دیا ہے تمہیں دھوکہ......'' لفظ پریشان، انداز سخت......

''آپ سب نے مل کر میری بہن کو دھوکہ دیا ہے، اگر عبداللہ بھائی کسی اور کو پسند کرتے تھے تو کیوں میری بہن کی زندگی برباد کی......'' میں رو دی۔ عبدل نے گہری سانس لی۔

''یہ اُن دونوں کا ذاتی مسئلہ ہے تم مت بولو۔'' وہ آہستگی سے بولے۔

''ذاتی مسئلہ......'' میں نے طنز کیا۔

''دیکھو عینی مجھے اچھا نہیں لگے گا کہ تم کسی تیسرے کے لیے مجھ سے جھگڑا کرو۔'' وہ تحمل سے بولے۔

''وہ کوئی تیسرا نہیں میری بہن ہے۔'' میں چیخ پڑی۔

''وہ تمہاری بہن بعد میں اب کسی کی بیوی ہے۔ اور بہتر یہی ہوگا کہ تم حور کو اپنے معاملے خود طے کرنے دو۔'' مجھے عبدل سے ایسے کٹھور رویے کی امید نہ تھی۔

"وہ اُسے اذیت دیتا ہے اور آپ کہتے ہیں میں نہ بولوں۔"

"میرا دل چاہا کہ میں...... آج صبح حور کی آنکھوں کی نمی نے مجھے بے قرار کیا تھا۔ میرے بتانے پر وہ کچھ بولی تو نہ تھی۔ لیکن اُس کے آنسوؤں نے مجھے تڑپا دیا تھا۔"

"اگر عبداللہ کو پتہ چلا نہ کہ تم یہاں اُس کی ذاتیات کو ڈسکس کر رہی ہو تو تمہیں حور اُس کے کمرے میں تو کیا گھر میں بھی نظر نہیں آئے گی۔"

عبدل نے سر جھٹکا۔

"ایسی خود غرضی عبدل، اگر یہی سب کچھ سونی کے ساتھ ہو تو کیا آپ برداشت کر لیں گے۔"

"شٹ اپ نور عین......" وہ دھاڑا۔

"بہت تکلیف ہو رہی ہے ناں...... میں بھی ایسی ہی تکلیف سے گزر رہی ہوں اور جو مما، پاپا کو پتہ چلے تو وہ اس سے بھی زیادہ کرب سے گزریں گے۔" میں رونے لگی۔

"آؤٹ نور عین۔" اُس نے مجھے باہر دھکیل دیا۔

یہ ہمارے درمیان چھ ماہ میں پہلا جھگڑا تھا۔ اگر عبدل خفا تھے تو موڈ میرا بھی خراب تھا، میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ میں اب اس مسئلے کو حل کر کے چھوڑوں گی۔ لیکن میں غلط تھی میاں بیوی کے بے حد پرسنل مسئلے میں جب کوئی تیسرا پڑ جائے تو بات بگڑنے لگتی ہے۔ حور نے مجھے کتنی بار منع کیا تھا کہ میں ایسا نہ کروں اور میں ہر بار اُسے سختی سے ٹوک دیتی وہ بے بس ہو کے رہ جاتی۔

مجھے ذرا بھی اندازہ نہ ہوا کہ حور اور عبداللہ کے مسئلے کو میں نے اُن کے کمرے سے باہر لا کے کتنی بڑی غلطی کی ہے۔ اور یہ غلطی حور کو طلاق کی صورت میں بھگتنا پڑے گی مجھے اندازہ نہ تھا۔ میری اپنی ذات میری بہن کے لیے تکلیف کا باعث بنے گی میرے گمان میں بھی نہ تھا۔ حور کی طلاق پاپا کو اتنی بھاری پڑے گی میری زندگی کی بڑی سزا بن جائے گی اور خود میں، میری ذات دو کوڑی کی ہو کے رہ جائے گی۔ یہ تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔

"آج سوچتی ہوں تو دل میں چبھن سی ہوتی ہے۔ اک مستقل روگ میری جان سے لپٹ گیا ہے۔ دکھ دیمک کی طرح ہوتے ہیں۔ اک بار انسان کو لگ جائیں تو اُسے کھا کے چھوڑتے ہیں۔

پیڑ کو دیمک لگ جائے
یا آدم زاد کو غم
دونوں کو ہی امجد ہم نے بچتے دیکھا ہے کم
رو پڑتا ہے بہت زیادہ غم میں بھی انسان
بہت خوشی سے بھی ہو جاتی ہے آنکھ نم

آج مجھے پتہ چلا لوگ بیٹیاں کیوں نہیں مانگتے۔ بیٹیاں تو چلتی پھرتی قیامت ہوتی ہیں، سزا ہوتی ہیں، شرمندگی ہوتی ہیں۔ ماں باپ کے سر جھکا دیتی ہیں۔ اُن کی پگڑیوں کو بے عزت کر دیتی ہیں۔ واقعی بیٹیاں کیوں ہوتی ہیں۔

بیٹیوں کو تو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دینا چاہیے۔ کم از کم باپ کی گردن تو نہیں جھکے گی۔ اُس کے بوڑھے ہاتھ تو کسی کے سامنے نہیں جوڑیں گے۔ آنگن کی اِن چہکتی چڑیوں کا گلا گھونٹ دینا چاہیے۔ بیٹیوں کو نہیں ہونا چاہیے۔

"میں دل سے اتری ہوئی بیوی ہوں۔ میں ناپسندیدہ بہو ہوں۔ میں منحوس پوتی تھی۔ میں بداخلاق بھابی ہوں۔ کیونکہ میں ایک بیٹی ہوں۔ یہی ہے ہمارا معاشرہ یہی ہیں ہمارے رواج......

☆......☆......☆

"کیا بنا رہی ہو نور......" میں ناشتے کی تیاری کر رہی تھی جب حور میرے پاس آن کھڑی ہوئی۔

مترنم آنکھیں، ستا ہوا چہرہ...... بھاری آواز، گردن پر جلے کا نشان، جسے اُس نے دوپٹے سے چھپانے کی کوشش کی تھی۔

''کیا ہوا تمہیں۔'' میں آملیٹ کے لیے پیاز کاٹ رہی تھی۔ اُسے چھوڑ کر اُس کی جانب متوجہ ہوئی۔

''کچھ نہیں، ہٹو مجھے عبداللہ کے لیے ناشتہ بنانا ہے۔'' وہ مجھے ہٹاتی سلیب کی طرف آئی۔

''ہوا کیا ہے تمہیں؟'' میں نے اُس کا ہاتھ پکڑا تو وہ سسک اٹھی۔

گردن جیسا نشان اُس کے دودھیا ہاتھوں پر بھی تھا۔ میرا دل دھک سے رہ گیا۔ عبداللہ سگریٹ پیتا ہے اور یہ اذیت اُسی کی دی ہوئی تھی۔ میں نے اُس کے بازو اوپر کیے۔ کچھ مدھم اور کچھ تازہ نشان عبداللہ کی دی اذیتوں کی کہانی سنا رہے تھے۔

میں تڑپ اٹھی۔ میرا صبر جواب دے گیا۔ میں نے اُس سے کچھ نہیں پوچھا اُسے زبردستی اپنے کمرے میں لے آئی۔ عبدل آفس جانے کے لیے تیار کھڑے تھے۔

''یہ دیکھیں اپنے بھائی کی درندگی......'' میں نے اُس کے سامنے حور کے زخم لہرائے۔

''نور پلیز......'' حور نے احتجاج کیا۔

''بس بہت ہو گیا، بہت سہہ لیا تم نے۔ میں نے کہا تھا ناں حور کہ جتنا سہوں گی وہ حاوی ہو گا، نہیں مانا تم نے۔'' میں رونے لگی۔ حور کی تکلیف مجھے بھی تکلیف میں مبتلا کر گئی۔ عبدل خاموش تھے۔

''حور اپنے کمرے میں جائیں۔'' عبدل نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''کس قدر خود غرض ہیں آپ......'' میں چلائی۔

''عینی پلیز بات کو مت بڑھاؤ یہ اُن کا ذاتی مسئلہ ہے۔'' عبدل نے سمجھایا۔

''ذاتی مسئلہ......'' میں حیران ہوئی۔

''وہ اُسے ٹارچر کر رہا ہے اور آپ کہہ رہے ہیں یہ ذاتی مسئلہ ہے۔'' میں اونچی آواز میں بول رہی تھی۔ حور کا ہاتھ اب بھی میرے ہاتھ میں تھا۔

''اُسے سمجھانے کا یہ طریقہ غلط ہے عینی، حور اُسے زیادہ بہتر ہینڈل کر سکتی ہے۔'' انہوں نے نرمی سے کہتے ہوئے ٹائی کی ناٹ لگائی۔

''حور...... اور ہینڈل...... واٹ اے جوک مسٹر عبدل غفار۔ آپ کا بھائی اُسے بے وجہ اذیت دے رہا ہے اور آپ کہتے ہیں وہ خود ہینڈل کرے، نفسیاتی مریض ہے آپ کا بھائی۔'' میں چلا اٹھی۔

''چٹاخ...... بند کرو صبح صبح یہ تماشہ......'' عبدل کے ہاتھ کے ساتھ لہجہ بھی سخت تھا۔

''نور پلیز......'' حور نے کانپتے ہوئے میرے ہاتھ تھام لیے۔ میرے آنسو روانی سے نکل رہے تھے۔ میں نے حور کی طرح خاموشی سے تھپڑ نہیں کھایا تھا بلکہ چلا چلا کے سب کو اکٹھا کر لیا تھا۔ عبدل میری حرکت سے حیران و پریشان کھڑے تھے۔ حور میری منتیں کر رہی تھی اور میں چلا چلا کے سب کو عبداللہ اور عبدل کے کرتوت سنا رہی تھی۔

میرے تماشے سے عبدل تو وہاں سے چلے گئے لیکن عبداللہ نے حور کو بری طرح پیٹ ڈالا۔

''میں نے تمہیں کہا تھا میرے کمرے کی بات باہر نکلی تو تم دوبارہ کمرے میں نہیں آؤ گی۔ تم ساوتری بنی مجھے بہلا رہی تھی......'' وہ حور کو لاتوں گھونسوں سے مار رہا تھا اور وہ چپ چاپ کھا رہی تھی۔ میری ساس اور نند خاموش تماشائی...... عبدل منظر سے غائب اور میں جامد و ساکت حالات کو سمجھنے کی کوشش میں ہلکان...... جب اُس نے پاپا کو گالی دی تب حور کا ضبط ٹوٹا۔ اُس نے اُس کے ہاتھ تھام

لیے۔

''مجھے مارو، مجھے برا بھلا کہو لیکن میرے پاپا کو گالی مت دو۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''نکل جاؤ...... دفع ہو جاؤ میرے گھر سے...... میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔''

حور نے بدحواس ہو کے مجھے دیکھا تھا اور میں حور سے پہلے زمین بوس ہوئی تھی۔ ہم دونوں اجڑی حالت میں پاپا کے گھر پہنچی تھیں۔ میں نے حور کے ساتھ اُس گھر کو چھوڑ دیا تھا۔ پاپا ہمیں ساتھ لگائے دھاڑیں مار مار کے روئے تھے۔

انہوں نے شکایتی نظروں سے چاچو کو دیکھا تھا۔ چاچو نے نظریں جھکا لیں۔

''آپ کی حور اجڑ گئی پاپا...... میں نے بہت چاہا آپ کو دکھی نہ کروں۔ میں آپ کا بیٹی ہونے کا بھرم نہیں توڑنا چاہتی تھی۔ پاپا میں نے پہلی رات سے آج تک آپ کے لیے اذیت برداشت کی اور پھر بھی آپ کو دکھی ہونے سے بچا نہیں پائی۔ پاپا مجھے معاف کر دیں۔'' وہ شدتِ جذبات سے رو دی۔

ثروت حسین اسے ساتھ لگائے کھڑے رہے۔ پھر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ اُن پر قیامت ٹوٹی تھی۔ دونوں بیٹیاں اجڑ کے گھر آ بیٹھی تھیں۔ اولاد کا دکھ ماں باپ کو توڑ کے رکھ دیتا ہے۔ اور بیٹیوں کا دکھ ماں باپ کو دیمک کی طرح چاٹ لیتا ہے۔ ثروت حسین کو بیٹیوں کا دکھ دیمک بن کے لگا تھا۔ انہیں فالج کا شدید اٹیک ہوا تھا۔

اُن کا دایاں بازو مفلوج ہوا تھا۔ ثروت حسین کا دکھ گونگا ہو گیا تھا۔ وہ دن رات کڑھتے، اُن کی حالت بیان سے باہر تھی۔ آٹھ ماہ گزر گئے۔ اِس دوران عبدل نے کوئی رابطہ نہ کیا۔

حور اجڑی تھی اور نور نے خود کو اجاڑ لیا تھا۔ وہ کس منہ سے اُس گھر میں جاتی جہاں سے اُس کی بہن اجڑ کے آئی تھی۔ کس دل سے اُس شخص کے ساتھ رہتی جس نے اپنے بھائی کے ظلم پر کوئی آواز نہ اٹھائی تھی۔ کیسے اُس عورت کی خدمت کرتی جس نے اُن بہنوں کو اپنی نظروں کے سامنے بے گھر ہوتے دیکھا تھا اور اپنے جنے بیٹے کو روک نہ پائی تھی۔

زندگی اور وقت کی اس کھینچا تانی میں 'زینب عبدل' بہار کے جھونکے کی طرح آئی تھی۔ نور نے کسی نفرت کا اظہار کیے بنا اُسے پہلے اچھے نصیب کی دعا دی اور پھر ساتھ لگا کے پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

''بیٹیاں تو پیاری ہوتی ہیں پاپا...... انہیں بس اچھے نصیب کی دعا دیتے رہنا چاہیے۔ اُن سے ڈر نہیں لگتا اُن کے برے نصیبوں سے ماں باپ ڈرتے ہیں۔ میں نے اپنی بیٹی کو مسکرا کے خوش آمدید کہا ہے اور مجھے پورا یقین ہے اس کے نصیب بہت اچھے ہوں گے۔ اُس نے طنز نہیں کیا تھا پورے دل اور یقین سے کہا تھا۔ ثروت حسین اُس کے اِس پورے یقین سے کھل کے مسکرائے تھے۔

اُس نے عبدل کو باپ بننے کی خبر بھیجی تھی لیکن وہاں سے کوئی نہ آیا تھا۔ بشارت تایا نے حور کا رشتہ مانگا تھا۔ اور پاپا نے آنسوؤں کی نمی کے ساتھ قبول کیا تھا۔

پاپا سات ماہ بعد بولنے کے قابل ہوئے تھے۔

اِس گھرانے نے پندرہ ماہ بے حد اذیت میں گزارے تھے۔ پاپا نے عبدل کو فون کیا تھا۔ وہ تو اب شاید منتظر تھا فوراً چلا آیا۔ پاپا نے گردن جھکا کے اُن سے اپنی بیٹی کے گھر آباد کرنے کی بھیک مانگی تھی۔ عبدل نے اجنبی نظروں سے مجھے دیکھا تھا اور پھر پاپا کے جوڑے ہاتھوں کو......

''میں اب صرف شوہر نہیں رہا۔ اگر صرف شوہر ہوتا تو......'' اُس نے خاموشی سے نور کو دیکھا۔ اور پھر اُس کی گود سے زینب کو پکڑ لیا۔ اُسے آٹھ ماہ بعد

بیٹی کا خیال آ ہی گیا۔

"میں یہ نہیں کہتا پاپا کے حور غلط تھی۔ میں جانتا ہوں میرا بھائی غلط ہے۔ ہم نے اُس کے لیے پاک عورت کا انتخاب صرف اس لیے کیا تھا کہ وہ پاک ہو سکے۔" اُس کی خود غرض بات پر نور پہلو بدل کے رہ گئی۔

پاپا نے مما کو صرف اس لیے چھوڑا تھا کیونکہ وہ پاپا کی ہر اچھی بری بات اپنے میکے ڈسکس کرتیں تھیں یہ کوئی معیوب بات نہیں تھی لیکن پاپا کو چڑ تھی اور مما بہت ضدی...... عبداللہ پاپا کا پرتو تھا۔ میں نے کئی بار نور کو سمجھایا تھا کہ اُن کے معاملات میں مت بولو۔ حور نے اگر دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے نور سے بات کی تو نور کو اُسے یوں اچھالنا نہیں چاہیے تھا۔ نور کے جذباتی پن سے حور کا گھر تباہ ہو گیا۔

"میرے بھائی کا گھر اُجڑ گیا وہ ایک بار پھر عورتوں سے بے اعتبار ہو گیا۔" عبدل تاسف سے بولے۔ اُس کا تاسف نور کے اندر کسی خنجر کی طرح لگ رہا تھا۔ عبدل کس قدر خود غرض ہو کے حالات کی تصویر کھینچ رہے تھے۔ یہ کیا احتساب تھا جس میں سارا خسارہ عورت کے حصے آیا۔ میں اِس کو گھر لے جانے کے لیے تیار ہوں۔ اُسے حالات کا مقابلہ کیسے کرنا ہے۔ اس بات کا فیصلہ اِسے کرنا ہے۔"

عبدل نے نورعین کے دل سے اترنے کی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ کتنا واضح فیصلہ تھا۔

وہ اُسے اک احسان مندی کے تحت لے جا رہا تھا۔ اتنی بے حسی کہ اُسے اپنی بیوی کے تحفظ کا بھی پورا یقین نہیں تھا۔ نور کا دل چاہا اُسے نامراد واپس لوٹا دے۔

"نور اپنا سامان باندھو۔" وہ اُسے نامراد لوٹا رہی تھی جب پاپا کے زہر لفظوں سے اُسے پوری طرح چاروں شانے چت کر دیا۔ وہ بے بسی سے باپ کو دیکھنے لگی۔ اُن کے جھکے سر نے نور کے اندر توانائی بھری تھی۔

"فیصلہ ہو گیا...... اُسے بیٹی ہونے کا حق ادا کرنا تھا۔ اُسے باپ کو مزید دکھ سے بچانا تھا۔ اُس نے اپنے پورے وجود کو آگ لگائی تھی صرف اپنے باپ کو اطمینان دینے کے لیے...... حور کا دکھ وہ سہار نہیں پائے تھے۔ نواسی اور بیٹی کو کیسے سہارتے، اُس نے ایک نظر اپنی بیٹی کو دیکھا۔ جھکے سر کے ساتھ اُس نے اعتراف کیا تھا۔ بیٹیاں کیوں ہوتی ہیں؟ اِن لفظوں سے اُسے نفرت تھی انہی لفظوں کو اُس نے تسبیح کی طرح رٹا تھا۔ انا، عزتِ نفس، محبت، پیار، وفا، چاہت سب کو کچل کے اُس نے اپنی بیٹی کو اٹھایا اور اک بار پھر بابل کے گھر سے وداع ہو گئی۔

ثروت حسین کے کمزور دل نے بڑی شدت سے نورعین کے اچھے نصیبوں کی دعا کی تھی۔

اُن کا رواں رواں آنسو بنا اپنے کمزور باپ ہونے کی مجبوری پر رو رہا تھا۔

نازک دل کی ہوتی ہیں
کانچ کی گڑیاں ہوتی ہیں
بیٹیاں کیوں ہوتی ہیں
بہت ہی دل کو پیاری ہوتی ہیں
ماں باپ کے دکھ درد کی ساتھی ہوتی ہیں
چڑیاں بابل کے آنگن کی ہوتی ہیں
ماں کی سہیلی
بابل کی بلبل
بھائیوں کی شہزادی
پھر بھی
بیٹیاں کیوں ہوتی ہیں
بولو ناں ماں
بیٹیاں کیوں ہوتی ہیں

☆☆......☆☆

سپنے سہانے

"ہائیں بچپن کی منگنی توڑ دی۔ سچ کیسا بے مروت شخص ہے۔ اس سے تو اچھا تھا کہ وہ افسر نا بنتا۔ تمہاری طرح ہی میٹرک کر کے کسی پرائیویٹ دفتر میں ملازمت کر رہا ہوتا۔ پھر تو تمہیں نہ چھوڑتا۔ افسری نے اس کا اور اُس کے گھر والوں کا دماغ......

معاشرے کے اُتار چڑھاؤ سے جڑا ایک بہت خاص ناول — دوسرا حصہ

جہنم اس لحاظ سے کہ وہاب اُس کے معیار کے مطابق نہیں تھا۔ ورنہ تو یہ گھر کسی جنت سے کم نہیں تھا۔ صاف ستھرے علاقے میں ایک کنال کی خوبصورتی سے آراستہ پیراستہ کوٹھی تھی۔ کام کاج کے لیے نوکر تھے۔ دو دو گاڑیاں تھیں۔ پیسے کی ریل پیل تھی وہاب کا بزنس بہت اچھا چل رہا تھا۔ اُس کی ڈرائی کلینگ کی کئی شاپس تھیں۔ جن کو ملازم چلاتے تھے۔ اس کے علاوہ اُس نے گھر کے اوپر کے حصے میں ریڈی میڈ گارمنٹس کی فیکٹری بھی لگا رکھی تھی۔ اور امپورٹ ایکسپورٹ کی ایک فرم بھی چلا رہا تھا۔

سامیہ کو کبھی کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ گاڑی خود ڈرائیو کر کے لا کالج جاتی تھی۔ اچھے سے اچھے ملبوسات سے اُس کی وارڈ روب بھری ہوئی تھی۔ قیمتی جیولری اور معیاری کاسمیٹکس کا اسٹاک تھا۔ غرض یہ کہ ہر لحاظ سے وہ ایک آئیڈیل لائف گزار رہی تھی۔ والدین کے گھر میں اگرچہ خاصی خوشحالی تھی۔ مگر پھر بھی تنگدستی کا احساس ہوتا تھا۔

وہاب نے سامیہ کو صحیح معنوں میں فرش سے اُٹھا کر عرش پہ بٹھا دیا تھا۔ اُسے پڑھنے کے لیے بھرپور سپورٹ اور سہولتیں مہیا کی تھیں۔ اُس پہ گھر کے کام کاج یا دیکھ بھال کا کوئی بوجھ نہیں تھا۔

سامیہ اُس وقت وہ پریشان ہوگئی۔ جب اُس پر انکشاف ہوا تھا کہ وہ ماں بننے والی ہے وہ تو چاہتی تھی کہ وہ جب تک زیر تعلیم ہے اس جھنجھٹ میں نا پڑے۔ مگر اُس کی ماں سعدیہ بیگم نے اُسے سختی سے ہدایت کی تھی کہ وہ ایسا کچھ نہیں کرے گی۔ ورنہ پھر بعد میں کوئی سیریس مسئلہ بھی ہوسکتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ کے لیے ماں بننے سے محروم رہ جائے گی۔ اس لیے سامیہ نے قسمت کے لکھے کو قبول کرلیا تھا۔ اُس کے ہاں بیٹی کی ڈلیوری گرمیوں کی چھٹیوں میں ہوئی تھی۔ ویسے بھی ابھی فرسٹ پراف کے امتحان میں پورا ایک سال پڑا تھا۔ اور وہ آسانی سے امتحان کی تیاری رکھتی تھی۔ اُس کی یوں بھی نارمل ڈلیوری تھی۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

اس لیے بچی کو آیا کے حوالے کر کے وہ اپنی پڑھائی میں مصروف ہوگئی تھی۔ وہاب کی بیوہ خالہ بی نے گھر کی ذمے داریوں کے ساتھ ساتھ بچی کی ذمہ داری بھی سنبھال لی تھی۔ اگرچہ فل ٹائم آیا بھی رکھی تھی۔ مگر خالہ بی ایک سمجھدار اور جہاں دیدہ عورت تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ اتنی چھوٹی سی بچی کو مکمل طور پر آیا کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔

سعدیہ بیگم بھی سامیہ کے ہاں بچی کی پیدائش پر بہت خوش ہوئی تھیں اور انہوں نے پورا سوا مہینہ سامیہ کو بچی سمیت اپنے ہی گھر میں رکھا تھا۔ سامیہ پڑھتی رہتی اور بچی کی ذمہ داری آیا کے ساتھ ساتھ سعدیہ بیگم پر تھی۔ سامیہ کی بہنیں اور بھائی بھی بہت خوش تھے۔ ننھی منی گول مٹول سی گڑیا جیسی بچی کو کبھی بہنیں بھائی اٹھائے اٹھائے پھرتے۔

بچی کا نام رکھنے کی رسم بھی سعدیہ بیگم نے بڑی دھوم سے کی تھی۔ سامیہ کے سسرال والوں اور سبھی قریبی رشتے داروں کو مدعو کیا گیا تھا۔ اور سب کی رائے سے بچی کا نام زرنین وہاب رکھا گیا تھا۔ سبھی خوش تھے۔ سوائے سامیہ کے کیونکہ اتنی چھوٹی سی عمر میں ماں بننے کا تجربہ اُس کے لیے عجیب سا تھا۔

دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے سامیہ کی بچی کی تقریب نا ہو بلکہ وہ کسی اور کے بچے کی تقریب میں شریک ہو رہی ہو۔ عزیز رشتے دار آپس میں چہ مگوئیاں بھی کر رہے تھے۔ سعدیہ بیگم نے سامیہ کو سمجھایا بھی تھا۔ کہ وہ کم از کم دنیا دکھاوے ہی کو اپنا موڈ درست کر لے۔ اُس پر وہ منہ بنا کر تقریب سے اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ اور کمرہ بند کر کے سو گئی تھی۔

سعدیہ بیگم نے اُس کی طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے مہمانوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی۔

باقی لوگوں کی تو خیر کوئی بات نہیں تھی۔ مگر سامیہ کی ساس، سسر اور نندوں نے بہت برا منایا تھا۔ اور وہ وہاب کے سمجھانے بجھانے کے باوجود ناراض ہو کر چلے گئے تھے۔ وہاب رات کو وہیں رُک گیا تھا اور جب وہ سامیہ کے کمرے میں آیا تو وہ بے سدھ سو رہی تھی۔

جب دن چڑھے سامیہ اپنے کمرے سے برآمد ہوئی تو سعدیہ بیگم نے اُسے آڑے ہاتھوں لیا۔

''سامیہ یہ تمہاری کیا حرکت تھی۔ تم نے سارے مہمانوں کے سامنے مجھے شرمندہ کر کے رکھ دیا۔

''تم نے یہ سب کیوں کیا؟'' اب بچی تو نہیں ہو پڑھی لکھی سمجھدار شادی شدہ لڑکی ہو۔ ایک بچی کی ماں بن چکی ہو۔ مگر ابھی تک تمہاری بچکانہ عادتیں اور ضد اور ہٹ دھرمی ختم نہیں ہوئی۔

''امی پلیز صبح صبح لیکچر دے کر میرا موڈ خراب نہ کریں۔ مجھے ناشتہ دیں رات کو بھی میں کچھ کھائے بغیر سو گئی تھی۔ اب بھوک کے مارے میرا دم نکل رہا ہے۔'' سامیہ نے بیزار بیزار سے لہجے میں کہا۔ اور سعدیہ بیگم بڑبڑاتی ہوئی کچن میں داخل ہوگئیں تا کہ اپنی ضدی اور خود سر بیٹی کے لیے ناشتہ تیار کر سکیں۔

''ارے بھئی عفیرہ بیگم کہاں ہو تم یہ دیکھو کون آیا ہے؟'' مراد علی نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے زور زور سے کہا۔

''کیا بات ہے کیوں اتنا چلا رہے ہیں۔'' عفیرہ بیگم بوکھلا کر کچن سے باہر نکل آئیں۔

''واہ صغراں بہن اور صدیق بھائی آئے ہیں کیسے راستہ بھول پڑے آپ لوگ آج۔'' عفیرہ بیگم نے خلاف توقع صغراں بیگم اور صدیق کو دیکھ کر

نہایت اپنائیت اور خلوص سے کہا۔
''ہم تو راستہ نہیں بھولے آپ لوگوں نے ہی ہمیں چھوڑ دیا ہے۔ سال بھر ہونے کو آیا ہے۔ مگر آپ لوگوں نے کبھی زحمت ہی نہیں کی آنے کی۔''
صغراں بیگم نے شکوہ کیا۔
''بس بہن کیا بتاؤں گھر کے کام کاج ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ پھر عالی بیٹا بھی یہاں نہیں۔ وہ خیر سے کراچی گیا ہے۔ اپنی ٹریننگ کے سلسلے میں۔ اگلے ہفتے وہ چھٹی پر آ رہا ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ اُس کے ساتھ چکر لگاؤں گی۔
عفیرہ بیگم نے اپنی مصروفیات گنوائیں۔
''ہاں بھئی آپ لوگ اب بڑے لوگ ہو گئے ہو۔ آپ لوگوں کی مصروفیات بھی بڑھ گئی ہیں۔ ہم چھوٹے لوگوں کی طرح آپ لوگوں کے پاس کہاں ٹائم ہوسکتا ہے فالتو عزیز رشتے داروں سے ملنے کا۔'' صدیق نے اپنے مخصوص کرخت اور طنزیہ لہجے میں کہا۔
''نا...... نا...... صدیق بھائی ایسی بات مت کرو۔ کوئی بڑا چھوٹا نہیں ہوتا۔ یہ تو عالی بیٹے کی ضد اور خواہش سے مجبور ہو کر یہاں آئے ہیں ورنہ اپنے تو اپنے ہی ہوتے ہیں ہم کون سے جدی پشتی رئیس ہیں۔ ہم آپ لوگوں کو بھلا چھوڑ سکتے ہیں۔'' مراد علی نے سگریٹ کیس صدیق کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
''آپ لوگ باتیں کریں۔ میں چائے بنا لاؤں۔'' یہ کہہ کر عفیرہ بیگم کچن کی طرف بڑھ گئیں۔ تو صغراں بھی اُن کے پیچھے پیچھے ہی آ گئی۔
''ماشاء اللہ آپا گھر تو آپ کا بہت خوبصورت ہے۔ سامان بھی اچھا ہے اور سجایا بھی بہت اچھی طرح سے ہے۔ اللہ تعالیٰ عالی بیٹے کو اور زیادہ عزت شان دے۔ کیسے دنوں میں اپنے گھر کے

حالات بدل دیئے ہیں ہم جیسوں کی قسمت میں تو جانوروں کی طرح رینگ رینگ کر روتے دھوتے ہی زندگی بسر کرنا رہ گیا ہے۔'' صغراں کے لہجے میں حسرت ہی حسرت پنہاں تھی۔
''ایسی باتیں نہیں کرتے صغراں میری بہن۔ اللہ تعالیٰ سے اچھی امیدیں وابستہ کرنی چاہئیں۔ ماشاء اللہ تمہارے دو بیٹے ہیں۔ آج چھوٹے کل کو بڑے ہوں گے۔ تو وہ بھی اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر ماں باپ کے حالات بدل دیں گے۔ اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔'' عفیرہ بیگم نے چائے کے برتن الماری سے نکالتے ہوئے کہا۔
''ہاں بس اب تو یہی ایک آسرا ہے دعا کرو۔ اللہ میرے بچوں کو کامیاب کرے، ورنہ تو صدیق جیسے شخص کے ساتھ زندگی گزارنا تپتے ہوئے صحرا میں ننگے پاؤں چلنے کے مترادف ہے۔'' صغراں بیگم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
''صباحت بیٹی کالج گئی ہے کیا؟'' صغراں نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''نہیں کالج میں تو آج کل چھٹیاں ہیں خیر سے اُس نے فرسٹ ایئر کا امتحان پاس کرلیا ہے۔ وہ بس اپنی ایک سہیلی کے ساتھ بازار گئی ہے۔ آ جائے گی کچھ دیر میں ہاں تم سناؤ، انیلہ بیٹی کیسی ہے۔ کس کالج میں پڑھ رہی ہے؟'' عفیرہ بیگم نے پوچھا۔
''اُس بدنصیب کی قسمت میں کہاں کالج جانا لکھا تھا۔ ایک دفتر میں ٹیلی فون آپریٹر ہے۔ پانچ ہزار تنخواہ ہے، چھ سات ماہ ہو گئے ہیں۔ اُسے ملازمت کرتے ہوئے تنخواہ تو ساری باپ لے لیتا ہے۔ اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے بے چاری اتوار کی چھٹی میں سارا دن سعدیہ کے پارلر میں کام کرتی ہے۔

صغراں بے حد دکھی ہو رہی تھی۔ اُس کی دکھ بھری باتوں نے عفیرہ بیگم کی آنکھیں بھی اشکوں سے لبریز کر دیں۔ اُن کی کتنی خواہش تھی کہ وہ پیاری سی کامنی سی گڑیا جیسی لڑکی اُس کی بہو بنے۔ مگر جب بیٹا ہی رضا مند نہیں تھا تو وہ کیا کر سکتی تھی۔

چائے پینے کے بعد اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے صغراں اور صدیق رخصت ہو گئے۔ اُن کے جانے کے بعد مبارک علی نے انکشاف کیا کہ صدیق اصل میں پیسے مانگنے آیا تھا۔ وہ موٹر سائیکل خریدنا چاہتا تھا قسطوں پہ، اور ایڈوانس کے لیے پندرہ ہزار مانگنے آیا تھا۔

''آپ نے دے تو نہیں دیے اُسے پیسے۔''
عفیرہ بیگم نے گھبرا کر پوچھا۔

''اتنا بیوقوف نہیں ہوں میں۔ اچھی طرح جانتا ہوں۔''

☆......☆......☆

آفس میں لنچ بریک ہوئی تو انیلہ اپنے کیبن سے نکل کر ریسپشن پر آ کر کھڑی ہو گئی۔ ریسپشنسٹ غزل فون پر مصروف تھی۔ بات مکمل کر کے اُس نے ریسیور کریڈل پہ رکھا اور انیلہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''انیلہ تم کہاں غائب تھیں۔ پورے ہفتے بعد آفس آئی ہو آج، خیریت تھی نا۔''

''ہاں اللہ کا شکر ہے وہ بس میرے دو چچا سعودی عرب سے آئے تھے۔ تو دادا ابو نے اُن کی شادیوں کی ڈیٹ طے کر دی اور یوں جھٹ پٹ میں شادیاں ہو گئیں۔'' انیلہ نے اپنے سوٹ کے ہم رنگ نیل پالش سے رنگے ناخنوں سے کاؤنٹر کو ہولے ہولے بجاتے ہوئے کہا۔

''ارے واہ دو دو چچاؤں کی ایک ساتھ شادیاں تھیں اور محترمہ نے جھوٹے منہ بھی نا پوچھا اچھی دوست ہو یار۔''
غزل نے باقاعدہ برا مان کر کہا۔

''ناراض کیوں ہوتی ہو یار۔ کہا نا کہ بہت جلدی میں اور سادگی سے شادیوں کی تقریب ہوئی۔ صرف گھر کے افراد اور دو چار قریبی رشتے دار ہی بلائے گئے تھے۔ اچھا چلو غصہ تھوک دو یہ لو مٹھائی کھاؤ۔'' انیلہ نے ہاتھ میں پکڑا شاپر غزل کی جانب بڑھایا۔

''ایک ڈبہ تمہارے لیے ہے۔ اور ایک باقی اسٹاف کے لیے۔ تم خود ہی صابر (چپڑاسی) کے ذریعے سارے اسٹاف کے حصے بھجوا دو۔ میں سر کا حصہ دینے جا رہی ہوں۔'' یہ کہہ کر انیلہ سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔

باس کے آفس کے باہر بیٹھے چپڑاسی سے اُس نے پوچھا۔

''شکور سر اندر ہیں نا۔''

''جی میڈیم...... مگر اس وقت سر میٹنگ میں ہیں۔''

''میٹنگ......؟ لنچ بریک میں۔''

''وہ دراصل صاحب کے کوئی ملنے والے آئے ہیں اُن کے ساتھ ضروری میٹنگ چل رہی ہے۔''

''اچھا...... کب تک فارغ ہو جائیں گے؟''

''کچھ کہہ نہیں سکتا۔'' شکور نے ابھی بات ختم کی ہی تھی کہ باس کے کمرے کا دروازہ کھلا اور چھوٹے سے قد کا گہرے سانولے رنگ کا شخص کمرے سے باہر آیا۔ اُس نے سرمئی رنگ کا تھری پیس سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا۔ چہرے سے تیس سال سے زیادہ ہی کا لگ رہا تھا۔ اُس نے اپنی چھوٹی چھوٹی سیاہ چمکیلی آنکھوں سے انیلہ کو ایک لمحے کے لیے گھورا اور پھر بے نیازی سے اپنے

بھاری جوتوں سے کھٹ کھٹ کرتا ہوا لفٹ کی جانب بڑھ گیا۔

''کیسا پاگل شخص ہے۔ اس قدر شدید گرمی میں تھری پیس سوٹ پہنے ہوئے ہے۔'' انیلہ نے اُس کی چوڑی پشت پر نظریں جما کر سوچا۔ اسی وقت شکور باس کے کمرے سے باہر آیا اور انیلہ کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔

''السلام علیکم......!'' انیلہ نے باس کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''وعلیکم السلام کیسی ہو انیلہ بیٹی؟''

''میں ٹھیک ہوں سر آپ کیسے ہیں؟''

''فائن...... ہاں کیسے آنا ہوا، کوئی پرابلم تو نہیں۔''

''سر یہ آپ کے لیے۔'' یہ کہہ کر انیلہ نے ہاتھ میں پکڑے زرد رنگ کے شاپر سے گولڈن پیپر میں لپٹا مٹھائی کا ڈبہ اُن کے سامنے ٹیبل پر رکھ دیا۔

''یہ کیا ہے بیٹی؟''

''وہ سر مٹھائی ہے ابا نے بھجوائی ہے۔''

''ارے اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔ میں تو ویسے شوگر کا مریض ہوں۔''

''سر میں جانتی ہوں۔ اس لیے یہ آپ کے لیے خصوصی طور پر شوگر فری مٹھائی منگوائی تھی ابا نے۔'' انیلہ نے مسکرا کر کہا۔

''واہ بھئی ہماری بیٹی تو بڑی سمجھدار اور ذہین ہے۔''

''جی شکریہ سر......'' انیلہ نے خوشی سے گلنار چہرے کے ساتھ کہا اور پھر ان سے اجازت لے کر نیچے ریسپشن پر آ گئی۔

نیچے عبیدہ، غزل اور فرحانہ اُس کا انتظار کر رہی تھیں۔ کیونکہ آج اُن سب کو لنچ غزل نے کروانا تھا۔ کیونکہ اُس کی حال ہی میں منگنی ہوئی تھی۔ غزل نے قریبی ریسٹوران پر لنچ کا آرڈر فون پر نوٹ کروا دیا تھا اور ابھی ڈلیوری بوائے نہیں آیا تھا۔ اس لیے وہ لوگ اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے ٹائم پاس کر رہی تھیں۔ عبیدہ اور فرحانہ نے بھی انیلہ کو اُس کے چاچوؤں کی منگنی کی مبارکباد دینے کے ساتھ ساتھ شادی پر مدعو نا کرنے پر گلے شکوے کیے۔ ساتھ غزل بھی شامل ہوگئی اور اُن لوگوں نے تب اُس کا پیچھا چھوڑا جب تک انیلہ نے اگلے ہفتے انہیں لنچ بریک پر ٹریٹ دینے کا وعدہ نا کر لیا۔

☆......☆......☆

سامیہ بیٹی دیکھو تو زرنین بے بی کو بخار تو نہیں ہوگیا۔ مجھے اُس کا جسم کچھ گرم لگ رہا ہے۔'' خالہ بی دو ماہ کی زرنین کو اٹھائے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔ جہاں سامیہ اپنی فرینڈز کے ساتھ پڑھ رہی تھی۔

''اُف خالہ بی میں نے آپ کو منع بھی کیا تھا کہ جب ہم لوگ پڑھ رہے ہوں تو ہمیں ڈسٹرب مت کیا کرو۔'' سامیہ نے منہ بنا کر کہا۔

''بیٹی میں تمہیں ڈسٹرب نا کرتی بے بی کی طبیعت کی خرابی ہے۔ مجھے پریشان کر دیا۔ بہت بے چین ہے روئے جا رہی ہے۔ دودھ بھی نہیں پی رہی۔

آپ اور آپ کی سہیلیاں بھی تو ڈاکٹر بن رہی ہو نا اس لیے بچی کو چیک کر لو۔'' خالہ بی نے پریشانی سے کہا۔

خالہ بی ابھی تو ہم ڈسپنسر بننے کے قابل بھی نہیں ہوئیں اور آپ نے ہمیں ڈاکٹر بنا دیا۔ جائیے ڈاکٹر کو فون کر کے بلا لیں اور پلیز ہمیں مزید ڈسٹرب نہیں کرنا اور غفوراں سے کہیں کہ ہمارے لیے چائے اور پکوڑے بنا کر لے آئے۔''

سامیہ نے قدرے غصے سے کہا۔ تو خالہ بی بڑبڑاتی

ہوئی ڈرائنگ روم سے نکل گئیں۔

ساميہ نے غصے سے کہا۔

''تمہیں اپنے ہزبینڈ سے کہنا چاہیے تھا کہ جب تک تم پڑھ رہی ہو تمہیں بچوں کے جھنجھٹ میں نا ڈالیں۔تم کون سا بوڑھی ہو رہی ہو۔'' گلناز نے حیرت سے کہا۔

''میں تو بوڑھی نہیں ہو رہی مگر وہ موصوف تو ہو رہے ہیں نا۔ کہتے ہیں مجھے بچے بہت پسند ہیں اور اگر تم تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہو تو تم نے بچوں کی پیدائش کے سلسلے میں کوئی بھی بندش نہیں لگائی۔اور یوں مجھے مجبوراً یہ کڑوا گھونٹ پینا پڑا ہے۔'' سامیہ بے حد تلخ ہو رہی تھی۔

''چھوڑو اس تکلیف دہ گفتگو کو اور ہاں ہم کس ٹاپک کو ڈسکس کر رہے تھے؟'' ماہ رخ نے نوٹ بک کھولتے ہوئے کہا۔

تو وہ سب کچھ بھول بھال کر پڑھنے میں مگن ہو گئیں تھوڑی دیر بعد ملازمہ چائے اور پکوڑے لے کر آ گئی۔

سامیہ اور اُس کی فرینڈز ایک دوسرے کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے ہوئے چائے اور پکوڑوں سے انصاف کرنے لگیں۔

وہ ایسے ہی ہر ویک اینڈ پر باری باری کسی ایک کے گھر میں اکٹھی ہو کر ہفتے بھر کے لیکچرز کو سمجھنے کے لیے کمبائنڈ اسٹڈی کرتی تھیں اور تبھی تو میڈیکل کے مشکل کورس کو سمجھنے میں انہیں زیادہ دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔اور ساری بہترین پوزیشنز اُن کے گروپ کے حصے ہی میں آئی تھیں۔ باقی کلاس فیلوز اُن کے گروپ کو رشک بھری نظروں سے دیکھتی تھیں۔

چائے سے فارغ ہو کر کچھ دیر مزید اسٹڈی کرنے کے بعد وہ لوگ حرا کی گاڑی میں ٹھنس ٹھنسا کر میک ڈونلڈ کی جانب روانہ ہو گئیں۔

☆......☆......☆

''وہ عالی بیٹا......مسز سعید آئی تھیں آج......'' عفیرہ بیگم نے رات کے کھانے کے لیے شلجم کاٹتے ہوئے کہا۔

''امی آج پھر شلجم بنا رہی ہیں آپ جانتی تو ہیں کہ مجھے شلجم کس قدر ناپسند ہیں۔'' عالی نے ریموٹ سے ٹی وی پر چینل سرچ کرتے ہوئے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اصل میں بیٹا تمہارے ابا کئی دن سے کہہ رہے تھے کہ شلجم گوشت اور خشکہ چاول بناؤ۔ تمہیں تو پتا ہے نا کہ اپنے کشمیری دوستوں کی صحبت میں رہ رہ کر انہیں کشمیریوں جیسے کھانے کھانے کا شوق ہو گیا ہے۔ کبھی ہریسہ کی فرمائش کرتے ہیں تو کبھی شب دیگ کی۔'' عفیرہ بیگم نے اپنا کام ختم کرکے اٹھتے ہوئے کہا۔

''اباجی بھی نا ہمیشہ سے اپنی ہی مرضی چلانے کا شوق رکھتے ہیں۔'' عالی نے بڑبڑا کر کہا۔

''ہاں تو بیٹا میں کہہ رہی تھی کہ مسز سعید آئی تھیں۔'' عفیرہ بیگم نے کچن سے واپس آ کر کہا۔

اس اثناء میں عالی کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا تھا اور آسمان پر اٹھکیلیاں کرتے ہوئے بادلوں کو دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ان کی بلڈنگ کے پاس ہی ایک پارک تھا جہاں مختلف عمروں کے بچے کھیل کود دوڑ اور اچھل کود کی وجہ سے مزید سرخ ہو رہے تھے۔ اُن کے انداز میں بے فکری سی تھی اور عالی اپنے بچپن کے بارے میں سوچ رہا تھا جو کہ ایک تنگ و تاریک گلی میں گزرا تھا۔ جہاں سورج بھی جھانکتے ہوئے جھجکتا تھا۔ وہ لوگ اپنے ہمجولیوں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے کئی منزلہ مکانوں کی چھتوں پر پھٹی پرانی پتنگیں اڑاتے رہتے تھے اور

اکثر بچے پتنگیں اڑاتے اڑاتے اور انہیں لوٹنے کے چکر میں گر کر اپنی ہڈی پسلی تڑوا لیتے اور کچھ تو جان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتے تھے۔ مگر وہ بھی کیا کرتے اور کوئی تفریح ہی نا تھی۔ اسکولوں سے واپس آ کر روکھا سوکھا کھانا کھا کر چھوٹے چھوٹے ڈربہ نما نیم اندھیرے گھروں میں سوائے آپس میں لڑنے جھگڑنے کے اور ماں اور گھر کی دوسری خواتین کی گالی گلوچ اور ڈانٹ ڈپٹ کے سوا تھا ہی کیا۔ گلی اتنی تنگ تھی کہ دو آدمی بھی بمشکل ایک ساتھ گزر سکتے تھے۔ پھر گلی میں گھروں کے ساتھ دونوں اطراف میں نالیاں بہتی تھیں۔ جن میں کچرا اور غلاظت بھری ہوئی تھی۔

چھتوں پر بنی ہوئی پر نالیوں سے ٹوائلٹ کا گندہ پانی بھی گلی میں ہی گرتا رہتا تھا گلی سے نکل کر ایک قدرے کشادہ اور کھلی گلی تھی جس کے دونوں طرف دودھ دہی، سبزی، گوشت، دھوبی، نائی اور کریانے وغیرہ کی دکانیں تھیں۔ جہاں پر ہر وقت گاہکوں کا ہجوم رہتا تھا۔ قریب ترین کوئی پارک تھا نا کوئی کھلی جگہ جہاں بچے کھیل کود سکیں۔

بڑے لڑکے تو پھر مختلف ٹولیوں کی صورت میں باغ جناح، چڑیا گھر، مینار پاکستان، نہر کنارے اور دیگر پارکوں میں چلے جاتے تھے۔ مگر چھوٹے بچوں کو اتنی دور جانے کی نا اجازت تھی نا ہی اُن کے پاس وسائل نے دے کر اُن کے لیے گھروں کی چھتیں ہی کھیل کا میدان تھیں۔ جب رات اُتر آتی تو مائیں یا بڑی بہنیں زبردستی اُن کو مار پیٹ کر نیچے لے جاتیں اور ہلکے بلب کی ملگجی سی روشنی میں اسکول کا کام کرنے کے لیے بٹھا دیتیں اور تھوڑا بہت الٹا سیدھا ہوم ورک کر کے اور رات کا کھانا کھا کر ٹی وی پر بچوں کا کوئی پروگرام دیکھتے اور آٹھ بجے ہی بستروں میں گھس جاتے کہ پھر لوڈشیڈنگ کی وجہ سے گھر تاریکی میں ڈوب جاتا تھا۔ البتہ گرمیوں میں کھلی چھتوں پر چارپائیوں پر سونے کا اپنا ہی مزہ تھا۔

چھت سے مختلف قسم کی آوازیں آ رہی ہوتی ہیں۔ شیر خوار بچے رو رہے ہوتے تو کہیں بڑے بچوں کی سارے دن کا تھکا ہارا باپ ماں سے اُن کی شکایتیں سُن کر دھنائی کر رہا ہوتا۔ کچے کوٹھوں پر پانی چھڑک کر انہیں ٹھنڈا کیا جاتا، جس سے مٹی کی سوندھی سندھی خوشبو ہر طرف پھیل جاتی۔ اور عالی گدلے آسمان پہ ٹمٹماتے ہوئے ستاروں کی آنکھ مچولی دیکھتے ہوئے نیند کی آغوش میں چلا جاتا کہ گرمیوں میں علی الصبح سورج طلوع ہو جاتا تھا اور پھر اُسے اذانوں کے وقت اُٹھ کر وضو کر کے ابا کے ساتھ سر پر سفید ٹوپی پہن کر قریبی مسجد میں فجر کی نماز پڑھنے جاتا ہوتا تھا۔ آندھی آئے یا طوفان ابا پانچ وقت کی نماز باقاعدہ مسجد میں پڑھنے جاتے تھے اور عالی کو بھی ساتھ لے کر جاتے۔

مسجد سے واپس آ کر عالی کمیٹی کے نلکے سے پانی بھر کر لاتا۔ اس میں کافی دیر لگ جاتی کیونکہ بالٹیوں، مٹکوں اور پیتل کے گھڑوں کی ایک طویل قطار ہوتی تھی۔ جہاں بڑی مشکل سے باری آتی تھی۔ اُن کے جاگنے سے پہلے پہلے چھوٹے سے صحن میں دروازے کے پاس ہی سیڑھیوں کے نیچے بڑے سے حمام کو اماں نے پانی سے بھر دیا ہوتا تھا تاکہ ابا، عالی، دادی اماں اور دادا ابو کو وضو کرنے میں دقت نہ ہو۔

پانی بھر کر عالی منہ ہاتھ دھو کر اسکول کے لیے تیار ہو جاتا۔ صباحت اماں کے ساتھ ناشتہ بنوا رہی ہوتی۔ پھر وہ بھی جلدی جلدی تیار ہو جاتی۔ چائے اور پراٹھے پر مبنی ناشتہ کر کے عالی اپنے دوستوں کے ساتھ اور صباحت اپنی سہیلیوں کے ساتھ اسکول

چلے جاتے اور اماں ابا اور دادا، دادی کو ناشتہ دے کر گھر کے کاموں میں مصروف ہو جاتی۔

ابا ناشتہ کر کے اپنی سائیکل پر کام پر چلے جاتے۔ دادا اپنی گلی سے نکل کر بڑی گلی میں جا کر نائی کی دوکان پر بیٹھ جاتے اور اخبار پڑھنے کے ساتھ ساتھ اپنے جیسے دوسرے فارغ بوڑھوں کے ساتھ حالات حاضرہ پر تبصرہ کرنے لگتے جبکہ دادی کے پاس محلے کی ایک دو بڑی بوڑھیاں آ جاتیں اور وہ آہیں بھر بھر کر اپنا سنہرا دور یاد کرنے لگتیں یا پھر بہوؤں کی بڑائیاں، بیٹوں کی زن مریدی اور پوتے پوتیوں کی نالائقوں پر اظہار خیال کرنے لگتیں۔ بس اپنی بیٹیوں، دامادوں اور نواسوں، نواسیوں کا ذکر کرتے ہوئے اُن کے لہجوں میں دنیا بھر کی شیرینی گھل جاتی۔

''عالی بیٹا میں نے تم سے کچھ کہا تھا۔'' عفیرہ نے عالی کو یوں کھڑکی کے پاس گم سم کھڑے دیکھا تو اُس کے قریب آ کر اونچی آواز میں کہا۔ تو عالی چونک پڑا اور اپنی یادوں کے گرداب سے باہر نکلتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''آہ...... ہاں...... آپ کسی مسز سعید کا ذکر کر رہی تھیں۔ کون ہیں یہ محترمہ اور کیوں آئی تھیں؟''

''اف...... عالی تمہاری یادداشت کو کیا ہو گیا ہے یہ رواج میرج ہاؤس کی مالکہ ہیں۔ سعدیہ آپا نے ان کا ایڈریس دیا تھا۔ کیونکہ ایہ اُن کے بیوٹی پارلر میں جاتی رہتی ہیں۔ انہوں نے بتایا تھا کہ مسز سعید کے پاس بہت اچھے اچھے گھرانوں کے رشتے ہیں اور میں نے آج اسی سلسلے میں انہیں بلایا تھا۔ وہ تو کہہ رہی تھیں کہ میرج ہاؤس میں آ جاؤ۔ مگر میں نے کہا تھا کہ میرے لیے ممکن نہیں ہے وہاں جانا۔ اس لیے وہ خود ہی آ گئی تھیں اور کافی اچھے گھروں کی لڑکیوں کی تصویریں اور کوائف لائی تھیں۔ میں نے انہیں تمہارے کوائف بتا دیے ہیں اور تصویر بھی دے دی ہے۔ کہہ رہی تھیں کہ بہت جلد تمہارے لیے اچھے علاقے کی رہائشی امیر کبیر گھرانے کی لڑکی کا رشتہ کروا دیں گی۔'' عفیرہ بیگم نے اپنی طویل بات ختم کر کے عالی کے چہرے کی جانب دیکھا تا کہ اُس کے تاثرات جان سکیں۔

''ٹھیک ہے امی آپ جو مناسب سمجھیں وہ کریں البتہ ایک بات کا خیال رکھیے گا کہ یہ رشتے کروانے والے لوگ اکثر فراڈ کرتے ہیں۔ اور جھوٹ بول کر بڑی بڑی رقمیں بٹورنے کے چکر میں رہتے ہیں۔'' عالی نے کچھ سوچ کر کہا۔

''جانتی ہوں بیٹا مگر سعدیہ بہن نے بتایا تھا کہ مسز سعید یہ کام خدمت خلق کے طور پر کرتی ہیں اور لالچی بھی نہیں ہیں۔ اپنی خوشی سے کچھ دے دیں تو ٹھیک ہے ورنہ کوئی ڈیمانڈ نہیں کرتیں مجھے احساس ہے کہ پہلے ہی ہم کتنی ہی رشتے کروانے والیوں اور شادی دفتر والوں کو پیسے دے چکے ہیں۔ جنہوں نے کبھی بھی کوئی اچھا رشتہ نہیں بتایا۔ مگر مسز سعید ان سب سے مختلف ہیں۔ مجھے ان سے مل کر بھی احساس ہوا ہے کہ ہر شعبے میں جہاں کچھ کالی بھیڑیں ہوتی ہیں وہاں کم ہی سہی مگر مخلص اور ایماندار لوگ بھی ہوتے ہیں تبھی تو یہ دنیا ابھی تک قائم ہے۔

''وہ تو ٹھیک ہے امی مگر پھر بھی محتاط رہیے گا، ہم کوئی لینڈ لارڈ نہیں تو نہیں ایک میری ملازمت ہی ہے جس سے گھر کے اخراجات پورے ہوتے ہیں۔ ابھی میں اتنا سینئر بھی نہیں ہوا کہ اوپر کی آمدنی شروع ہو سکے۔'' عالی نے کہا تو عفیرہ بیگم فوراً بولیں۔

''نا...... نا میرے بچے ہمیں حرام کی اوپر کی

کمائی نہیں چاہیے۔ عزت سے اچھا بھلا گزارا ہو رہا ہے۔ ہمارے لیے یہی کافی ہے۔" ماں کی بات سن کر زیرِ لب مسکرایا اور دل ہی دل میں کہنے لگا۔

"میری بھولی بھالی ماں تجھے کیا پتہ کہ میرے محکمے میں کیسے کیسے بھیڑیے ہیں جو رشوت ہی کو اصل کمائی سمجھتے ہیں اور کیسے انہوں نے دولت کے انبار اکٹھے کر لیے ہیں یہ ملک غریب نہیں ہے بلکہ ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے ہے جو قومی دولت کو دونوں ہاتھوں سے بے دردی سے لوٹ لوٹ کر اپنے بینک اکاؤنٹ بھر رہے ہیں اور ملک کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔ مگر وہ یہ باتیں صرف سوچ ہی سکتا تھا۔ اپنی پانچوں وقت کی نمازی ماں سے نہیں کہہ سکتا تھا جو چند جوڑے کپڑوں اور تین وقت کی روٹی ہی کو حاصلِ زندگی سمجھتی تھی۔

عفیرہ بیگم کچن میں جا کر رات کے کھانے کی تیاری کرنے لگیں۔ جبکہ عالی تیار ہو کر کسی دوست سے ملنے باہر نکل گیا۔ صباحت اپنی ایک دوست کے ساتھ اکیڈمی گئی ہوئی تھی اور ابا آج اپنے پرانے محلے میں اپنے دیرینہ دوستوں سے ملنے اور گپ شپ لگانے کے لیے گئے ہوئے تھے۔

☆......☆......☆

انیلہ آفس سے نکلی تو ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی۔ وہ تیز تیز قدموں سے قریبی بس اسٹاپ کی جانب بڑھی۔ وہاں تک جاتے جاتے بھی وہ خاصی بھیگ چکی تھی۔ بس اسٹاپ پر لوگوں کا ایک اژدھام تھا۔ چونکہ یہ دفاتر کے بند ہونے کا وقت تھا۔ اس لیے سارے دن کے تھکے ہارے لوگ جلدی جلدی گھروں کو واپس جانا چاہتے تھے۔ چنانچہ جو بھی بس آتی لوگ جلدی سے اُس کی طرف لپکتے اور دھکم پیل کرتے ہوئے اُس میں سوار ہونے کی کوشش کرتے۔ پنجاب یونیورسٹی کے اولڈ کیمپس کے ساتھ واقع بس اسٹاپ پر بہت سے یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹس بھی تھے۔ کچھ تو لائبریری میں بیٹھ کر نوٹس بنانے کی وجہ سے دیر سے گھر جا رہے تھے۔ بہت سے مختلف کورسز میں زیرِ تعلیم تھے۔ جن کی کلاسز شام کو ہوتی تھیں۔ انیلہ بڑی حسرت سے یونیورسٹی کے سبزہ زاروں پر اِدھر اُدھر بیٹھی لڑکیوں اور لڑکوں کے گروپس کو دیکھ رہی تھی۔ اُسے کتنا شوق تھا کہ وہ یونیورسٹی میں پڑھ کر لیکچرار بنے۔ اگرچہ اب پنجاب یونیورسٹی کے اولڈ کیمپس میں چند ہی مضامین کی کلاسز ہوتی تھیں۔ باقی سارے ڈیپارٹمنٹس تو نیو کیمپس منتقل ہو چکے تھے۔ مگر انیلہ کا پسندیدہ ڈیپارٹمنٹ یعنی آرٹس تو یہیں تھا۔ وہ جب بھی وہاں سے گزر کر انارکلی بازار جاتی تھی۔ تو فائن آرٹس ڈیپارٹمنٹ کے لان میں اِدھر اُدھر طلباء و طالبات کینوس پر پینٹنگز بنا رہے ہوتے تھے۔ کسی نے ماڈل کو سامنے بٹھایا ہوتا تھا۔ انیلہ کو یہ سب بڑا اچھا لگتا تھا وہ سوچتی تھی کہ ایک دن وہ بھی ایسے ہی یہاں تصاویر بنا رہی ہوگی۔ اُس کی ڈرائنگ ہمیشہ ہی سے اچھی تھی۔ اور اسکول میں لڑکیاں اکثر اپنی سائنس کی کاپیوں اور پریکٹیکلز کی کاپیوں پر تصاویر بنواتی تھیں۔ وہ اتنی نفاست اور خوبصورتی سے تصاویر بناتی تھی کہ دیکھنے والے دنگ رہ جاتے تھے۔ اُس کی ٹیچرز اور فرینڈز اُسے یہی مشورہ دیتی تھیں کہ وہ ضرور فائن آرٹس کی طرف جائے۔ اسی لیے انیلہ نے ہمیشہ خود کو مستقبل میں فائن آرٹس کی لیکچرار کی حیثیت سے ہی سوچا تھا۔

مگر جب میٹرک کے بعد ابا نے اُسے کالج میں داخلہ دلوانے سے انکار کر دیا۔ اور پھر عالی کے گھر والوں نے جب اُس کے ساتھ بچپن کی طے کی گئی منگنی بھی توڑ ڈالی تو اُس کا دل ٹوٹ گیا۔ پھر

اُسے مزید پڑھنے اور کچھ بننے کی کوئی خواہش نہ رہی تھی۔ اگر تھی بھی تو اُس نے اُسے اپنے دل کے نہاں خانوں میں دفن کر دیا تھا۔ وہ اپنے گھر کے اذیت ناک ماحول میں اس امید پر رہ رہی تھی کہ عالی بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہا تھا اور وہ بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے معاشرے میں ایک باوقار مقام حاصل کرے گی۔ اور اپنے والدین سے بہت اور اچھے ماحول میں زندگی گزارے گی۔ مگر اُس کی غربت اور کم مائیگی کی وجہ سے اُسے ٹھکرا دیا گیا تھا اور اب اُسے زندگی سے کوئی خاص دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ بلکہ اپنے باپ کی پیسے کی ہوس کو پورا کرنے کے لیے کولہو کا بیل بن کر رہ گئی تھی۔

صبح سات بجے گھر سے نکلتی تھی اور کہیں نو بجے آفس پہنچ سکتی تھی۔ کیونکہ صبح صبح تو بسوں ویگنوں میں بہت رش ہوتا تھا۔ شام کو پانچ ساڑھے پانچ بجے تک آفس سے نکلتی تھی اور گھر پہنچتے پہنچتے سات ساڑھے سات بج جاتے تھے۔ اُس کے ساتھ کام کرنے والی دوسری لڑکیوں نے یا تو رکشے لگوا رکھے تھے یا پھر اُن کے باپ بھائی انہیں موٹر سائیکلوں پر چھوڑتے تھے اور واپس لے جاتے تھے۔ اس لیے وہ اُس کے مقابلے میں زیادہ فریش تھیں۔ ان کے لباس بھی اُس سے بہتر ہوتے تھے کیونکہ وہ شوقیہ ملازمت کرتی تھیں اور اُن کی تنخواہ کا زیادہ حصہ بھی اُن کے ذاتی استعمال ہی میں رہتا تھا۔ جبکہ انیلہ کو تو ساری تنخواہ ابا کو دینی پڑتی تھی۔ اور اپنے اخراجات کے لیے وہ سعدیہ بیگم کے پارلر میں اتوار کی چھٹی میں کام کرتی تھی۔

پورا ہفتہ اور چھٹی کے دن میں بھی مسلسل کام کر کر کے وہ تھک کر چور ہو جاتی تھی۔ اُس کی تو نیند بھی صحیح طرح پوری نہیں ہوتی تھی۔ پھر گھر کا ماحول اس قدر خراب تھا۔ اماں ابا میں تو جو چیخ چیخ ہوتی تھی وہ تھی ہی مگر چھوٹے سے ڈربہ نما گھر میں کئی خاندان آباد تھے۔ کبھی اماں اور دادی میں لڑائی ہو رہی ہوتی۔ کبھی پھوپو اور تائی اماں لڑ رہی ہوتیں اور ابا کی تو اکثر ہی اپنے ابا اور بڑے بھائی سے لڑائی ہوتی تھی۔ جس میں سب خوب مغلظات بکتے، ایک دوسرے کے گفتنی اور ناگفتنی عیب گنوائے جاتے۔ سارا محلہ تماشا دیکھتا۔ اکثر ہاتھا پائی تک کی بھی نوبت آ جاتی۔ اور اب تو دونوں چچا بھی باہر سے آ گئے تھے۔

دونوں چچیوں کے آنے اور صحن میں مزید اوپر نیچے دو کمرے بننے کے بعد گھر اور بھی تنگ و تاریک ہو گیا تھا۔ انیلہ کا دل چاہتا تھا کہ وہ دن رات صاف ستھرے، روشن اور وسیع و عریض ایئر کنڈیشنڈ آفس میں ہی رہے۔ یہاں کوئی ایک دوسرے سے لڑتا جھگڑتا نہیں تھا۔ سب ایک دوسرے کی عزت کرتے تھے۔ پھر اُس کی اتنی اچھی لڑکیوں سے دوستی ہو گئی تھی۔ فارغ وقت میں بھی اُن سے گپ شپ میں اچھا وقت گزر جاتا تھا اور وہ سارا دن اپنے گھر کو اور گھر کے ماحول کو تقریباً بھول ہی جاتی تھی۔ گھر تب یاد آتا تھا۔ جب وہ چھٹی کے بعد آفس سے نکلتی تھی۔ اور بسوں، ویگنوں کے دھکے کھاتی ہوئی تھکان سے گھر پہنچتی تھی تو وہاں کسی کو اُس کی پرواہ ہی نہیں ہوتی تھی۔ سب اپنی مصروفیات میں مگن ہوتے تھے۔ اور نڈھال نڈھال سی تھکی ہاری انیلہ اپنے بستر پر بے سدھ سی پڑ جاتی۔ حالانکہ اردگرد بے تحاشا شور مچا ہوتا تھا۔ کہیں بہن بھائی آپس میں لڑ رہے ہوتے تو کہیں اماں چیخ رہی ہوتیں۔

یا پھر گھر کے دوسرے افراد کی ملی جلی آوازیں اُس کی سماعتوں سے ہتھوڑے کی مانند ٹکراتی رہتیں مگر وہ کان لپیٹ کر پڑی رہتی۔ پھر جب ابا گھر

آتے تو وہ اماں سمیت سب کو ڈانٹتے اور گالی گلوچ شروع کر دیتے۔ تھکن سے چور چور انیلہ کو بھی نا بخشتے۔ اور اُسے کہتے کہ سارے دن کی روداد بتاؤ۔ اور بے چاری کانپتی لرزتی بلاکم و کاست اپنی سارے دن کی کارکردگی کی رپورٹ دیتی۔

تو جواب میں کہتے۔ ''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ اپنا کام توجہ سے کیا کرو۔ اور کسی غیر مرد کو منہ لگانے کی ضرورت نہیں اور زیادہ فیشن والے کپڑے نا پہن کر جایا کرو۔ اور نا ہی یہ بے ہودہ عورتوں کی طرح لٹک مٹک کر باتیں کیا کرو۔''

''نہیں ابا میں تو خاموش رہتی ہوں۔ میرا تو کام ہی سب سے الگ تھلگ ہے۔ اپنے کیبن میں ہی زیادہ تر رہتی ہوں۔'' انیلہ اُکتا کر جواب دیتی۔

''اچھا...... اچھا زیادہ اپنی صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں اور ہاں تم نے اپنے باس سے ایڈوانس کی بات کی تھی۔ میں چاہتا ہوں کہ قسطوں پر موٹر سائیکل لے لوں۔ پھر میں تمہیں خود ہی دفتر چھوڑ آیا کروں گا۔ واپسی میں خود آجایا کرنا۔''

''ہاں ابا کی تھی بات سر سے وہ کہہ رہے تھے کہ ایک دو مہینے تک ایڈوانس مل جائے گا۔''

''کتنا ایڈوانس دیں گے؟''

''تین ماہ کی تنخواہ کے مطابق ملے گا۔ اور پھر وہ دو دو ہزار کے حساب سے کٹتا رہے گا۔'' انیلہ نے کہا۔

''اس طرح تو تمہاری تنخواہ سے دو ہزار کم ہو جائیں گے۔ میں قسط کیسے دوں گا۔ اپنے باس سے کہو نا کہ تمہاری تنخواہ بڑھا دے۔ دو سال سے وہاں جھک مار رہی ہو اور تنخواہ ابھی تک پانچ ہزار روپے ہی ہے۔''

''جی اچھا ابا بات کروں گی سر سے۔'' انیلہ یہ کہہ کر باتھ روم میں لباس تبدیل کرنے چلی گئی۔ ورنہ تو ابا کے سوال و جواب سے اُس کے پہلے ہی سے سر درد میں مزید اضافہ ہو جاتا تھا۔

انیلہ کافی دیر سے بس اسٹاپ پر کھڑی اپنے روٹ کی بس کی منتظر تھی۔ بظاہر تو وہ وہاں کھڑی تھی۔ مگر اُس کے ذہن میں اپنے ہی حالات کی فلم سی چل رہی تھی۔ اس لیے اپنے اردگرد سے بے خبر سی ہو گئی تھی اُسے پتہ ہی نہیں چلا کہ کب شام کا دھندلکا ہلکے ہلکے اندھیرے میں تبدیل ہو گیا۔ اگر معمول سے تھوڑی سی بھی دیر ہو جاتی تو ابا اُس کے کردار کے بارے میں ایسی ایسی باتیں کرتے کہ اُس کا دل چاہتا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اُس میں سما جائے۔ یا پھر جیسی باتیں ابا اُس کے بارے میں کرتے ہیں۔ وہ ویسی ہی بن جائے کیونکہ کسی شخص کے کردار پر بار بار کیچڑ اچھالا جائے تو وہ سوچتا ہے کہ جب میرے کردار کے بارے میں جھوٹی باتیں کر کے مجھ پر بدکردار کا لیبل لگایا ہی جا چکا ہے تو کیوں نا سچ مچ ہی ویسا بن جائے۔ کم از کم جھوٹے الزامات کی چوٹ سے ذہنی اذیت تو نا ہوگی نا۔ ایسی ہی کیفیت ابا کے گھٹیا قسم کے الزامات سُن سُن کر انیلہ کی بھی ہو جاتی تھی۔ ویسے بھی سوائے اسکول کے دس سالوں کے وہ کبھی کہیں گئی ہی نا تھی۔ نا ہی کسی نے اُسے کبھی اخلاقی درس دیا تھا۔ اسکول کی کتابیں پڑھ کر جو باتیں سیکھی تھیں۔ اب تو وہ بھی ذہن سے نکلتی جا رہی تھیں کہ عملی زندگی میں تو تعلیم کا کوئی خاص رول ہی نہ تھا۔ یہاں تو وہی شخص کامیاب اور سرخرو رہتا ہے جو جتنا زیادہ چالاک، جھوٹا اور بے ایمان ہو۔ ہر محکمے ہر ادارے کا یہی حال ہے۔ جو چند اچھے لوگ ہوتے ہیں وہ بھی خربوزے کی طرح آہستہ آہستہ دوسروں کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں کہ باضمیر لوگوں کا

سروائیو کرنا ناممکن نہیں تو اس کرپٹ معاشرے میں دشوار ضرور ہوتا ہے۔

''ارے انیلہ تم......؟'' انیلہ اپنے خیالوں کے تانے بانے بن رہی تھی کہ ایک جانی پہچانی آواز اُس کی سماعتوں سے ٹکرائی اُس نے دیکھا کہ اُس کی اسکول کی دوست فروا لدی پھندی کھڑی تھی۔ ساتھ ایک ادھیڑ عمر خاتون تھیں۔

''کسی ہو فروا...... تمہاری پڑھائی کیسی چل رہی ہے؟'' انیلہ نے سرخ و سپید صحت مند چہرے والی فروا کو رشک سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''وہ میرا ایف اے کا ایگزام ختم ہو گیا ہے۔ اور آج کل ہم سیما باجی کی شادی کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اگلے ماہ اُن کی شادی ہے نا اسی لیے میں اور امی شاپنگ کے سلسلے میں آئی ہیں۔'' فروا نے ادھیڑ عمر نرم شفیق سے چہرے والی باتوں کا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔

''السلام وعلیکم! آنٹی جی کیسی ہیں آپ؟'' انیلہ نے ادب سے کہا۔

''میں ٹھیک ہو بیٹی تم سناؤ کیسی ہو، کیا کر رہی ہو، آج کل فروا تمہارا بہت ذکر کرتی ہے۔'' خاتون نے انیلہ کو پیار سے اپنے ساتھ لگا کر کہا۔

''وہ جی میں ایک آفس میں جاب کرتی ہوں۔ وہیں سے آ رہی ہوں۔ وہ سامنے والی بلڈنگ کے پچھلی طرف میرا آفس ہے۔''

''اچھا اتنی دیر سے تمہیں چھٹی ہوتی ہے۔'' آنٹی نے حیرت سے استفسار کیا۔

''نہیں...... چھٹی تو جلدی ہو جاتی ہے۔ آج ابھی تک میرے روٹ کی کوئی بس ہی خالی نہیں آ رہی، سبھی بھری ہوئی آتی ہیں کہ پاؤں دھرنے کی جگہ بھی نہیں ملتی۔'' انیلہ نے شائستگی سے جواب دیا۔

''ہاں شام کے وقت رش بھی تو بہت ہوتا ہے نا۔ تم نے کالج میں داخلہ کیوں نہیں لیا، فروا بتاتی ہے کہ تم تو کلاس کی سب سے زیادہ لائق اسٹوڈنٹ بھی تھیں۔''

''بس آنٹی گھر کے حالات ہی کچھ ایسے ہو گئے کہ مجبوراً مجھے جاب کرنی پڑی۔ انیلہ نے دل گرفتہ سے لہجے میں کہا۔

''چلو کوئی بات نہیں بیٹا...... انسان کے ساتھ مجبوریاں اور مسائل بھی ہوتے ہیں تم پرائیویٹ طور پر اپنی تعلیم مکمل کر لو۔ کیونکہ فی زمانہ لڑکیوں کے لیے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ اس طرح تمہیں بہتر جاب بھی مل جائے گی۔''

''جی آنٹی میں ساتھ ساتھ پڑھ رہی ہوں۔ ارادہ تو اسی سال امتحان دینے کا تھا۔ مگر تیاری صحیح نہیں ہو سکی تھی۔ انشاء اللہ اگلے سال ضرور ایف اے کا امتحان دوں گی۔''

''چلو اچھا ہے۔ اللہ تمہیں کامیاب کرے۔'' آنٹی نے کہا۔ اور پھر وہ ساتھ کھڑی ایک دوسری خاتون کے ساتھ باتوں میں معروف ہو گئیں۔ اور فروا اور انیلہ آپس میں اسکول کے زمانے کی باتیں کرنے لگیں۔

''ہاں انیلہ تمہاری تو منگنی بچپن ہی سے طے ہو گئی تھی کب تک شادی کا ارادہ ہے؟ تمہارا منگیتر تو شاید مقابلے کا امتحان دینے جا رہا تھا نا؟'' فروا نے پوچھا۔

''محترم نے نہ صرف مقابلے کا امتحان پاس کر لیا ہے بلکہ ایک اچھے عہدے پر فائز ہو کر ہمارا علاقہ اور سارے رشتے داروں سے ناطہ توڑ کے ایک پوش ایریا میں والدین سمیت شفٹ ہو گئے ہیں۔ سنا ہے گاڑی وغیرہ بھی لے لی ہے اور اپنا

پرانا مکان بھی فروخت کر دیا ہے۔ رہی شادی کی بات تو وہ مجھ سے نہیں بلکہ کسی امیر و کبیر خاندان کی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اعلیٰ عہدے والی لڑکی سے ہو گی۔ مجھ سے اب اُن کا کوئی رشتہ نہیں رہا۔'' انیلہ نے تلخ لہجے میں کہا۔

''ہائیں بچپن کی منگنی توڑ دی۔ سچ سچ کیسا بے مروت شخص ہے۔ اس سے تو اچھا تھا کہ وہ افسر نا بنتا۔ تمہاری طرح ہی میٹرک کر کے کسی پرائیویٹ دفتر میں ملازمت کر رہا ہوتا۔ پھر تو تمہیں نہ چھوڑتا۔ افسری نے اس کا اور اُس کے گھر والوں کا دماغ خراب کر دیا ہے۔'' فروا نے غصے سے کہا۔

''خیر یہ تو اپنی اپنی قسمت کی بات ہے نا...... میں اُس کے قابل نہیں تھی۔ اسی لیے اُس نے مجھے چھوڑ دیا۔ اور ٹھیک ہی کیا کیونکہ ایک بندہ اتنی محنت سے اپنا مقام بناتا ہے۔ تو اُسے کیا پڑی ہے کہ اپنے معیار سے کم تر لوگوں سے ناطہ جوڑے۔''

''تم بھی نا انیلہ پتہ نہیں کس مٹی کی بنی ہو۔ ایک شخص نے ساری زندگی کا بندھن توڑ دیا۔ اور تمہیں کوئی پرواہ ہی نہیں۔''

''پرواہ کر کے اپنی جان کو روگ لگانے سے بہتر ہے کہ انسان حقیقت کی دنیا میں رہنا سیکھ لے اور وہ میں نے سیکھ لیا ہے۔ اچھا فروا خدا حافظ۔ پھر ملیں گے تم نے تو سارے رابطے ہی ختم کر لیے اتنی اچھی دوست تھیں ہم اور آج پورے دو سال بعد مل رہے ہیں۔ سیما باجی کی شادی پر تو بلاؤ گی نا۔'' انیلہ نے اپنی بس کو آتے دیکھ کر جلدی جلدی کہا اور بس کی جانب بڑھ گئی۔

''ہاں کیوں نہیں...... میں جلدی شادی کا کارڈ لے کر تمہارے گھر آؤں گی۔ اچھا اللہ حافظ۔'' فروا نے کہا اور انیلہ اُسے ہاتھ ہلاتی ہوئی بس کے پائیدان پر کسی طرح پاؤں ٹکا کر کھڑی ہو گئی اور یہ بھی غنیمت لگا ورنہ اور گھنٹوں تک بس کا انتظار کرنا پڑتا۔

☆......☆......☆

''سنو سامیہ میں نے تمہاری خواہش پر تمہیں میڈیکل میں داخلہ لینے اور مزید تعلیم حاصل کرنے کی اجازت تو دے دی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم گھر کو اور بچی کو مکمل طور پر نظر انداز کر دو آخر تم ایک شادی شدہ عورت ہو۔ تمہاری کچھ ذمے داریاں ہیں۔ میں سارا دن گھر کے اخراجات پورے کرنے کے چکر میں بزنس میں مصروف رہتا ہوں اور تم ٹین ایج لڑکیوں کی طرح اپنی فرینڈز کے ساتھ سیر سپاٹے اور ہوٹلنگ کرتی پھرتی ہو۔'' وہاب احمد نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی ٹائی کو گرہ لگاتے ہوئے دبے دبے غصے سے بیڈ پر سرخ ویلوٹ کی رضائی میں کسلمندی سے لیٹی سامیہ کو دیکھ کر کہا۔

یہ سن کر تو سامیہ کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ آج ویسے ہی اُس کی طبیعت بوجھل ہو رہی تھی۔ ایک تو رات دیر تک پڑھتی رہی تھی۔ سر میں بھی درد تھا، رات کو نیند بھی صحیح طرح سے نہیں آئی تھی۔ اسی لیے وہ آج کالج بھی نہیں جا سکی تھی۔ اُس کی قوت برداشت تو ویسے ہی جب سے وہاب احمد جیسے بد شکل، بڑی عمر کے اور بد دماغ شخص سے شادی ہوئی تھی ختم ہو چکی تھی۔ اس لیے ذرا سی بات ہی آپے سے باہر ہو جاتی تھی۔ اور وہاب احمد نے تو آج اُسے اتنی باتیں سنا دی تھیں اس لیے وہ چیخ کر بولی۔

''منہ سنبھال کر بات کریں مسٹر۔ میں جب ٹین ایج ہوں تو ٹین ایج لڑکیوں جیسی حرکتیں ہی کروں گی۔ آپ کو پاگل کتے نے کاٹا تھا جو ایک

ٹین ایج لڑکی سے شادی کرلی۔ کسی اپنی ہم عمر عورت سے شادی کرتے جو گھر بیٹھ کر بچے پالتی اور گھر سنبھالتی، میں نے شادی سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میں نہ گھر داری کے جھنجھٹ میں پڑوں گی۔ نہ ہی بچے پیدا کروں گی وہ تو آپ نے منتیں ترلے کرکے مجھے بچوں کے لیے آمادہ کیا۔ ایک محترمہ دنیا میں آچکی ہے اور دوسرا بچہ بھی چند ماہ بعد آجائے گا۔ جبکہ ابھی میری عمر بمشکل سے بیس سال ہی ہوئی ہے۔ میری ہم عمر لڑکیاں بے فکری سے پڑھائی کررہی ہیں۔ زندگی کو انجوائے کررہی ہیں اور میں کن عذابوں میں پڑگئی ہوں۔ یہ سب میرے والدین کا قصور ہے اور میں اس کے لیے انہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔

وہ بیڈ سے اتر کر سیاہ سافٹ سے سلیپر اور ڈریسنگ گاؤن پہن کر تنتناتی ہوئی بیڈروم سے نکل کر ڈرائنگ روم میں جاکر دروازہ زور سے بند کرکے صوفے پر گر کر رونے لگی۔ ایسا تقریباً اکثر ہی ہوتا تھا جب بھی وہاب احمد اُسے کچھ کہتا وہ اسی طرح ری ایکٹ کرتی تھی۔ چونکہ وہاب احمد خود بھی مزاج کا تیز اور قدرے بددماغ تھا۔ اس لیے وہ اُسے جلی کٹی سنانے اور احسان جتانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔ ایسے میں وہ بھول جاتا تھا کہ اُس نے اپنی پسند سے بڑے چاؤ سے اس معصوم سی گڑیا جیسی لڑکی کو اپنایا تھا۔ وہ اُسے اپنے برابر کی ایک ذمہ دار عورت سمجھ کر اُس سے لڑتا تھا اگرچہ ماں باپ کے گھر میں زیادہ خوشحالی نہیں تھی۔ مگر پھر بھی دونوں محنت کرکے اپنے بچوں کو ایک اچھی خوشحال اور پُرسکون زندگی مہیا کررہے تھے اپنے بچوں کی ہر خواہش حتیٰ الامکاں پوری کرنے کی کوشش کرتے۔ پھر گھر کا ماحول بے حد پُرسکون تھا۔ گھر کی فضا میں محبت، خلوص اور اتفاق رچا بسا تھا۔ اس کی وجہ سعدیہ بیگم کے عقل مندی اور سلیقہ شعاری تھی۔ شوہر بھی نرم مزاج تھا۔ اس لیے خوب نبھ رہی تھی۔ اگرچہ اوپر تلے پانچ لڑکیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ مگر پھر بھی شوہر کے مزاج میں تلخی نہیں آئی تھی۔ ہاں سعدیہ بیگم صرف بچیوں کے اچھے مستقبل کا سوچ کر پریشان ہوتی رہتیں، اس پر اُن کے میاں اعظم صاحب انہیں تسلی دلاسہ دیتے ہوئے کہتے۔

''ارے یوں اس طرح کڑھ کڑھ کر اپنی صحت کیوں برباد کرتی رہتی ہو۔ جس اللہ نے اتنی پیاری پیاری پریوں جیسی بچیاں دی ہیں۔ وہ اُن کے رشتوں کے لیے بھی کوئی نا کوئی سبیل پیدا کرہی دے گا۔'' جواب میں سعدیہ بیگم بھی مستقبل کے اُن سہانے سپنوں میں کھوسی جاتیں جب اُن کی بھی بیٹیاں اپنے اپنے گھروں میں شہزادیاں بن کر راج کررہی ہوں گی کہ یہ ہر ماں ہی کا سپنا ہوتا ہے۔

معصوم سی سامیہ کو اپنے سے دگنی عمر کے شخص سے بیاہ کر وہ اپنی طرف سے مطمئن ہوگئی تھیں کہ اُن کی نازوں پلی بیٹی ایک دولت مند شخص کے گھر میں عیش کررہی ہے۔ جبکہ سامیہ قطعی خوش نہ تھی۔ مگر مجبوراً ماں باپ کی عزت کی خاطر ایک ناپسندیدہ شخص سے نباہ کررہی تھی جو اکثر ہی اپنی اصلیت ظاہر کرکے سامیہ کو پچھتاوؤں کی دلدل میں دھکیل دیتا تھا۔ آئے روز ہی کوئی نا کوئی ایسی بات ہوجاتی تھی۔ جس پر وہ بیخ پا ہوکر سامیہ کی سرزنش کردیتا اور وہ گھنٹوں رو رو کر اپنی حالت بگاڑ لیتی۔

ایسے میں وہ نہ صرف کھانا پینا چھوڑ دیتی بلکہ اپنی پڑھائی سے بھی غافل ہوجاتی۔ کئی روز تک اُس کا موڈ اپ سیٹ رہتا۔ اور وہ ہر لمحہ اپنی ہی سوچوں کے تانے بانے بنتی رہتی۔ کالج جاتی تو

وہاں بھی غائب دماغ سی رہتی۔ وہ دن بدن خود ترسی کی عادت میں مبتلا ہو رہی تھی۔ اُسے اپنی فرینڈز اور دیگر لڑکیوں پر رشک آتا جو لاپرواہی اور آزادی کی نعمت سے جی بھر کر لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ سوائے کالج آنے پڑھنے لکھنے اور لائف کو انجوائے کرنے کے انہیں کوئی اور فکر نہ تھی۔

مگر وہ بے بس تھی کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ کبھی وہ سوچتی کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دنیا کے کسی ایسے گوشے میں جا کر روپوش ہو جائے جہاں سے اُسے کوئی نا ڈھونڈ سکے۔ کبھی وہ خودکشی کرنے کا ارادہ باندھتی۔ غرض یہ کہ اُس کی عجیب سی کیفیت ہو جاتی۔ پھر مشکل یہ تھی کہ وہ اپنے احساسات کسی سے شیئر بھی نہیں کر سکتی تھی۔ ماں سے تو کچھ کہنا سننا ہی بے کار تھا۔ وہ اُلٹا اُسی کو سمجھانے بیٹھ جاتی تھیں۔ کئی ایسی لڑکیوں کی مثالیں دیتیں جو کہ شادی کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو چکی تھیں وہ اُسے یہی کہتیں کہ کچھ عرصے کی بات ہے پھر سب مسئلے حل ہو جائیں گے۔

جبکہ سامیہ کو پند و نصائح سے شدید چڑ تھی۔ اُس کے لیے تو ایک ایک پل گزارنا عذاب ہو رہا تھا اور امی اُسے چند سالوں کے گزر جانے کی نوید سناتی تھیں۔ اپنی فرینڈز سے بھی وہ زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ کیونکہ وہ اپنی آزاد زندگیوں میں مگن تھیں۔ ایسے جھمیلوں سے ابھی وہ کوسوں دور تھیں۔ اس لیے وہ اُس کے مسئلے کو سمجھنے کے بجائے الٹا اُس کا مذاق ہی اڑاتی تھیں اور وہ جواب میں اپنا سا منہ لے کر رہ جاتی تھی۔ اور اپنے دکھوں پر اکیلی ہی جلتی کڑھتی رہتی تھی۔

☆......☆......☆

''ہاں یہ ٹھیک ہے کہ وہ لوگ بے حد دولت مند ہیں بڑا سا گھر ہے گیراج میں کئی گاڑیاں کھڑی گھر بھی خوب قیمتی ساز و سامان سے سجا ہوا ہے۔ مگر لڑکی دیکھی ہے اُن کی...... بھائی سے پورے دس سال بڑی لگتی ہے اور پھر شکل و صورت بھی یونہی سی ہے۔ ہمارے عالی بھائی تو شہزادے ہیں شہزادے، میں تو آپ کو کبھی بھی ایسی معمولی سی لڑکی سے بھائی کی شادی کرنے کی اجازت نہیں دوں گی۔'' صباحت نے حسب عادت تیز تیز بولتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں ماں بیٹیاں نئی رشتے کروانے والی مسز سعید کے ہمراہ ڈیفنس میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز شخص کی بیٹی کو عالی کے لیے دیکھنے گئی تھیں۔ اور اب گھر واپس آ کر وہ لوگ لڑکی اور اُس کے گھرانے کو ڈسکس کر رہی تھیں۔ لڑکی تو عفیرہ بیگم کو بھی پسند نہیں آئی تھی۔ اُس کا قد بھی چھوٹا تھا۔ عمر کی بھی زیادہ لگ رہی تھی۔ جسم فربہی مائل تھا۔ رنگ سانولا سا تھا۔ غرضیکہ وہ کسی بھی لحاظ سے عالی کے قابل نہیں تھی۔ سوائے اس کے کہ لڑکی کا باپ بہت بڑا افسر تھا۔ اور عالی جیسے نچلے متوسط طبقے کے نوجوان افسر کو اگر زندگی میں ترقی کرنی تھی تو اُسے کسی ایسے ہی گھرانے کی ضرورت تھی۔ جس کی سیڑھیاں استعمال کر کے وہ اپنے ہم عصروں سے آگے بڑھ سکے۔ مگر صباحت اس بات کی قائل نہیں تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ جب ایک غریب گھر میں پیدا ہو کر اور پل بڑھ کر عالی اپنی محنت کے بل بوتے پر افسر بن گیا تھا۔ تو آگے بھی اپنی محنت کی بدولت مزید ترقی کرے گا۔ اور یہی عفیرہ بیگم کی بھی سوچ تھی۔ مگر شوہر اور بیٹے کی خواہش کے آگے بے بس انہوں نے تو یہ بھی سوچ رکھا تھا کہ وہ عالی اور اُس کے والد کو اس رشتے کی بابت کچھ نہیں بتائیں گی اور کوئی بہانہ بنا کر انہیں ٹال دیں گی۔

اسی لیے انہوں نے صباحت سے کہا تھا۔

''تم ٹھیک کہتی ہو صباحت بیٹی۔ واقعی وہ لڑکی

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دستر خوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

کسی لحاظ سے بھی عالی بیٹے کے قابل نہیں۔ اس لیے میں مسز سعید سے کہوں گی کہ وہ کوئی اور لڑکی دکھائے۔''

''ہاں امی دیکھیے ہم عالی بھائی کے لیے ایسی لڑکی ڈھونڈیں گے جو ہر لحاظ سے اُن کے قابل ہو اور ہو بھی دولت مند گھر کی...... ایسے بہت سے لوگ جو فخر سے عالی بھائی کو اپنا داماد بنالیں گے۔ آخر عالی بھائی میں کیا کمی ہے صرف ہمارے پاس پیسہ ہی تو نہیں ہے تو کیا ہوا...... پیسہ بھی تو سب کچھ نہیں ہوتا۔'' صباحت نے خوشی سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

مگر ہوا یہ کہ دوسرے دن ہی شام کے وقت جب عالی اکیلا گھر میں تھا۔ رشتے کروانے والی عورت آگئی اور اُس نے عالی سے پوچھا کہ اُس نے انہیں جو رشتہ دکھایا تھا۔ اُس کے متعلق اُن لوگوں نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ اس پر عالی نے جواب دیا کہ اُسے اس بات کا کوئی علم نہیں اُس کی والدہ ہی بہتر جانتی ہیں کچھ دیر بعد جب عفیرہ بیگم اور صباحت شاپنگ کر کے لدی پھندی گھر آئیں تو عالی نے انہیں کہا۔

''امی وہ رشتے والی عورت مسز سعید آئی تھی۔ وہ پوچھ رہی تھی کہ آپ لوگ کل جس لڑکی کو دیکھ کر آئی تھیں۔ اُس کے بارے میں آپ لوگوں نے کیا سوچا ہے؟ امی آپ نے مجھے بتایا ہی نہیں کہ آپ کل کوئی لڑکی دیکھنے گئی تھیں۔'' عالی کے لہجے میں ہلکا ہلکا سا گلہ تھا۔

عفیرہ بیگم اور صباحت نے گھبرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ بالآخر عفیرہ بیگم ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں گویا ہوئیں۔

''ہاں بیٹا کل میں اور صباحت گئی تھیں ایک گھر میں رشتہ دیکھنے چونکہ ہمیں لڑکی پسند نہیں آئی تھی۔ اس لیے ہم نے تمہیں بتانا مناسب نہیں سمجھا۔''

''کیوں کیا خامی ہے لڑکی میں، امی آپ خود ایک بیٹی کی ماں ہیں یوں بلاوجہ کسی کی بیٹی میں عیب نکال کر ٹھکرانا ٹھیک نہیں ہے۔ کم از کم مجھے تو بتانا چاہیے تھا نہ آپ کو کیونکہ آخری فیصلہ تو میرا ہی ہوگا نا۔''

''میں جانتی ہوں میرے بچے کہ آخری فیصلہ تمہارا ہی ہوگا۔ مگر جب ہمیں تمہارے مطابق کوئی لڑکی ملے گی تو بتائیں گے نا۔ اپنی بہن سے پوچھ لو وہ بالکل گئی گزری لڑکی ہے۔ کوئی بھی خوبی نہیں ہے اُس میں سوائے یہ کہ اُس کا باپ کسی محکمے میں بڑا آفیسر ہے اور ڈیفنس میں دو کنال کا گھر ہے تم نے شادی لڑکی سے کرنی ہے یا اُس کے باپ کے رینک اور گھر سے۔'' عفیرہ بیگم بہت تلخ ہو رہی تھیں۔

''امی آج کل لوگ لڑکی وغیرہ کو اتنی اہمیت نہیں دیتے جتنی اہمیت لڑکی کے والد کے عہدے اور حیثیت کی ہوتی ہے۔ لڑکی کی خوبصورتی تو چند روزہ ہوتی ہے جو شادی کے کچھ عرصے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ مگر اُس کی دولت اور اُس کے باپ کی پوزیشن ہم جیسے غریب گھرانے کے لڑکوں کے لیے جادو کی چھڑی کی مانند ہوتی ہے۔'' عالی نے جوشیلے لہجے میں کہا۔

''مگر بھائی وہ عمر کی بھی زیادہ ہے۔ اور پڑھی لکھی بھی کوئی خاص نہیں۔ کہنے کو گھر والے بتا رہے تھے کہ اُس نے بی اے کر رکھا ہے۔ مگر اُس کی بات چیت اور انداز و اطوار سے تو وہ پرائمری پاس بھی نہیں لگ رہی تھی۔ عام سی شکل ہے اُس کی، آپ کے ساتھ تو بالکل سوٹ نہیں کرے گی۔'' صباحت نے بغیر کسی لگی لپٹی کہہ دیا۔

''تم ایسا کرو۔ کل پھر امی کے ساتھ اُن کے گھر چلی جاؤ اور اُس کی تصویر لے آؤ۔ اگر مجھے اچھی لگی تو ٹھیک ہے۔ ورنہ انکار کر دیں گے۔''

عالی نے کچھ سوچ کر کہا۔

"بھائی آپ کو اپنی ماں اور بہن پر اعتبار نہیں جو آپ اُس کی تصویر لانے کو کہہ رہے ہیں۔" صباحت نے برا منا کر کہا۔

"یہ بات نہیں ہے میری پیاری بہنا۔ دراصل ماں بہنیں جب اپنے لاڈلے بیٹے اور بھائی کے لیے رشتہ دیکھنے نکلتی ہیں تو انہیں اس دنیا کی رہنے والی کوئی لڑکی نہیں بھاتی۔ وہ تو جنت کی حور یا کوئی پری ڈھونڈھتی ہیں۔ کتنے سال ہو گئے ہیں امی کو میرا رشتہ دیکھتے ہوئے مگر ابھی تک انہیں ڈھنگ کی لڑکی نہیں مل سکی۔

"مجھ میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں کہ کوئی لڑکی میرے لیے آپ لوگوں کو مناسب ہی نہیں لگتی۔ عام سی شکل وصورت کا عام سا بندہ ہوں۔ جس کے پاس نا دولت ہے نا خاندانی وقار، ہم جیسے لوگوں کو امیر اور اونچے طبقے کے لوگ اسی صورت میں اپنا داماد بنانے کی کڑوی گولی نگلتے ہیں اگر اُن کی بیٹی میں کوئی عیب ہو اور اُن کے اپنے طبقے میں اُسے کوئی قبول کر رہا ہو۔ تب وہ اُس کی بڑھتی ہوئی عمر سے خائف ہو کر ہمارے طبقے کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اُن کی اس مجبوری کی وجہ سے ہم جیسوں کی گویا لاٹری نکل آتی ہے۔ اس لیے آپ وہی کریں جو میں کہہ رہا ہوں کیونکہ اب میں مزید انتظار نہیں کر سکتا۔ اگلے دو ماہ تک میری ٹرانسفر کراچی ہو جائے گی اور میں وہاں اکیلا نہیں رہ سکتا۔" یہ کہہ کر عالی تیز تیز قدموں سے اپنے کمرے کی جانب چل پڑا اور عفیرہ بیگم بادل نخواستہ رشتے والی مسز سعید کا نمبر ڈائل کرنے لگیں۔

"انیلہ آپی...... انیلہ آپی جلدی اٹھیں وہ آپ کی دوست فروا آپی آئی ہیں اپنے بھائی کے ساتھ۔" انیلہ کی چھوٹی بہن راحیلہ نے اُسے جھنجوڑ جھنجوڑ کر جگاتے ہوئے کہا۔

آج اتوار کی چھٹی تھی۔ انیلہ پارلر بھی نہیں گئی تھی۔ کیونکہ رات کو وہ صحیح طرح سے سو نہیں سکی تھی۔ دراصل ابا نے اُسے بہت برا بھلا کہا تھا۔ اُس نے مہینے کی تنخواہ میں سے پانچ سو روپے کم دیے تھے۔ آفس کے ایک ساتھی کی شادی تھی اور اسے مشترکہ گفٹ دینے کے لیے سب کی تنخواہوں میں سے پانچ پانچ سو روپے کاٹ لیے گئے تھے۔ انیلہ نے سوچا تھا کہ اتوار کو پارلر جائے گی تو سعدیہ آنٹی سے پانچ سو روپے لا کر ابا کو دے دے گی۔ مگر ابا تو پانچ سو روپے کم دیکھ کر آپے سے ہی باہر ہو گیا اور اول فول بکنے لگا۔ اُس کا خیال تھا کہ انیلہ نے جھوٹ بول کر پانچ سو روپے اپنے پاس رکھ لیے، جب اماں نے انیلہ کی صفائی میں کچھ کہنا چاہا تو ابا نے آؤ دیکھا نا تاؤ...... اماں کو گالی گلوچ دینی شروع کر دیں اور جب اماں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا تو ابا نے اماں کے ساتھ ساتھ انیلہ اور دوسرے بچوں کو بھی روئی کی مانند دھنک کر رکھ دیا وہ تو دادی نے آ کر ابا کو ڈانٹا ڈپٹا تو تب اُس کے ہاتھ رکے۔

اور وہ بکتا جھکتا گھر سے باہر چلا گیا اور پھر ساری رات گھر نہیں آیا۔ ظاہر ہے پانچ ہزار کی خطیر رقم ملی تھی جو نشے اور جوئے میں اڑانی تھی۔

انیلہ اپنی اور ماں بہنوں کی چوٹوں پر سینکائی بھی کر رہی تھی اور ساتھ ساتھ ایک دوسرے کے آنسو بھی پونچھ رہی تھیں۔ یہ آنسو تو شاید مستقل اُن کے مقدر میں لکھ دیے گئے تھے۔ ساری رات روتے اور کراہتے ہوئے ہی گزر گئی ہے اور صبح کے وقت جا کر کہیں آنکھ لگی تھی اور جب راحیلہ نے اُسے جگایا تو تب دن کے تین بج رہے تھے۔ سوائے راحیلہ کے سبھی گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے۔

ابا ابھی تک گھر نہیں لوٹا تھا اور یہ اچھا ہی تھا ورنہ وہ کہاں اتنی بے فکری سے سو سکتے تھے۔ اُسے تو صبح صبح ناشتے اور ٹھیک بارہ بجے دوپہر کے کھانے کی فکر لگ جاتی تھی اور اگر وقت پر اُسے ناشتہ کھانا نا ملتا تو بیوی اور بچوں کی شامت آ جاتی۔

انیلہ نے نیم غنودگی میں راحیلہ کی بات سنی اور پھر دوسری جانب کروٹ لے کر بے خبر ہو کر سو گئی۔ آج اتنے دنوں بعد تو اتنی گہری نیند آئی تھی۔

"آپی اٹھو نا، وہ آپ کی سہیلی آئی ہے۔ میں نے اُسے چھوٹی چاچی کے کمرے میں بٹھا دیا ہے۔" راحیلہ نے دوبارہ انیلہ کا بازو ہلایا تو وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی۔

"ک...... کیا کہا؟ ک...... ک...... کون آیا ہے؟" انیلہ نے نیند سے بوجھل آنکھوں کو بمشکل کھولتے ہوئے پوچھا۔

"ایسے کرو راحیلہ تم آپی پر پانی کی بالٹی ڈالو۔ تاکہ اس کی آنکھ کھل جائے۔" راحیلہ سے چھوٹی شوخ و شنگ بجیلہ نے کہا۔

"نہیں...... نہیں۔" انیلہ نے گھبرا کر کہا اور فوراً اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ راحیلہ اور بجیلہ کھل کھلا کر ہنسنے لگیں۔

راحیلہ تم جا کر فروا کے پاس بیٹھو میں آ رہی ہوں۔" یہ کہہ کر انیلہ جلدی سے باتھ روم میں گھس گئی۔ وہیں کھونٹی پر کل جو سوٹ آفس پہن کر وہ گئی تھی، لٹکا ہوا تھا۔ اُس نے جلدی جلدی منہ ہاتھ دھویا۔ کھونٹی سے سوٹ اُتار کر پہنا۔ بال ٹھیک کیے اور تک سک سے درست ہو کر چھوٹی چچی کے کمرے کی جانب چل پڑی۔ چھوٹی چچی کا کمرہ اُن کے جہیز کے بیڈ، ڈریسنگ ٹیبل اور صوفے سیٹ کی وجہ سے خاصا سجا ہوا تھا۔ کمرے میں وال ٹو وال کارپیٹ بھی پڑا تھا۔ کمرے سے ملحق باتھ روم اور چھوٹا سا کچن بھی تھا۔ جس میں جہیز کے چم چماتے نئے برتن تھے۔ جب بھی راحیلہ کی کوئی آفس کی دوست یا اسکول کی سہیلی آتی انیلہ انہیں چچی کے کمرے ہی میں بٹھاتی تھی۔ ورنہ اپنا کمرہ تو اس قابل ہی نا تھا۔ وہ تو کباڑ خانہ تھا۔

فروا اور اُس کا بھائی بڑے صوفے پر بیٹھے تھے۔ جبکہ راحیلہ چچی کے ساتھ اُن کے بیڈ پر بیٹھی تھی۔ انیلہ کے کمرے میں داخل ہونے پر راحیلہ کچن میں چائے بنانے کے لیے چلی گئی۔ فروا اور اُس کا بھائی سکندر روح افزا کے گلاس ہاتھ میں پکڑے ہلکے ہلکے سپ لے رہے تھے۔ انیلہ کو دیکھ کر فروا کھڑی ہو گئی اور بڑے پیار سے اُس سے گلے ملی۔ اور پھر وہ انیلہ کے ہمراہ دوسرے صوفے پر بیٹھ گئی انیلہ نے سکندر کو سلام کیا جو آنکھیں پھاڑے اُسے گھورے چلے جا رہا تھا۔

"سکندر بھائی یہ انیلہ ہے پہچانا آپ نے اُسے میرے ساتھ اسکول میں پڑھتی تھی۔ آپ اکثر مجھے اسکول سے پک کرنے آتے تھے تو یہ میرے ساتھ ہی اسکول گیٹ سے باہر آیا کرتی تھی۔"

"اچھا...... اچھا یہ ہیں انیلہ مجھے تو یاد نہیں کہ میں نے انہیں کبھی دیکھا ہو۔ دراصل تمہیں پک کرنے کی اتنی جلدی ہوتی تھی مجھے کہ اِدھر اُدھر کا دھیان نہیں ہوا کرتا تھا میرے پاس، پھر وہاں اتنی لڑکیاں ہوتی تھیں کسی ایک کو یاد رکھنا مشکل ہوتا ہے۔" سکندر نے چونک کر جواب دیا۔

یہ اور بات ہے کہ اُس کی نگاہیں بار بار انیلہ کے حسین چہرے ہی کا طواف کیے جا رہی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد راحیلہ چائے اور بسکٹ لے کر آ گئی اور وہ لوگ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے چائے پینے لگے۔ اس دوران چچی اور راحیلہ کمرے سے باہر چلی گئی تھیں۔

"مس انیلہ میں آپ کو فروا کی شادی کا کارڈ دینے آیا تھا۔ آپ اور آپ کے سارے گھر والے

ضرور آیئے گا۔ ہمیں بہت خوشی ہوگی۔'' سکندر نے کریم کلر کا ایک بڑا سا لفافہ انیلہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''ارے تمہاری شادی کی ڈیٹ فکس ہوگئی اور تم آج بیگانوں کی طرح مجھے انوی ٹیشن دینے آئی ہو۔''

انیلہ نے شکوہ بھرے لہجے میں فروا سے کہا تو اُس کے لبوں پر ایک شرمیلی سی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

''وہ دراصل کچھ دن پہلے ہی دبئی سے چھٹی پر آیا ہوں۔ امی ابو نے سوچا کہ پھر جانے کب مجھے دوبارہ چھٹی ملے۔ اس لیے انہوں نے لڑکے والوں کے اصرار پر اس ماہ کی پندرہ تاریخ رکھ لی۔ کیونکہ اگلے مہینے کی دس تاریخ کو مجھے واپس جانا ہے اور ہاں آپ نے صرف برأت اور ولیمے ہی میں نہیں آنا بلکہ مہندی اور مایوں پر بھی آنا ہے۔ کیونکہ آپ فروا کی بیسٹ فرینڈ ہیں۔'' سکندر نے نثار ہوجانے والی نظروں سے انیلہ کے چہرے کو تکتے ہوئے کہا۔

سکندر کے اس طرح والہانہ انداز میں دیکھنے پر انیلہ کا چہرہ خوشی اور شرم سے سرخ ہو رہا تھا۔ پہلی مرتبہ زندگی میں کسی نے اُسے احساس دلایا تھا کہ وہ بھی اس قابل ہے کہ اُسے سراہا جائے۔ اُسے چاہا جائے۔ تھوڑی دیر بعد فروا اور سکندر اُسے دوبارہ شادی کے تمام فنکشنز اٹینڈ کرنے کی تاکید کرتے ہوئے رخصت ہوگئے۔ اور انیلہ وہیں چچی کے بیڈ پر لیٹ کر سکندر کے سہانے سپنوں میں کھوگئی۔ عام سی شکل وصورت کا مالک سکندر اُسے اپنے سپنوں کا حسین شہزادہ لگ رہا تھا۔ اسے یقین ہو رہا تھا کہ سکندر اُسے پسند کرنے لگا ہے۔ اور اُسے اپنانا اُس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ ایک تو اُس کی پیاری دوست کا بھائی تھا۔ دوسرے اُن کی مالی حالت اُن لوگوں سے ملتی جلتی ہی تھی۔ اُن کا بھی موہنی روڈ پر ایک چھوٹی سی گلی میں چھوٹا سا گھر تھا۔

فروا چار بہن بھائی تھے فروا سے بڑا سکندر تھا۔ جبکہ فروا سے چھوٹی دو بہنیں تھیں۔ سکندر پچھلے سال ہی ایف اے کے بعد الیکٹریشن کا کورس کر کے اپنے ایک ماموں کی وساطت سے دبئی گیا تھا۔ اور ایک سال ہی میں فروا کے گھر کے حالات قدرے بہتر ہوگئے تھے۔ فروا کے والد کی چھوٹی سی کریانے کی دکان تھی۔ جس سے پہلے اُن کی بمشکل گزر بسر ہوتی تھی۔ تاہم سکندر کے دبئی جانے کے بعد گھر میں خوشحالی آگئی تھی۔

جب عالی نے انیلہ کو ٹھکرادیا تو کچھ دن تک تو وہ اپنی بدنصیبی پر اشک بہاتی رہی اور پھر اُس نے اپنی توجہ کا مرکز تایا ابو کے بڑے بیٹے فواد کو بنالیا۔ فواد نے بی اے کیا تھا۔ اور وہ ایک پرائیویٹ ادارے میں کام کر رہا تھا۔ اس کی آمدنی کافی اچھی تھی۔ اور وہ سوچ رہا تھا کہ کچھ عرصے بعد پیسے جمع کر کے وہ اچھے علاقے میں پلاٹ لے کر گھر بنالے گا۔ وہ انیلہ کو پسند بھی کرتا تھا۔ جب کبھی موقع ملتا وہ اُسے تسلی دلاسہ دیتا کہ وہ فکر نہ کرے۔ کیا ہوا گر عالی نے اُسے ٹھکرا دیا ہے وہ اُس سے ضرور شادی کرے گا۔ اور اُسے اس جنجال پورے سے نکال لے جائے گا۔ فواد کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر انیلہ اپنا ٹھکرائے جانے کا دکھ بھولتی جارہی تھی کہ اچانک تائی اماں نے فواد کا رشتہ اپنی بھانجی سے طے کردیا۔ اُس دن انیلہ بہت روئی تھی۔ اور اُس کے بعد فواد نے انیلہ کی جانب دیکھنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ جب کبھی وہ چھپ چھپا کر اوپر تایا ابو کے گھر میں جاتی تاکہ فواد سے اُس کی بے وفائی کا گلہ کرسکے۔ مگر وہ اُسے دیکھ کر گھر سے باہر نکل جاتا۔ انیلہ نے سکندر کو اپنی سوچوں کا محور بنالیا تھا فواد پر لعنت بھیج کر وہ اب سکندر کے خواب دیکھ رہی تھی۔

(جاری ہے)

افسانہ

حنا اصغر

اُفق کے اُس پار

"کون کرتا ہے اپنوں کے ساتھ ایسا۔ جن لوگوں نے مجھ سے میرے پیارے چھینے ہیں، میں بھی اُن سے اُن کے پیارے چھین لوں گا تم مجھے نہیں روک سکتے اور نہ ہی میں رکوں گا۔" وہ خون آشام نگاہوں سے مجھے گھورتے ہوئے بولا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں......

ڈپارٹمنٹل اسٹور سے نکلتے ہوئے اُس کے پاؤں پان کی پیک سے اٹے تھے۔ ایک کراہیت آمیز احساس نے اُس کو اپنے حصار میں لے لیا اُس نے دائیں جانب ہی سیڑھیوں سے اپنے پاؤں رگڑ دیے لیکن زبان سے مغلظات کا ایک طوفان تھا جو گاہے بگاہے اُمڈ آیا تھا اس انسان کے لیے جس نے غلاظت کی انتہا کرتے ہوئے اس صاف شفاف چکنے فرش کے سینے کو سرخ رنگ سے داغدار کر دیا تھا۔

اس نے بہ مشکل سر جھٹک کر اس کی کراہیت آمیز احساس کو ذہن سے نکالا جو کہ اُس کی نازک طبع پر گراں گزرا تھا۔

وہ کافی عرصہ بعد وطن واپس لوٹا تھا اس لیے اس طرح کی گندگی و غلاظت دیکھنے کی عادت نہیں تھی۔ اس نے ایک سرسری سی نگاہ پارکنگ ایریا پر ڈالی تھی۔ سیکنڈوں میں اُس کی نگاہ ایک چہرے میں اٹک کر رہ سی گئی۔

اس طرح سے کہ اس کے چہرے کے خدوخال اور چہرے کی بناوٹ دل کے نہاں خانوں میں روشن یاد کی طرح بدرجہ اتم موجود تھی۔ وہ تندہی سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا اُس کی طرف پہنچا۔ اس کی پشت پر اپنا ہاتھ ٹکا دیا تھا۔ مقابل نے مڑ کر استعجابیہ نظروں سے اُس کی جانب دیکھا۔ اس کے ماتھے پر عود آنے والے بل غائب ہو گئے تھے۔ سپاٹ ہونٹ بے اختیار جنبش کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

'سلمان سکندر' وہ اُس کا نام لینے کے فوراً بعد اس سے بغل گیر ہوا اس طرح کہ جیسے کسی انسان کو اپنی متاع اچانک سے مل جائے اور اس کو سمجھ ہی نہ آ رہا ہو کہ وہ اپنی خوشی کا اظہار کس طرح سے کرے۔

"کیسے ہو یار! کہاں تھے تم، میں نے تمہیں بہت تلاش کیا کراچی میں۔ تمہارے ایڈریس پر گیا تو پتہ چلا تم سعودی چلے گئے ہو فون نمبر مستقل بند تھا۔ پتہ نہیں تم کہاں غائب ہو گئے تھے۔ جب مجھے تمہاری زیادہ ضرورت تھی۔

آخری الفاظ اس نے منہ میں بڑبڑا کر ادا کیے جو کہ سلمان سے مخفی ہی رہے۔ وہ شکوہ کناں بھی تھا اور بے حد خوش بھی اس انجان واجنبی شہر میں کافی عرصہ بعد کسی اپنے کو دیکھا تھا خوشی سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی۔

''اصل میں یار تم تو جانتے تھے اماں ابا کی وفات کے بعد کراچی شہر میں اکیلا تھا بڑے دونوں بھائی سعودیہ سیٹل تھے۔ انہوں نے مجھے بلایا مجبوراً آنا فاناً سب چھوڑ چھاڑ کر چلا گیا اب میری کزن کی شادی ہے۔

اس لیے یہاں آیا ہوں تم سناؤ ابھی بھی اسی کمپنی میں جاب کر رہے ہو یا چھوڑ دی۔ کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' معاً اسفند یار کو خیال آیا۔

''سی ویو لے چلو عرصہ ہو گیا ہے کراچی کے ساحل کو دیکھے ہوئے۔ اُس کی لہروں کے اتار چڑھاؤ پہ اپنے غموں کو رکھے ہوئے اِس کی سرد و گرم ہواؤں پر اَن گنت سپنے دیکھے ہوئے وہ فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

اُس کا لہجہ کھویا کھویا سا تھا۔ وہ بھی کیا دن تھے یار جب تم اور میں ایک ہی کمپنی میں کام کیا کرتے تھے اور سر اظہر کی ناک میں دم کیا کرتے تھے۔ سلمان نے بولتے ہوئے اسفند یار کو دیکھا۔ جو پہلے ہی کہیں کھویا ہوا تھا۔

اُس کی سبز آنکھوں میں کچھ اور ہی تھا کیا تھا جس نے سلمان کو چونکا دیا تھا کچھ تھا۔ جس کا اندازہ سلمان نہیں لگا پا رہا تھا۔

وہ دونوں ساحل سمندر پہنچ چکے تھے دونوں واک کرتے ہوئے ساحل کے دائیں جانب بنے سنگی بینچ پر بیٹھ گئے۔

سلمان نے ایک اڑتی نگاہ اسفند پر ڈالی۔

''پتہ نہیں کیوں سلمان کو اس کے خدوخال میں یاسیت و پژمردگی کے ڈیرے جمے ہوئے نظر آرہے تھے۔

آنکھیں کئی رت جگوں کی غماز تھیں تو پپڑی جمے ہونٹ مستقل قفل پر شکوہ کناں تھے۔

''تم سوات واپس نہیں گئے تم تو. کہتے تھے کمپنی کے ساتھ کنٹریکٹ ختم ہونے کے فوراً بعد واپس چلے جاؤ گے۔ جبکہ تمہارا کنٹریکٹ تو دو سال پہلے ہی ختم ہو چکا ہوگا۔''

سلمان نے طویل خاموشی کے سینے کو چیر کر بات کا آغاز کیا تھا۔

اسفند نے چونک کر اس کی جانب ایسے دیکھا تھا جیسے گہری نیند سے جگانے والے کو تحیر زدہ آنکھوں سے دیکھ رہا ہو۔ پھر اس نے اپنی نگاہیں نیلے صاف شفاف لہر دار پانی پر ڈال دی تھیں جس کی بے مہر موجیں ایک دوسرے کا تعاقب کر رہی تھیں۔

تمہاری Long Leave (لمبی چھٹی) کے بعد اظہر صاحب نے مجھے پندرہ دن کے لیے کمپنی پالیسی کے تحت کورس کے لیے امریکہ بھیج دیا تھا۔ میں جانا نہیں چاہتا تھا ان دنوں سوات کے حالات دگرگوں تھے۔

دل میں ہر وقت کھٹکا سا لگا رہتا تھا۔ لیکن بابا جان اور ماجے (ماں) کے بے حد اصرار پر امریکہ روانہ ہو گیا تھا۔

امریکہ پہنچے ہوئے ابھی مجھے چوتھا دن تھا۔ میں میٹنگ میں بیٹھا ہوا تھا۔ لیکن میرا دل یکا یک عجیب طرح سے لرز اٹھا ایسے جیسے تیز دھار چھری سے کوئی میرا گلا کاٹ رہا ہو۔ میری آنکھوں کے کنارے بار بار بھیگتے جا رہے تھے ایک گھنٹے کی میٹنگ میں، میں نے ایک ہزار بار اپنے گھر کو یاد کیا تھا۔ پتہ نہیں کیوں اضطراب نے مجھے اندر ہی اندر بے چین سا کر دیا تھا۔

میں نے میٹنگ روم سے باہر آتے ہی سیل آن کیا تھا۔ میری سکس سینس بار بار مجھے کسی شدید گڑبڑ یا حادثے کے سگنل دے رہی تھی۔ موبائل پر میرے چھوٹے بھائی ادریس کے کئی ایس ایم ایس آئے ہوئے تھے۔

وہ ان دنوں میری خالہ کے گھر اسلام آباد گیا ہوا تھا۔

سوات کو تسلسل سے نشانہ بنایا گیا تھا۔ اس طرح سے کہ ان خودکش حملوں کی زد میں میری پوری بستی آ گئی تھی۔ میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پاکستان واپس آ گیا تھا۔

لیکن سوات جانے والے راستے پر گزرتے ہوئے مجھے ایسا گماں ہوا تھا جیسے میں فلسطین اور عراق کی منہدم اور کھنڈر زدہ گلیوں میں گزر رہا ہوں۔ ہر بستی اپنے اوپر ٹوٹ جانے والی قیامت کی گواہی لیے کھڑی تھی۔

یہ وہ جگہ تو نہ تھی جہاں میرا بچپن قلانچے بھرتے ہوئے جوانی کی دہلیز کو پہنچا تھا۔ وہاں تو اب چاروں طرف خاک میں لتھڑی خون کی بھبھک انسانیت اور انسانوں کی درندگی سفاکی اور بربریت پر شکوہ کناں تھیں۔

میں کہاں سے اپنا گھر تلاش کرتا۔ بنجر اجڑی بستی میں کوئی مکان بچتا تو میں اُس کو اپنا گھر کہتا ناں۔

وہ ایک لمحے کو خاموش ہو گیا تھا اُس کا رنگ سرخ کندھاری انار کی طرح ہو گیا تھا۔ آنکھیں بھیگ گئی تھیں اُس نے آہستگی سے دائیں جیب سے رومال نکالا تھا اور اپنا چہرہ صاف کر لیا۔ سلمان اپنی جگہ گومگو اور ساکت تھا وہ جانتا تھا بیتی

ہوئی قیامت کو دوبارہ پار کرنا بھی کسی قیامت سے کم نہیں ہوتا۔

لوگ جوق در جوق قافلوں کی صورت میں ہجرت کر رہے تھے۔

ان کیمپوں میں دیوانہ وار ڈھونڈنے پر بھی کچھ شناسا چہرے تو نظر آئے لیکن خون کے رشتے منوں مٹی تلے جا سوئے تھے۔ وہاں اب کچھ نہیں بچا تھا۔ نہ رنگ نہ روشنی نہ آنکھوں کو تراوٹ پہنچانے والا سورج نہ جسم کو ٹھنڈک پہنچانے والا چاند......

اس کی آواز بوجھل ہوگئی تھی۔ سلمان نے منرل واٹر کی بوتل خرید کر اُس کے حوالے کی تھی۔ وہ حلق میں گھونٹ اتارنے کے بعد بولا تھا۔

مجھے وہ نغمے یاد آئے تھے جو وہاں کی فضاؤں میں رقص کرتے تھے۔ وہ نہریں یاد آئی تھیں جن کے دھانوں پر نیلا سبزی مائل پانی ابلتا تھا۔ بل کھاتے جھرنے میری نیندیں اڑا دیتے تھے تو کبھی وہ مکانات یاد آتے جن کو درختوں کی طرح ٹنڈ منڈ کر دیا گیا تھا۔ میں ادریس کو لے کر کراچی آ گیا تھا۔

اس شہر میں جس کے متعلق میں کہا کرتا تھا سلمان میں اس اجنبی شہر کو چھوڑ دوں گا۔ اسی شہر نے مجھے اپنے پروں میں سمیٹ لیا تھا میں کراچی آ کر کافی عرصہ دنیا سے کٹ گیا تھا مجھے ہر وقت اپنے اردگرد آگ جلتی محسوس ہوتی تھی۔ خون کی بھمک نے میرا سانس لینا محال کر دیا تھا۔ کبھی ماجے کی آوازیں آتیں تو کبھی بابا جان کی نصیحتیں بے چین کر دیا کرتی تھیں۔

میں اپنے غم میں اتنا مست و مگن ہو گیا تھا کہ کچھ عرصے ادریس اور اس کی سرگرمیوں سے ناآشنا رہا۔ ایک رات بے خبر سوتے ہوئے مجھے

خواب میں بابا جان نظر آئے تھے۔ ان کے ہاتھ میں پاکستان کا جھنڈا تھا وہ مجھے دے رہے تھے میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اس وقت میں پسینے میں تر بتر تھا۔

میرا انگ انگ کانپ رہا تھا یہ کس طرح کا خواب تھا میرا دل مٹھیوں میں بھنچ گیا تھا میری سکس سینس الارم دے رہی تھی۔ کچھ غلط ہو رہا تھا لیکن کہاں۔

میں غیور فوجی کا بیٹا تھا اس فوجی کا جس نے سینہ تان کر دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُن کا پتہ پانی کر دیا تھا یہ خواب محض یونہی نہیں تھا۔ اس کے پیچھے چھپا ہوا اشارہ تھا جس کو میں سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

میں یہ خواب ادریس کو بتانے کے لیے اس کے کمرے میں چلا آیا لیکن مجھے دروازے پر ہی ٹھٹھک کر رُک جانا پڑا ادریس کی اکیڈمی کے کچھ لڑکے کمبائن اسٹڈی کے لیے آئے تھے۔ لیکن باہر آتی ان کی سرگوشی بھری آوازیں پڑھائی کے متعلق تو نہیں تھیں وہ آج رات دو بجے کسی فوجی چوکی کو بلاسٹ کر رہے تھے۔

میں نے دائیں کلائی پر بندھی گھڑی کی جانب دیکھا بارہ بج چکے تھے۔ میں دھاڑ کی آواز سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ میری اچانک آمد نے ان سب کو ٹھنکا دیا تھا۔

لالہ آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں۔ ادریس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی تھی۔ جس کو میں نظر انداز کرتے ہوئے بولا تھا۔

''کیا کرنے والے ہو تم ادریس......'' میں بپھر کر بولا تھا۔

''تم لوگ جاؤ میں پہنچتا ہوں......'' وہ مجھے نظر انداز کر کے اپنے دوستوں سے بولا تھا وہ یکے

بعد دیگرے کمرے سے نکل گئے تھے۔

"یہ سب کیا ہے ادریس...... تم بھول گئے ہو تم فوجی کی اولاد ہو۔ اس فوجی کی جس کے سینے پر تمغے چمک رہے ہیں اور تم اپنے سینے پر غدارِ وطن کی کالک لگانا چاہتے ہو۔"

"تم ایسا سوچ بھی کیسے سکتے ہو؟ ہمارا خاندان ہمیشہ سے وطن کے لیے اپنے آپ کو قربان کرتا آیا ہے یہ جنگ 1857ء کی جنگ آزادی سے لے کر پاکستان بننے تک اور پاکستان بننے کے بعد اب تک جاری و ساری ہے تم بھول رہے ہو میرا باپ تمہیں فوجی بنانا چاہتا تھا اور تم...... تم کیا بننا چاہ رہے ہو۔ میر جعفر......" میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھنا چاہا تھا لیکن اس نے سختی سے وہ ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

"اس وقت کہاں تھے تم لالہ جب انہی لوگوں نے ہماری بستی کو لاشوں کے قبرستان میں بدل دیا تھا تم تو امریکہ گئے تھے ناں روپیہ کمانے جبکہ میں یہاں ان لاشوں میں اپنوں کے چہرے تلاشتا پھر رہا تھا۔ سکیورٹی فورسز مجھے آگے نہیں جانے دیتے تھے۔ یہ لوگ مجھ سے میری شناخت مانگ رہے تھے مجھ پر شک کر رہے تھے۔ صرف اس لیے کہ ہم سوات کے رہنے والے تھے، ہم پشتو بولتے تھے۔ لہٰذا ہم ناقابلِ بھروسہ ٹھہرے۔"

"کون کرتا ہے اپنوں کے ساتھ ایسا۔ جن لوگوں نے مجھ سے میرے پیارے چھینے میں، میں بھی اُن سے اُن کے پیارے چھین لوں گا تم مجھے نہیں روک سکتے اور نہ ہی میں رکوں گا۔" وہ خون آشام نگاہوں سے مجھے گھورتے ہوئے بولا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں بیگانگی اجنبیت سرد مہری کیا کچھ نہیں تھا یہ وہ ادریس تو نہ تھا جس کو میں جانتا تھا یہ تو کوئی باغی کوئی غدار تھا۔ جس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفلوج ہو گئی تھیں۔

"تم نہیں جاؤ گے اور نہ ہی میں تمہیں جانے دوں گا۔" میں نے اُس کو پکڑنا چاہا تھا لیکن اُس نے مجھے زور کا دھکا دے دیا تھا میرا وجود کسی ٹوٹے ہوئے شہتیر کی طرح ٹیبل لیمپ سے جا ٹکرایا اور وہ کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

میں ساکت و جامد پڑا یہ سوچ رہا تھا کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔ میرا باپ مجھے پہلے ہی بتا چکا تھا اشارہ دے چکا تھا۔ میں فوجی کی اولاد ہوں فوجی نہیں بن سکا تو کیا ہوا وطن کی سرحدوں کی حفاظت نہیں کر سکا تو کیا ہوا سرحدوں کے رکھوالوں کی حفاظت تو کر سکتا ہوں ناں میں نے جیب سے موبائل نکالا تھا اور اپنے ایک دوست جو کہ فوج میں تھا اُس کو من و عن ساری بات بتا دی تھی۔

ادریس میری زندگی کا واحد رشتہ تھا۔ جس کو میں گنوا چکا تھا۔ یہ کہہ کر اسفند نے سر جھکا لیا تھا اور میں اس آسمان صفت انسان کو حیرت سے دیکھتا رہ گیا وہ واقعی وطن پرست ہے وہ سچا پاکستانی ہے۔ میری آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے اور میں نے اُن بھیگی آنکھوں سے دور سمندر میں سورج کو ڈوبتے دیکھا۔ سورج کی دم توڑتی کرنیں سیاہی میں گم ہو رہی تھیں۔

وہ خاموشی سے بینچ سے اٹھ کر چل پڑا۔

"اسفند۔" میں نے اُس کو دھیمے سے پکارا اور جب اس نے مجھے پلٹ کر دیکھا تو مجھے اُن سبز آنکھوں میں ایک اور روشن صبح کا سورج چمکتا نظر آیا وہ کرنیں جو دور سمندر میں دم توڑ چکی تھیں۔ وہ مجھے اپنے یار کی آنکھوں میں پھر ابھرتی نظر آئیں مجھے اُن سبز آنکھوں میں سبز ہلالی لہلہاتا نظر آیا اور میں نے لپک کر اس کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

☆☆......☆☆

سینئر صحافی شاعر اور ملکوں ملکوں گھومے تجزیہ کار
محمود شام کی زیرِ ادارت
ماہنامہ
انتہاؤں میں رابطہ
اطراف
کراچی
جولائی 2014 سے باقاعدگی سے شائع ہونے والا
بین الاقوامی معیار کا پہلا قومی میگزین
☆ ہمارا عوام یونیورسٹیوں، دینی مدارس، تحقیقی اداروں، تربیت گاہوں سے پھوٹنے والی روشنی عوام تک پہنچانا
☆ دنیا بھر میں پاکستان اور عالم اسلام پر شائع ہونے والی تازہ ترین کتابوں کی تلخیص
☆ پاکستان کے سیاستدانوں، تعلیمی اداروں، سرکاری محکموں کے بارے میں عالمی تحقیقاتی اداروں کی بے لاگ رپورٹیں، آسان اردو میں
☆ ملک میں سرگرم ایک لاکھ سے زیادہ این جی اوز کی سرگرمیوں سے سجا عوام نامہ
لائبریریوں، یونیورسٹیوں، دینی مدارس کو خصوصی رعایت
نیوز ایجنٹس کو معقول کمیشن
جو کچھ آپ کے اطراف میں ہے...... ماہ نامہ اطراف' میں ہے
نمونے کی مفت کاپی کے لیے خط لکھئے
508
Ph: 0092 21 32274661
Mob:0300-8210636

ناول
زمر نعیم

ابھی امکان باقی ہے

اُن کرداروں کی کہانی، جو ہر معاشرے میں بکھرے پڑے ہیں مگر جب یہ کردار امر ہو جائیں تو مزید کا بھی امکان باقی رہتا ہے

قسط نمبر 2

اصم ڈرائیونگ میں مصروف تھا۔ پچھلی سیٹ پر شریح خان اپنی بہو کے ساتھ کافی مطمئن انداز میں بیٹھے تھے۔ اصم کی سوچیں بھی اِدھر اُدھر بھٹکتی پھر رہی تھیں۔ وہ بھی اپنی اس طرح ہونے والی شادی پر دل ہی دل میں حیران بھی تھا اور بے یقین بھی۔ اُس کی زندگی ایکدم بدل گئی تھی۔ حیرت ہونا تو لازمی امر تھا۔ کیسے وہ یہاں تک چلا آیا تھا اور ایک نئے رشتے میں بھی بندھ گیا تھا۔ صبح تک اُس کا اس شادی میں آنے کا کوئی پروگرام تھا نہ ارادہ...... بابا جان کے ساتھ بڑے بھائی ضیغم نے اس شادی میں شرکت کے لیے آنا تھا۔ ضیغم ہی ہمیشہ ایسے موقعوں پر اپنے بابا جان کے ساتھ رہتا تھا۔ لیکن اچانک ضیغم کے کچھ دوست بیرون ملک سے آ گئے تھے اور اُسے اُن کے ساتھ کچھ وقت گزارنا تھا۔ اس لیے بی بی جان کے حکم واصرار پر اصم کو اس شادی میں شریک ہونا پڑا تھا۔

بی بی جان کبھی بابا جان کو لمبی ڈرائیو پر تنہا جانے نہیں دیتی تھیں اور آج تو اصم کو ساتھ بھیجنے کی دوسری مجبوری بھی تھی کہ اُن کے ڈرائیور کی طبیعت ناساز تھی۔ وہ اپنی چھٹی کے دن کے سارے پروگرام ومشاغل پسِ پشت ڈال کر اُن کے ساتھ یہاں آ گیا تھا۔ بی بی جان نے گھر سے نکلتے ہوئے اُسے تیز رفتاری پر تنبیہ بھی کی تھی مگر وہ پھر بھی تین گھنٹے کے راستے کو سوا دو گھنٹے میں طے کرتا ہوا منزل مقصود تک پہنچا تھا۔ لیکن اب وہ معمول کی رفتار سے گاڑی چلاتے ہوئے اپنی سوچوں میں گم تھا۔ تبھی اُسے اُس کے بابا جان نے متوجہ کیا۔

''کیا بات ہے برخوردار بہت سست جا رہے ہو، گھر جانے کی جلدی نہیں ہے اب؟ صبح تو بہت افیشنٹ تھے۔''

''بابا جان صبح آپ میری فاسٹ ڈرائیونگ پر مجھے ڈانٹ بھی تو رہے تھے۔ ویل آپ پرمشین دیں تو میں اپنی 'فارم' میں آ جاؤں۔'' اصم نے اپنی توجہ سامنے رکھتے ہوئے قدرے شریر ہو کر اُن سے استفسار کیا۔

''تمہاری بی بی جان کو تمہاری وعدہ خلافی کا علم ہوا تو وہ تمہارے ساتھ میرے بھی کان کھینچے گی۔'' بابا جان خوشدلی سے ہنسے۔

''با...... باجان...... میرے کان تو ہر حال میں کھینچے والے ہیں۔ ویل انہیں بتائے گا کون؟ کہ میں نے روٹین سے زیادہ اسپیڈ میں کار ڈرائیو کی ہے۔''

''ہا...... ں یہ تو ہے انہیں بتائے گا کون؟ لیکن بچے پھر بھی اب کیئر فلی ڈرائیو کرنا اب میرے ساتھ میری بہو بھی ہے اور تمہاری شریکِ حیات بھی۔ اسے ابھی تمہاری ڈرائیونگ کے کمالات کا تجربہ نہیں ہے ورنہ......'' انہوں نے بیٹے کو دوستانہ انداز میں چھیڑا۔ تو وہ مسکرا کر رہ گیا۔

''ڈونٹ وری بابا جان...... آپ کو مجھ جیسے تجربہ کار ڈرائیور کی موجودگی میں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یو نو ویری ویل میں بارہ سال کی عمر سے ہی ڈرائیونگ کر رہا ہوں اور تھینکس گاڈ مجھ سے آج تک معمولی سا ایکسیڈنٹ بھی نہیں ہوا ہے۔''

''جانتا ہوں...... میری کار کا پیٹرول تم ہی ختم کیا کرتے تھے اور شامت بے چارے حنیف (ڈرائیور) کی آیا کرتی تھی۔ وہ تو تمہیں تمہاری بی بی جان نے ایک دن رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا۔ پھر کہیں بے چارے کی جان چھوٹی تھی۔ ورنہ وہ روز مجھ سے ڈانٹ کھاتا تھا۔'' شریح خان بھی ماضی کی خوشگواری اور تازگی محسوس کرنے لگے تھے۔ اُن کی نظروں میں اصم کا بچپن گھوم گیا۔ وہ انہیں سب سے پیارا لگا کرتا تھا۔ اُس کی ہر شرارت پر وہی اُسے بچاتے تھے اور آج وہ اُن کا مان بچا گیا تھا۔ انہیں اب بھی اُس پر پیار آ رہا تھا۔

''بابا جان...... وہ ایسے ہی تو مجھے آپ کی کار کی چابی نہیں دیتا تھا۔ میری آدھی پاکٹ منی اُس کی جیب میں جاتی تھی۔''

''تو تم اُسے رشوت دیتے تھے تمہیں معلوم ہے ناکہ رشوت لینا اور دینا گناہِ کبیرہ میں سے ہے۔'' شریح خان نے اس وقت بھی نصیحت کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

''بابا جان! اُس وقت بھی یہ بات میرے نالج میں تو تھی مگر میں اتنی گہرائی سے جانتا نہیں تھا اور پھر وہ آسانی سے مانتا بھی نہیں تھا۔''

''ارے...... ہم کب سے اپنی باتوں میں لگے ہیں اور میری بہو چپ کر کے تمہاری الٹی سیدھی باتیں سن رہی ہے۔ اروی بیٹا تم بھی تو کچھ بولو...... بی ایزی بچے۔'' اروی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔

اصم نے چونک کر بیک ویو مرر میں دیکھا۔ اروی سیٹ پر گٹھڑی سی بنی بیٹھی تھی۔ شریح خان ہولے ہولے اُس کا کندھا تھپتھپا کر اُسے جیسے حوصلہ دینے کی کوشش کر رہے تھے۔

مگر وہ بالکل خاموش تھی۔ اصم نے دوبارہ سامنے نگاہ مرکوز کر لی۔ دل میں کسک سی تھی۔ وہ سیاہ چادر میں بالکل چھپی بیٹھی تھی۔ حتیٰ کہ اُس کے ہاتھ بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ جب اُس کے برابر چلتی ہوئی آئی تھی تو تب بھی دل نے دیکھنے کی تمنا کی تھی۔

اُس کا قد تو لمبا تھا۔ اُس نے محسوس کیا تھا مگر شکل صورت کے بارے میں اُس کی سوچ بھی اُس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ احمد حسن یعنی اُس کے سسر گندمی رنگت کے خوش شکل مرد تھے۔ اُس کی خوش دامن صاحبہ بھی صاف رنگ تیکھے نین نقش والی تھیں۔

اب جس سے اُس کا رشتہ جڑا تھا وہ وہ کیسی تھی، یہ وہ نہیں جانتا تھا۔
''یار جانے کیسی ہوگی۔'' دل نے سرگوشی کی۔
''اب یاد آ رہا ہے۔'' ذہن میں ہنسی اڑائی۔
''اگر محترمہ اپنی پھوپھو جیسی موٹی، سانولی ہوئی تو۔'' ذہن نے پھر سے اُسے چھیڑا۔
''میں کیا کرتا...... بابا جان نے تو کچھ سوچنے، پوچھنے کی مہلت ہی نہیں دی۔ بلکہ حالات نے...... ویل اب جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ جیسی بھی ہوگی، میرا نصیب ہے۔''
دل نے اُسے اطمینان دلایا تو وہ بھی باقی ساری سوچیں جھٹک کر دوبارہ سے بابا جان کی طرف متوجہ ہوگیا۔ بابا جان اروی کو گھر والوں کے متعلق بتا رہے تھے۔
''سنو بیٹا جن حالات میں تم دونوں کی شادی ہوئی ہے ظاہر ہے گھر والے لحاتی طور پر تو شاکڈ ہو ہی جائیں گے۔''
''بچے تمہیں صبر سے کام لینا ہوگا۔ چونکہ اصم سب سے چھوٹا بیٹا ہے، اسی لیے اس کی شادی کے ارمان بھی سب کے دل میں عرصے سے تھے۔ اب تمہیں اس کی بیوی کے روپ میں دیکھ کر سب حیران تو ہوں گے اور تھوڑا بہت شور بھی کریں گے مگر بیٹا تم حوصلے سے کام لینا۔ سب کچھ وقتی ہوگا۔ انشاء اللہ جلد ہی سب نارمل ہو جائیں گے۔'' شریح خان اُسے بہت محبت سے سمجھا رہے تھے۔
''با...... با جان ...... میرا کیا ہوگا۔ بی بی جان تو میرا حشر بگاڑ دیں گی اور باقی سب بھی میرا ناطقہ ہی بند کر دیں گے۔ میری تو وہ کلاس لگے گی کہ......'' اصم نے دہائی دیتے ہوئے انہیں اپنی طرف متوجہ کیا۔
''برخوردار...... میں ہوں نا...... فکر کیوں کرتے ہو، میں سب سنبھال لوں گا۔ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ چپ کر کے سنتے رہنا۔ اسی میں تمہاری عافیت ہے۔''
''میری چپ پر وہ مزید بھڑکیں گی۔ وہ تو پہلے ہی میری طرف سے کچھ مشکوک رہتی ہیں۔ ضیغم بھائی، شارم بھائی تو بے شک کچھ نہیں کہیں گے لیکن، بڑی بھابی، چھوٹی بھابی تو میرا جینا دوبھر کر دیں گی اور وہ نیلی اُسے تو آپ بھی جانتے ہیں بابا جان! وہ تو مجھے چھوڑے گی نہیں۔''
''میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں سب کی ناراضگی برداشت کیسے کروں گا۔ بی بی جان تو بار بار فون کر کے پوچھ رہی تھیں کہ واپسی میں دیر ہونے کی 'وجہ' کیا ہے۔ میں نے ساری زندگی بی بی جان سے اتنے جھوٹ نہیں بولے جتنے آج بول دیے ہیں۔ اب تو یقیناً وہ کئی روز تک مجھ سے بات تک نہیں کریں گی۔''
اصم بھی خود کو آنے والے وقت کے لیے تیار کرنے کے لیے دل کے خدشات کہہ رہا تھا۔ اروی زیر گھونگھٹ سبھی کچھ سن رہی تھی۔ اصم کی گھمبیر خوبصورت آواز اُس کی دھڑکنوں کو منتشر کر رہی تھی۔ یہی خدشات تو اُس کے دل میں بھی تھے کہ جانے اُس کے ساتھ اُس کے سسرال والوں کا کیا سلوک ہوگا۔
''ڈونٹ وری میرے بچے...... تمہاری بی بی جان کو راضی کرنا اور اُن کی ناراضگی سے تمہیں بچانا میرا کام ہے۔ اُس کے بعد تو سبھی راضی وخوشی ہو ہی جائیں گے۔'' شریح خان نے بیٹے کا شانہ تھپک کر اُسے حوصلہ دیا۔

باقی راستہ بھی بے فکری کی باتوں میں کٹا۔ اڑھائی گھنٹے بعد رات کے دس بجے اصم خان نے گاڑی اپنے وسیع و عریض گھر 'بیت الجنت' کے پورچ میں روکی۔ اروی ابھی تک یقین و گماں کے درمیان معلق تھی۔ گاڑی رُکنے کے جھٹکے سے چونک اُٹھی۔

شریح خان اُسے شفقت سے پھر سمجھا رہے تھے۔

''ہمارا گھر آ گیا ہے بیٹا! میری بات یاد ہے نا بچے...... صبر اور حوصلے کا دامن بالکل نہیں چھوڑنا۔ بس تمہاری بی بی جان کے خوش ہونے کی دیر ہے پھر سبھی خوش ہو جائیں گے۔ چلو آؤ اللہ کا نام لے کر اندر چلتے ہیں۔ اللہ تمہارے لیے ہر قدم پر آسانیاں پیدا کرے، آمین۔''

اصم اپنے بابا جان کو پہلی بار اس طرح کی باتیں کرتا سن رہا تھا۔ اسی لیے مسکرا دیا۔ گاڑی سے اترتے ہی اُس نے تیزی سے اندر کی طرف قدم بڑھائے۔ ابھی اُس نے اندر جانے والے رستے کی پہلی سیڑھی پر ہی قدم رکھا تھا کہ شریح خان نے اُسے آواز دی۔

''صاحبزادے...... اکیلے کدھر...... اِدھر آؤ...... اپنی بیوی کو ساتھ لے کر چلو۔''

''مہ...... میں...... ؟'' اصم حیرت سے گڑبڑایا۔

''تو اور کون؟ ساتھ ساتھ چلو...... یہ اب تمہاری ذمہ داری ہے آؤ، شاباش......'' شریح خان نے بیٹے کا حوصلہ بڑھایا۔

اصم اُن کے رعب سے مرعوب ہو کر قریب چلا آیا۔ پورچ میں گاڑی رُکنے کی آواز یقیناً اندر بھی پہنچ چکی تھی تبھی ملازم ولایت چلا آیا تھا۔

''ولایت...... اصم سے کار کی چابی لے کر سامان نکالو اور اُس کے کمرے میں رکھو جا کر۔'' اصم نے فوراً چابی ولایت کی طرف بڑھائی۔

ولایت کی آنکھوں میں بھی واضح حیرت تھی۔ شیشوں اور کڑھائی سے بھری سیاہ چادر میں لپٹا نسوانی وجود مالک کے ساتھ دیکھ کر حیرت تو ہونی تھی۔ اصم ڈرتے دل سے اپنے بابا جان اور اروی کے ساتھ اندر کی طرف بڑھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اگر اُس کی زندگی میں یہ وقت طے شدہ منصوبے کے تحت آتا تو اُس کی کیا حالت ہوگی۔ لیکن اب تو حقیقتاً وہ بی بی جان کے رویے سے کچھ سراسیمہ ہو رہا تھا۔

☆......☆......☆

''امی...... آپی...... اپنے سسرال پہنچ گئی ہوں گی نا؟'' وردہ زہرا احمد کے ساتھ ہی بستر پر اُن سے لپٹ کر لیٹی تھی۔

''ہا...... ہاں...... پہنچ گئی ہوگی۔'' زہرا کے لبوں سے ٹھنڈی آہ برآمد ہوئی۔ دن بھر کے تھکا دینے والے حالات پھر سے ذہن میں گردش کرتے انہیں پریشان کر رہے تھے۔

''وہ لوگ آپی سے صحیح سلوک کریں گے نا؟'' اٹھارہ سالہ وردہ کا ذہن بھی رشتہ داروں کی باتوں سے اُلجھا ہوا تھا۔ کچھ ٹی وی ڈراموں کا اثر بھی تھا۔

''اچھے لوگ ہیں اچھا سلوک ہی کریں گے۔ تم کیوں پریشان ہو۔'' زہرا نے جیسے خود کو بھی تسلی دی۔

''امی...... وہ نزہت چچی اور سکینہ پھوپھو باتیں کر رہی تھیں کہ امیر لوگ غریبوں کی بیٹیوں کو قبول ہی نہیں

کرتے۔ اور یہ بھی کہہ رہی تھیں وہاں آپی کی حیثیت ایک نوکرانی جیسی ہوگی۔'' وردہ نے وضاحت دی۔
''انہیں تو عادت ہے ہر کسی پر شک کرنے کی۔ ہم نے کسی کو مجبور نہیں کیا تھا۔ وہ لوگ اپنی خوشی اور مرضی سے ہم غریبوں کی بیٹی لے کر گئے ہیں۔ تم کسی کی بات پر کان مت دھرو چپ کر کے سو جاؤ۔'' زہرا نے بیٹی کو سختی سے جھڑک دیا۔ سبھی بستروں پر تھے۔ کوئی سو رہا تھا کوئی جاگ رہا تھا۔ اس لیے دونوں دھیمے دھیمے بول رہی تھیں۔
''امی صرف انکل اور اصم بھائی کی ہی مرضی تھی نا۔ باقی سب...... اگر آپی کو اُن کے سسرال والوں نے قبول نہ کیا تو کیا وہ...... میرا مطلب ہے اصم بھائی انہیں واپس بھیج دیں گے؟''
''تیرے منہ میں خاک...... کیا اول فول بک رہی ہے۔'' زہرا احمد نے اُسے پرے دھکیلا۔
''امی آپ تو ناراض ہو رہی ہیں...... میں نے تو ایسے ہی پوچھ لیا، سبھی تو ایسی باتیں کر رہے ہیں اور پھر ڈراموں میں بھی تو یہی ہوتا ہے کہ......''
''تمہارے ڈراموں کو آگ لگے......'' زہرا آہستہ بولتے بولتے چیخ سی اٹھیں۔
''ساری اُلٹی سیدھی تجھے ڈراموں سے ہی سیکھنے کو ملتی ہیں۔ میں صبح ہی تمہارے ابو سے کہتی ہوں یہ موئی کیبل اتروائیں۔ لڑکیوں کو خراب کرنے کی یہی جڑ ہے۔ غضب خدا کا بہن کے لیے اچھی باتیں سوچنے کے بجائے تم کیا سوچ رہی ہو؟ ابھی اُس کا پہلا قدم سسرال میں پڑا نہیں اور تم اُس کی واپسی کے ڈراوے دے رہی ہو؟'' ماں کی جھاڑ پر وردہ خاموش تو ہوگئی تھی مگر اُس کا ذہن عجیب وغریب خیالات سے اُلجھا ہوا تھا۔

☆......☆......☆

بی بی جان گھر کے ٹی وی لاؤنج میں اپنے دونوں بیٹوں، بہوؤں اور چھوٹی بیٹی نیلم کے ساتھ چائے پینے میں مصروف تھیں۔ اس وقت چائے پینے کی وجہ تو شریح خان اور اصم کا انتظار کرنا تھا۔ اصم کی آواز پر سبھی جیسے چونک اٹھے تھے۔
''السلام علیکم!'' شریح خان نے بھی حسب عادت سلام کیا تھا۔ اُن کے پہلو میں ایک نسوانی وجود نہ صرف سب کو بلکہ زبدہ خان کو بھی ٹھٹھک کر سیدھا ہونے پر مجبور کر گیا تھا۔ نیلم جو ہمیشہ سے اپنے بابا کی آمد پر بے ساختہ لپکتی تھی وہ بھی دو قدم اُٹھا کر راہ میں ہی کھڑی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں بھی واضح اُلجھن تھی۔ وہ اُسی اُلجھن سے اروی کو دیکھ رہی تھی۔ جیسے سمجھنا چاہ رہی ہو۔
سیاہ چادر کے لمبے گھونگھٹ نے صرف چہرا ہی نہیں سارا سراپا ہی چھپا رکھا تھا۔ مگر پھر بھی کہیں کہیں سے جھانکتے اُس کے زرتار ملبوس اور اُس کا حلیہ تو یقیناً سبھی کو کھٹک رہا تھا۔ نیلم کی نگاہیں اُس کے پیروں سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔ گولڈن خوبصورت ڈیزائن کے سینڈلز میں مقید پاؤں بھی خوبصورت لگ رہے تھے اور اُس سے اوپر آف وائٹ اطلس کی شلوار کے پائنچے جدید طرز کے کام سے مزین تھے۔ باقی وجود پر سیاہ چادر غلاف کی صورت پڑی ہوئی تھی۔
''با...... با...... جان...... یہ...... کہ...... آ...... پ نے اتنی دیر لگا دی۔'' نیلم کچھ اور کہتی کہتی بات بدل گئی۔ شریح خان سب کی حیرت محسوس کر رہے تھے۔ سب کی آنکھوں میں سوال ہی سوال تھے۔ وہ اروی کو

بانہوں کے گھیرے میں لیے ہوئے مزید ایک قدم بڑھتے ہوئے گویا ہوئے۔

''تم سب حیران ہو رہے ہو...... کہ میرے ساتھ یہ کون ہے؟'' انہوں نے سبھی کے سوالوں کو زبان دی۔

''ہم پریشان زیادہ تھے خان صاحب...... آپ تو چھ سات بجے تک آنے والے تھے پھر...... اتنی دیر...... خیریت تھی؟'' بی بی جان نے اپنی حیرت کو ضبط کرتے ہوئے معمول کے لہجے میں استفسار کیا۔ اصم نے فوراً اپنے بابا جان کی طرف دیکھا۔ وہ زیرلب مسکرا رہے تھے۔

''تمہاری بہو کو لانے کے لیے کچھ دیر تو ہو ہی جانی تھی۔'' بابا جان کی بات پر کسی کو اعتبار نہیں آیا۔ بی بی جان کو بھی اپنی سماعتوں پر دھوکا ہوا۔

''مہ...... یہ...... ری...... بہو...... کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' وہ بمشکل بول سکیں۔

''تم نے...... لڑکی ڈھونڈنے میں اتنے مہینے لگا دیے ہیں، میں نے تو پھر شادی کروائی ہے اور وہ بھی چند گھنٹوں میں۔''

''کہ...... کس کی شادی کروائی ہے آپ نے؟'' بی بی جان جیسے سمجھ نہ سکی ہوں۔ لہجے کی لرزش واضح تھی۔

''اب کیا کھڑے کھڑے سب پوچھو گی...... نیلی...... بیٹا اپنی بھابی کو کہیں بٹھاؤ۔'' شریح خان نے زبدہ خان کو جواب دے کر اروی کو نیلی کی طرف جیسے کھسکایا۔

لفظ 'بھابی' پر سب کی حسیات جاگ اٹھیں۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور بی بی جان تو ایکدم بے تاثر ہوگئیں۔ نیلی نے بھی مڑ کر بھائی کا چہرہ دیکھا۔ اصم ایکدم نظریں چرا گیا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس طرح اچانک اصم کے حوالے سے کوئی آ سکتا ہے۔

نیلم نے بابا جان کے اشارے پر اروی کو تھام کر ہی بی بی جان کے سامنے بڑے صوفے پر لے جا کر بٹھا دیا۔ شریح خان بھی جہاں کھڑے تھے اُسی سنگل صوفے پر بیٹھ گئے۔ البتہ اصم کسی مجرم کی طرح کھڑا فردِ جرم سننے کا جیسے منتظر تھا۔ بڑی بھابی ثمن نے اسے ٹوکا۔

''اصم! تم کیوں کھڑے ہو...... تم تو بیٹھو۔'' اصم بی بی جان کی خاموشی پر اندر ہی اندر لرز رہا تھا۔ اپنی جان بچانے کو اُسے راہِ فرار سوجھی۔

''مہ...... میں ذرا فریش ہو کر آتا ہوں۔ ریئلی بہت تھک گیا ہوں۔''

''ہو جانا فریش بھی...... پہلے اِدھر آ کر بیٹھو۔'' بابا جان کے حکم پر وہ ناچار ہچکچاتا ہوا اروی کے قریب مگر کچھ فاصلہ رکھ کر بیٹھ گیا۔ دونوں بھابیوں نے ایک دوسرے کو معنی خیزی سے دیکھا۔

دونوں بھائی تو جیسے معاملہ سمجھ چکے تھے۔ اسی لیے اُن کے چہرے پر بھی گہری سنجیدگی پھیلی ہوئی تھی۔ نیلم بی بی جان کے پہلو میں بیٹھی ہوئی اضطراری کیفیت میں انگلیاں کھول اور بند کر رہی تھی۔ سبھی کے ذہنوں میں بہت کچھ تھا۔ اور ایک مشترکہ سوچ جو سبھی کے ذہنوں میں گردش کر رہی تھی وہ یہ تھی کہ ''ہو نہ ہو یہ شادی اصم کی پسند کی ہے۔''

سبھی کو خاموش دیکھ کر شریح خان نے ماحول میں پھیلے سکوت کو ختم کیا۔

''میں نے اصم کی شادی کردی ہے۔'' واضح بات سن کر سب کے سوال ضیغم کی آواز بن گئے۔

''اصم...... کی شادی؟ با...... با جان صبح تک تو ایسا کوئی امکان نہیں تھا اور نہ ہی ہم میں سے کسی کے علم میں تھی یہ بات...... پھر اچا...... نک؟'' بی بی جان کے احساسات بھی جیسے بیدار ہوئے۔

''یہ...... آپ کیا کہہ رہے ہیں خان صاحب ہما...... رے بغیر اصم کی شادی؟ میں ما...... ں ہوں۔ مجھے خبر ہی نہیں...... میری کوئی اہمیت...... کوئی وقعت نہیں رہی کیا؟''

بی بی جان کی خفگی میں برملا بدگمانی کا اظہار تھا۔ دونوں بیٹوں کی شادی انہوں نے باہمی رضامندی سے کی تھی۔ بنی العم کی دفعہ بھی بجی کے مشورے سے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ ہوا تھا اور اب اصم کے لیے بھی وہ بجی کی پسند وصلاح سے مشورہ کر کے کوئی لڑکی لاتیں مگر شریح خان نے تو اُن کے ارادوں اور اصولوں پر پل بھر میں پانی پھیر دیا تھا۔

وہ اچانک اتنا بڑا اقدام اٹھا آئے تھے اور وہ بھی تنہا...... جس کی توقع تھی نہ امید...... اَن دیکھی لڑکی...... اَن دیکھا خاندان...... نہ میل میلاپ نہ رشتہ داری...... ویسے بھی شریح خان کی دوستیاں باہر تک محدود تھیں۔ اُن کے دوست احباب کم کم ہی گھر میں آتے تھے۔ انہوں نے بی بی جان کو بہت مشکل میں ڈال دیا تھا۔

''تمہارے مرتبے اور اہمیت کو کون جھٹلا سکتا ہے۔ زبدہ...... لیکن حالات ایسے تھے۔ یہ سب اتنی جلدی طے پا گیا کہ میں نہ تم سے مشورہ لے سکا اور نہ ہی آگاہ کرسکا۔ اس معاملے کو قسمت کا لکھا سمجھو۔ اللہ تعالیٰ کو اصم کی شادی اسی طرح منظور تھی۔'' شریح خان نے بہت نرمی اور تحمل سے اپنی بات کی۔

''کوئی گڈے گڑیا کا کھیل تھا کہ منٹوں میں طے پا گیا۔ میں تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ بھی مجھے بے خبر رکھیں گے۔ مجھ سے بھی رازداری برتی جائے گی۔'' بی بی جان نے برملا اپنی بدگمانی کا اظہار کرتے ہوئے اصم کو بھی مشکوک نظروں سے دیکھا۔ اُن کے بھی ذہن میں یہی خیال تھا کہ بیٹے نے باپ کی اعانت حاصل کر کے اپنی مرضی پوری کی ہے۔ یہ سب سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہوا ہے۔

وہ بی بی جان کی نظروں کا مفہوم سمجھ کر فوراً ہی اپنی صفائی میں بولا۔

''بی بی جان آپ مجھے ایسی نظروں سے تو نہ دیکھیں رئیلی بلیومی ایسا کچھ نہیں ہے جیسا آپ سمجھ رہی ہیں۔ ایسا کچھ نہیں ہے کوئی پلاننگ کوئی اسکیم نہیں ہے یہ...... آپ تو جانتی ہیں۔ مہ...... میرا تو بابا جان کے ساتھ جانے کا کوئی پروگرام ہی نہیں تھا۔ آ...... پ نے ہی مجھے آرڈر دیا تھا تبھی میں بابا جان کے ساتھ گیا تھا۔'' وہ بولتے بولتے اُٹھ کر اُن کے قدموں میں جا بیٹھا۔

''بی بی جان...... بلیومی وہاں حالات اچانک ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ مجھے آپ کی غیر موجودگی میں ہی یہ اسٹیپ لینا پڑا۔ پلیز...... پلیز بی بی جان آپ مجھ سے تو ناراض مت ہوں...... میں نے بابا جان کی خواہش پر سر جھکایا ہے اور بس۔''

اصم اُن کے گھٹنوں کو تھام کر بیٹھا منت و سرگوشی سے مزید بولا۔

''پلیز...... بی بی جان بعد میں چاہے ایک سو ایک گن کر جوتیاں مار لینا...... لیکن ابھی میری عزت رکھ

لیں...... فرسٹ امپریشن کی بات ہے نا۔" اُس کے چہکنے پر بی بی جان کو ہنسی تو بہت آئی مگر فی الوقت اُس ہنسی کو انہوں نے لبوں کے پیچھے ہی روکا۔

"اپنے بابا کے سامنے اپنی شرط رکھی تھی۔" بی بی جان نے اُسی خفگی سے پوچھا۔

"شہ...... شر...... ط...... کہ...... کیسی شرط؟" وہ جان کر انجان بن کر گڑبڑایا۔

"بھائی...... وہی شرط...... پہلے لڑکی دیکھ کر رضا مندی دینے والی۔" ثیلم نے اُسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

"تم لوگ کس بحث میں اُلجھ رہے ہو۔ زبدہ آؤ اپنی بہو کو دیکھو، اسے اُس کمرے میں پہنچانے کا انتظام کرو صبح سے اسی پوزیشن میں ہے، تھک گئی ہوگی بچی...... نیلی...... ثمن...... سبرینہ...... کیا بات ہے بچو! اپنی بھابی اور دیورانی کی رونمائی نہیں کرو گی۔" اُن کے لہجے میں استفسار، حکم، افسوس بھی کچھ تھا۔

"ایکسکیوزمی......" اصم اپنے اندر مچی ہلچل سے گھبرا کر کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

"میں بس ابھی آتا ہوں۔" اصم سبھی کے درمیان سے نکل کر باہر آ گیا۔ اُس کا رخ اپنے کمرے کی طرف تھا۔

ذہن میں نئے جذبوں کی آمد کے ساتھ کچھ خوف کچھ وسوسے بھی چلے آئے تھے۔ اُس کی زندگی میں آنے والی ہستی کے لیے گھر والوں کا ردِعمل تو نجانے کیا ہوتا۔ وہ خود بھی اپنے بارے میں اُلجھن میں تھا۔ اَن دیکھی اَن جانی لڑکی شریکِ زندگی بن گئی تھی۔ وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ اُس کی عادتیں، اُس کی پسند ناپسند...... شکل وصورت کسی چیز سے بھی تو وہ واقف نہیں تھا۔ ایک خیال اور بھی اُسے مسلسل تنگ کر رہا تھا کہ کہیں اروئی اُس شخص میں انٹرسٹڈ نہ ہو جس سے اُس کی شادی نہ ہوسکی۔

اُس کے ذہن میں تو جانے اور کیا کیا خیال آتے رہتے اگر اُس کا سیل فون اُسے اپنے ہونے کا احساس نہ دلاتا۔ اصم نے چونک کر پینٹ کی جیب سے سیل فون نکال کر دیکھا۔ تو اُس کا عزیز دوست فیصل اُسے کال کر رہا تھا۔ فیصل سامنے والے گھر میں رہتا تھا۔ دونوں کا بچپن کا ساتھ تھا۔ اصم نے فوراً ہی کال ریسیو کی۔

"یار فصی...... تو اس وقت گھر پر ہے؟" اصم نے اُس کی سنے بغیر سوال کیا۔

"ہا...... ں...... کیوں؟" دوسری طرف سے سوال ہوا۔

"بس تو باہر آ یار!" اصم نے سیل فون بند کیا اور کمرے سے نکل کر سیڑھیاں اُتر کر گھر سے باہر نکل آیا۔

"فیصل بھی سامنے والے گیٹ سے باہر آ رہا تھا۔ اصم تیزی سے اُس کی جانب لپکا۔

"خیریت ہے یار تُو نے اس وقت باہر آنے کے لیے کیوں کہا۔ کوئی خاص بات ہے۔" فیصل اور اصم سڑک کے درمیان کھڑے تھے۔

"بہت خاص بات ہے تبھی تو تمہیں بلایا ہے۔"

"تُو تو آج کسی شادی میں آؤٹ آف سٹی گیا تھا کیا؟ وہاں کوئی لڑکی پسند آئی ہے؟" فیصل نے اُس کے چہرے پر پھیلی بے چینی و بے کلی کو محسوس کر کے پوچھا۔

"پسند کرنے کی نوبت کہاں آئی ہے یار...... میری...... تو شادی ہوگئی ہے۔" اصم نے سر جھکا کر ایسے

کہا جیسے اعتراف جرم کر رہا ہو۔ فیصل کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

''شا...... د...... ی...... یار تم مجھ سے رات کو گیارہ بجے یہ مذاق کرنے آئے ہو۔'' فیصل کی حیرت برقرار تھی۔

''آئی ایم سیریس...... میں جس شادی میں گیا تھا۔ اُسی...... لڑکی سے میری شادی ہوگئی ہے۔'' اصم نے اُسے سڑک کے کنارے لے جاتے ہوئے بتایا۔

''نہیں یار...... تو مذاق کر رہا ہے نا۔''

''نہیں...... تم گھر کے اندر جا کر دیکھ لو...... ابھی آدھے گھنٹے پہلے ہی تو میں اور بابا جان 'اُسے' لے کر آئے ہیں۔'' اصم نے پھر وہیں کھڑے کھڑے فیصل کو ساری صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ فیصل خاموشی سے سن رہا تھا مگر اُس کے تاثرات سے اُس کی بے یقینی واضح تھی۔

''مجھے تو ابھی بھی یقین نہیں آ رہا۔''

''یقین تو مجھے بھی نہیں آ رہا ہے۔ مگر ایسا ہو چکا ہے مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ...... میں اب کیا کروں Without Any Planing' ہوا ہے نا سب کچھ...... بھی کاری ایکشن فیس کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ بی بی جان نے اگر اس شادی کو قبول نہ کیا تو......'' اصم واقعی پریشان تھا۔

''ڈونٹ بی سلی یار...... تایا جان کا فیصلہ ہے تو بی بی جان تو مانیں گی ہی...... کچھ ٹائم ضرور لگے گا۔ ویل تو اپنی بتا...... بھابی کے لیے کوئی گفٹ ہے تیرے پاس۔''

''میرے پاس کہاں سے کوئی گفٹ ہوگا۔ تمہیں بتایا تو ہے ابھی تو ہم آئے ہیں۔ موقع ملتے ہی میں باہر آ گیا ہوں۔''

''تو کیا تم بھابی کو فرسٹ ٹائم اس طرح ملو گے۔''

''تو کیا کروں؟'' اصم قدرے جھنجلایا۔

''یہ بھی میں بتاؤں...... چلو آؤ بازار چلتے ہیں۔'' فیصل اپنے گھر جا کر گاڑی لے آیا۔ اور دونوں مشورے کرتے ہوئے بازار کی طرف روانہ ہوگئے۔

☆......☆......☆

اروی کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ آوازوں کے زیر و بم اُسے خوفزدہ کر رہے تھے۔ کچھ دیر پہلے شریکِ سفر کا حوصلہ بخش احساس اُس کے پہلو میں توانائی کی صورت موجود تھا۔ مگر اُس کا وجود بھی اب وہاں نہیں تھا۔

اروی اپنی آنکھوں میں آئی نمی کو پی نہیں سکی۔ اُسی لمحے نیلی اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُس کی طرف بڑھی۔ 'بھائی' کا سن کر لڈو تو اُس کے دل میں بھی پھوٹے تھے مگر بی بی جان کا خیال کر کے وہ کوئی فوری ردِعمل نہ دکھا سکی تھی۔ اب بابا جان کا حکم اُسے اروی کے سامنے لے گیا تھا۔

وہ اُس کے سامنے جھک کر بیٹھتے ہوئے اُس کی چادر اُتارنے لگی۔ زبدہ خانم بھی شوہر کی سنجیدگی سے متاثر ہو کر اپنی جگہ سے اُٹھ گئیں۔ نیلی نے چادر اُتار کر صوفے کے بازو پر رکھ دی تھی۔

اروی نے اپنی نم چمکتی بڑی بڑی بے ریا معصوم آنکھوں سے سامنے بیٹھی ہستی کو دیکھا۔ پھر نظریں

جھکائیں۔ نیلی کچھ لمحوں کے لیے تو مبہوت رہ گئی۔ ڈھلے ہوئے چہرے پر شبنم سی پھیلی ہوئی تھی۔ میک اَپ کے اثرات بہت مدھم تھے۔

درحقیقت بارات لوٹ جانے کی خبر کے بعد اُس نے تو اپنا ہار سنگھار نوچ ہی پھینکا تھا اور پھر زمین کو دوبارہ میک اَپ کرنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔ وہ اُسی طرح رخصت ہو کر آ گئی تھی۔ نیلی تو اُس کے صاف شفاف چہرے اور معصوم خوفزدہ آنکھوں پر ہی مر مٹی تھی۔

''نیلی...... تم کیوں؟...... Still ہو گئی ہو۔'' سبرینہ بھابی نے اُس کا کندھا ہلا کر متوجہ کیا۔

''وہ...... بھا...... بی...... بی بی جان۔'' اُس سے بولنا مشکل ہو رہا تھا۔

''بابا جان...... بی بی جان بھائی کے لیے ایسا ہی چاند کا ٹکڑا تلاش کر رہی تھیں۔'' آخر وہ دل کی بات بول ہی گئی۔ سبرینہ اور ثمن بھابی چونک کر متوجہ ہوئیں۔ وہ دونوں بھی سر جھکائے بیٹھی اروی کے بے مثال حسن کو دیکھ کر گنگ رہ گئیں۔ وہ توقع نہیں رکھتی تھیں کہ گھونگھٹ میں سے ایسا شاہکار بھی برآمد ہو گا۔

''بی بی جان...... آپ تو ایسے ہی ہاجرہ (وچولن) کو ہر لڑکی دکھانے کے ہزاروں دیتی رہی ہیں۔ پہلے ہی بابا جان سے رابطہ کر لینا چاہیے تھا اچھی خاصی بچت ہو جاتی۔'' ثمن بھابی نے بے لاگ تبصرہ کیا۔

بی بی جان کی بھی اُس پر جو نظر پڑی تو ٹھہر کر پلٹ نہ سکی۔ وہ لاکھوں میں نہ سہی مگر ہزاروں میں ایک ضرور تھی۔ چہرے پر بھولاپن، آنکھوں میں ہراس اور کشمکش سے لرزتے ہونٹ لیے وہ بی بی جان کو بھی متاثر ضرور کر گئی۔

''مجھے کیا خبر تھی کہ اصم کی قسمت میں اس طرح شادی ہونا لکھا ہے ورنہ......'' وہ مزید کہتے کہتے رُک گئیں۔ ضیغم و شارم بھی اپنی نشستوں سے اُٹھ کر آ گئے تھے۔ اصم کی بیوی بن کر آنے والی لڑکی کو دیکھ کر انہیں بھی کچھ اطمینان ہوا تھا۔

''ثمن...... یہ غلط بات ہے، اسی طرح رونمائی کرو گے تم لوگ...... ایسی کنجوسی......؟ کچھ نہیں ہے تو اپنے ہاتھوں اور گردنوں کا ہی بوجھ ہلکا کر دو۔'' ضیغم نے مسکراتے ہوئے ثمن اور سبرینہ کو متوجہ کر کے اُن کے ہاتھوں میں پڑی چوڑیوں، انگوٹھیوں اور گلے میں جھولتی دو، دو، تین تین طلائی زنجیروں کی طرف اشارہ کیا۔

''شاہ دلی آپ دکھا دیں نا...... کمی تو آپ کے پاس بھی نہیں ہے۔'' سبرینہ نے فوراً جواب دیا۔

''بالکل کمی نہیں ہے، اللہ کا فضل ہے، بس صبح کا انتظار کرنا پڑے گا۔ بینک جانے کے لیے۔'' اس بار شارم نے جواب دیا۔

''تو بس پھر...... ہم بھی صبح کا ہی انتظار کر رہے ہیں...... آپ جو دیں گے وہ ہماری طرف سے ہی تو ہو گا۔'' سبرینہ تھوڑی شوخ تھی۔ بی بی جان کے مزاج کو جانتے ہوئے بھی اکثر شوخی دکھا ہی جاتی تھی۔ موقع ایسا تھا کہ بھی مسکرا دیے۔

بی بی جان بھی اروی کے پہلو میں بیٹھ کر اپنی کلائی کے دونوں کنگن اُتار کر اروی کی کلائی میں پہناتے ہوئے ''ماشاء اللہ'' کہا۔ دلہن بنی اروی کا دھلا چہرا انہیں کسی انہونی کا احساس دلا گیا تھا۔ تبھی انہوں نے خود کو سنبھالا تھا اور پھر انہیں اپنی ذمہ داری کا احساس ہوا تھا۔

"نبیل...... اٹھو نا...... جا کر اپنے بابا جان کے کھانے کا انتظام کرو...... اور ثمن سبرینہ تم دونوں بیٹا، دلہن کو اصم کے کمرے میں پہنچانے کا بندوبست کرو۔" بی بی جان کے انداز و لہجے میں ایک دم فکر مندی و گرمجوشی عود کر آئی تھی۔ جس پر بابا بھی اطمینان سے مسکرائے۔

"شکر ہے تمہیں میرا خیال بھی آیا...... خیر...... مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ تم زیادہ دیر تک ناراض نہیں رہو گی۔" پھر بہوؤں کو مخاطب کرتے ہوئے بولے۔

"چلو بیٹا! جاؤ لے جاؤ اروی بیٹی کو...... سارا دن بیٹھ بیٹھ کر تھک گئی ہو گی۔"

"اروی...... بہت پیارا نام ہے۔" اُس کا نام بی بی جان کو ہی نہیں سبھی کو پسند آیا تھا۔ البتہ بی بی جان نے کھلے سے اظہار کیا تھا۔ اور پھر ثمن کے بازو تھام کر اُٹھانے سے پہلے بی بی جان نے اُس کی پیشانی پر اپنے پیار کی مہر ثبت کی۔ اروی کی بے چینی کو جیسے قرار آ گیا شریح خان کو بھی حد درجہ طمانیت کا احساس ہوا۔ اُن لوگوں کے وہاں سے جاتے ہی شریح خان نے اظہارِ خیال کیا۔

"میں تمہارے رویے اور سلوک پر بے حد خوش ہوں۔ زبدہ اور مجھے حیرت بھی ہے کہ تمہارا غصہ اتنی جلدی اُتر گیا۔ ورنہ میں تو سوچ رہا تھا کہ مجھے بہت جتن کرنا پڑیں گے۔"

"میری ناراضگی سے اب کیا ہوتا۔" انہوں نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"میرے غصے سے اصم کی شادی منسوخ ہو جاتی؟ یا پھر 'یہ' نہیں چلی جاتی۔ مجھے یقین ہے آپ نے بھی سوچ سمجھ کر کسی مجبوری کے تحت یہ انتہائی قدم اٹھایا ہوگا۔ ورنہ آپ جلد بازی میں ایسے فیصلے کرنے والے ہیں تو نہیں۔"

"زبدہ خان اور شریح خان کے درمیان انتہائی قسم کی انڈر اسٹینڈنگ تھی۔ دونوں اسی لیے ایک دوسرے پر اعتماد رکھتے ہوئے کبھی کبھی ایسے فیصلے کر گزرتے تھے جو گراں گزرنے کے باوجود مان لیے جاتے تھے۔ بنا کسی حیل و حجت کے، شریح خان بیوی کی بات پر تفاخر سے مسکرائے۔

☆......☆......☆

ثمن اور سبرینہ بی بی جان کی ہدایت کے مطابق اروی کو اصم کے کمرے میں لے آئیں تھیں۔ پہلی منزل پر اصم کے لیے دو رہائشی کمرے مختص تھے۔ ایک کمرا اُس کا بیڈ روم تھا اور دوسرے کمرے میں اصم کی اسٹڈی ٹیبل، بکس ریک اور میوزک لائبریری کا سامان سجا تھا۔

"لو جی...... آج سے یہ آپ کی سلطنت ہے بلا شرکت غیر...... ہماری راجدھانیاں گراؤنڈ فلور پر ہیں۔ یہاں اوپر صرف تمہارا راج ہوگا۔ اس فلور پر بچوں کے رومز ہیں اور ایک دو گیسٹ روم...... ویسے تمہیں پتہ تو چل گیا ہے نا ہم رشتے میں تمہاری جٹھانیاں ہیں۔"

سبرینہ نے اپنے شوخ انداز میں تعارف کراتے ہوئے معلومات فراہم کیں۔ بیڈ پر ٹکتے ہوئے اروی اُس کی اپنائیت محسوس کر کے پہلی بار اُن کے سامنے مسکرائی تو اُس کے دائیں گال میں پڑنے والا ڈمپل بھی مسکرا دیا۔ اُس کی مسکراہٹ میں بڑی کشش تھی۔ مقابل کو فوراً متوجہ کرتی تھی۔ ایسی معصوم دل موہ لینے والی مسکراہٹ دونوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

دل ہی دل میں ثمن نے ماشاءاللہ کہا۔ جبکہ سبرینہ نے سرگوشی میں پوچھا۔

''اصم کو دیکھا ہے تم نے؟'' جواباً اُس نے سادگی سے گردن ہلائی کانوں کے آویزے جھوم کر گال تک آئے۔ ثمن بھابی نے مُسکرا کر اُسے دیکھا۔

''اور اُس نے تمہیں دیکھا ہے۔'' اس بار وہ اپنی آواز کے ساتھ گویا ہوئی۔

''نہیں...... '' اُس کی آواز میں مٹھاس اور لہجے میں دھیما پن تھا۔

''تو......؟ یہ شا...... دی کیسے ہوئی۔''

سبرینہ بھابی سے دل میں ہوتی کھد بد سنبھالی نہ گئی تو بے ساختہ بولیں۔ سبرینہ کو ثمن بھابی نے ٹوکا۔

''ساری باتیں ابھی پوچھو گی؟''

''ہا......ں تو...... پھر موقع ملے گا؟ تم نے پھر بتایا نہیں۔''

''مقدر کا لکھا تھا۔'' اروی کی سادگی میں وہی معصومیت تھی جو دوسروں کو بے یقین کر دے۔ وہ بھی بے یقین تھیں۔

اُن کا خیال کیا یقین بھی تھا کہ ایسی خوبصورت لڑکی کا انتخاب اصم خان ہی کا ہو سکتا تھا۔ قسمت کے پھیر سے واقف جو نہ تھیں۔

''اروی...... تم آرام سے بیٹھو۔ تمہارا اپنا گھر ہے۔ اصم کو بھی ہم ابھی بھیجتے ہیں اور تم دونوں کا کھانا بھی...... کسی اور چیز کی ضرورت ہوگی تو انٹرکام پر کہہ دینا جھجکنے کی ضرورت نہیں ہے، اوکے۔'' ثمن بھابی نے بڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے نرمی سے اُس کا گال تھپتھپایا۔

''ہاں بالکل...... بس ذرا صبح سنبھل کے رہنا...... اینجولی ہمارے بچوں کے لیے اپنی نئی چچی کی آمد حیران کن ہوگی۔ بچے اپنے چاچو کی شادی کے لیے ایکسائیٹڈ رہتے ہیں۔ اُن کے لیے تو یہ امیزنگ سچویشن ہوگی۔ صبح تک تو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اصم اس طرح کسی کو شادی کر کے لا سکتا ہے۔'' سبرینہ کی رائے زنی اروی کو نظریں جھکانے پر مجبور کر گئی۔

سبرینہ بھابی کا رویہ اُسے پریشان کر رہا تھا وہ نجانے کیوں اپنی نظروں اور باتوں سے اپنا شک اور بدگمانی واضح کر رہی تھیں۔ البتہ ثمن بھابی کا رویہ و انداز اُسے اپنائیت و حوصلہ دے رہا تھا۔

☆......☆......☆

رات بھیگ چلی تھی۔ سبھی سو چکے تھے صرف احمد حسن جاگ رہے تھے یا پھر زہرا...... زہرا اور وہ کے سونے کے بعد احمد حسن کے پاس چلی آئی تھی۔

دن بھر کے تکلیف دہ مناظر کے بعد شام کا روح پرور نظارہ احمد حسن کے لیے تو باعث تسکین تھا مگر زہرا احمد ہنوز فکر و پریشانی میں گھری تھی۔ درحقیقت اُسے لوگوں کی باتیں فکروں سے آزاد نہیں ہونے دے رہی۔

''کیا ہوا...... نیند نہیں آ رہی۔'' احمد حسن نے اپنے پہلو میں بیوی کے بیٹھنے کے لیے جگہ بنائی۔

''عجیب سی فکر لگی ہے مجھے۔'' زہرا بیٹھتے ہوئے بولی۔

''اب کیسی فکر......؟ بیٹی اپنی گھر کی ہوگئی۔''

''احمد حسن اُسے وہاں 'اپنے گھر' کا مان ملے گا نا۔ آپا کی باتیں ہولا رہی ہیں۔ کہیں وہ لوگ۔''

''پاگل ہوگئی ہو۔ بچپن کی یاری ہے میری شریح خان سے۔ بڑے ظرف والا بندہ ہے۔ بیٹی کو مان سے لے کر گیا ہے ناتو اُسے مان دلوائے گا بھی۔ فضول کی سوچیں ہیں۔ جا کر آرام کرو۔ صبح بیٹی سے بات کر لینا پھر تمہیں خود ہی یقین آ جائے گا۔'' احمد حسن نے خفگی سے کہا۔

''صبح......ہم نہیں جائیں گے اُس سے ملنے؟''

''صبح......کیوں؟ آ جائے گی ناوہ خود ہی ملنے۔''

''احمد......آپ بھول گئے ہیں۔ شادی کے بعد پہلی صبح ناشتہ میکے سے جاتا ہے، یہ رسم ہے نا۔'' زہرا نے یاد دلانے اور سمجھانے کی کوشش کی۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے۔ منع کر کے گئے ہیں شریح بھائی......کوئی رسم وسم نہیں چلے گی۔'' احمد حسن جھنجلا کر بولتے ہوئے آخر نرمی سے سمجھانے لگا۔

''زہرا عقل سے کام لو...... اتنی دور ہم ناشتہ کیسے بھجوائیں گے۔ ویسے بھی ہماری حیثیت اور اُن کی حیثیت میں زمین آسمان کا فرق ہے، ہمیں سوچ سمجھ کر ہی اُن کے لیے کچھ کرنا ہے۔ وہ لوگ یہاں آئیں گے تو تم اپنے چاہ (چاہت) پوری کر لینا۔'' احمد حسن نے اپنی طرف سے بات ختم کی۔

''حیثیت میں فرق ہے تو آپ نے وہاں بیٹی کیوں دے دی۔ اس طرح تو میں ساری زندگی اپنی بیٹی پر اپنے ارمان نکالنے کی حسرت ہی دل میں لیے گزار دوں گی۔'' زہرا کو نئے پچھتاوے نے گھیر لیا۔

''ہماری بیٹی کا نصیب وہاں لکھا تھا۔ پچھتاوا مت کرو زہرا۔ اللہ سے بیٹی کی زندگی میں آسانیوں کے لیے دعا کرو۔ اللہ سے مانگو کہ وہی ہماری بیٹی کو نئے لوگوں اور نئے ماحول میں جینے اور رچنے بسنے کی ہمت عطا کرے گا۔ اللہ ہی اُسے ہماری عزت بچانے کی سرخروئی دے گا۔ بس کچھ مت سوچو، جو ہوا اللہ نے بہتر کیا ہے۔''

احمد حسن کے دلاسے اور دعائیں زہرا کو بھی کچھ سکون دے گئیں تبھی وہ خاموشی سے اُٹھ کر دروہ کے برابر جا لیٹی تھی۔

☆......☆......☆

شریح خان اپنے اردگرد بھی افرادِ خانہ کو جمع کیے آج کے واقعے کی وجوہات بیان کر رہے تھے۔ سبھی دم سادھے انہیں سن رہے تھے۔ اُن کی بہن زربخت کی اندوہناک موت کا انجام بھی پہلی بار اُن کے گوش گزار کیا تھا۔

سوائے بی بی جان کے زربخت کے حوالے سے کوئی نہیں جانتا تھا۔ بہن کا درد دل میں چھپائے شریح خان اُن کی نظروں سے بھی اوجھل تھے۔

''اب بتاؤ! کیا میں نے کچھ غلط کیا؟ میری جگہ پر تم میں سے کوئی ایک ہوتا تو کیا کرتا۔ ایک اور زربخت کو موت کی آغوش میں جاتا ہوا دیکھتا یا پھر بڑھ کر اُسے زندگی کی طرف کھینچ لاتا۔

اصم نے وہی کیا جو میری خواہش تھی۔ اس معاملے میں اُس کی اپنی پسند یا مرضی وخواہش کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

اسی لیے میں چاہتا ہوں اصم سے کسی کو کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیے۔ یہ اُس کی فرمانبرداری ہے کہ اُس

نے میری خواہش کا احترام کیا۔ اس لیے اُس سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔

''ایک اور بات میں سب سے کہہ رہا ہوں کہ......'' شریح خان نے کچھ لمحے ٹھہرتے ہوئے سبھی کے چہرے دیکھے۔ زبدہ خان کے ساتھ سبھی انہیں سنجیدگی سے دیکھ اور سن رہے تھے۔

''آپ رُک کیوں گئے۔ آپ کہیے، آپ اطمینان رکھیں آپ کی ہر بات پر عمل ہوگا انشاءاللہ۔'' زبدہ خان نے شوہر کو اطمینان دلایا۔

''بات یہ ہے کہ اروی ایک الگ ماحول اور جگہ سے آئی ہے۔ یہ ماحول اس کے لیے اجنبی ہے۔ یہاں ایڈجسٹ ہونے میں اُسے کچھ وقت لگے گا۔ میں امید کرتا ہوں کہ سبھی اسے یہاں رہنے اور ایڈجسٹ ہونے میں اُس کے ساتھ تعاون کریں گے۔ جس طرح ہماری دونوں بہوؤں کو تم نے مان، مقام اور حیثیت و برتری سے نوازا ہے۔ اروی کو بھی تمہیں وہی حیثیت وہی مقام دینا ہوگا۔''

شریح خان نے بہت نرمی سے مگر مستحکم انداز میں سبھی کو بہت کچھ باور کرا دیا تھا۔

''میں اروی کو یہاں اپنی بیٹی بنا کر لایا ہوں۔ اسی لیے میں تم سب سے یہ کہہ رہا ہوں۔ ورنہ مجھے معلوم ہے میرے سبھی بچے بن کہے بھی اروی کی رہنمائی کرتے رہیں گے۔''

''بالکل آپ اس اس حوالے سے تو بے فکر رہیں۔ اروی اب ہمارے گھر کا فرد ہے۔ وہ اب ہم سے وابستہ ہے۔'' زبدہ خان نے انہیں ایک بار پھر اطمینان دلایا۔

''ڈونٹ وری بابا جان! میرے ہوتے ہوئے انہیں یہاں کوئی پرابلم نہیں ہوگی۔ میں انہیں سب کے بارے میں ایسا بریف کروں گی کہ آپ بھی حیران رہ جائیں گے۔''

نیلم نے اپنے چھوٹے ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے فطرتی شوخی سے کہا تو سبھی مسکرا دیے۔ البتہ زبدہ خان نے بیٹی کو سنجیدگی سے گھورا۔

اصم داخلی دروازے سے اندر داخل ہوا تو سبھی اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اُس نے دانستہ یہ وقت باہر گزارا تھا تا کہ بابا جان سب کو اصل صورت حال سمجھا سکیں۔

''تم ابھی تک فریش نہیں ہوئے۔ کہاں گئے تھے پھر......'' شارم بھائی نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''جا رہا ہوں بس...... مگر بھوک لگی ہے زبردست، وہاں کچھ کھا نہیں سکا تھا۔ کھانے کا کچھ انتظام ہے یا سزا ملے گی مجھے۔'' وہ آگے بڑھتے ہوئے بھابیوں سے مخاطب تھا۔

''سزا تو تمہیں ملنی چاہیے۔ اکیلے اکیلے شادی رچا آئے ہو۔ اور ہمارا منہ تک میٹھا نہیں کروایا۔'' ثمن بھابی نے اُسے چھیڑا۔

''منہ بھی میٹھا کروادوں گا۔ پہلے یقین تو آ جائے کہ میری شادی ہوئی ہے۔''

''سچ بتائیں لگتا ہے کہ میری شادی ہوئی ہے۔ رئیلی! میں تو مفت میں ہی پھنسا ہوں ورنہ...... ضیغم بھائی آج میری جگہ پر ہوتے اور پھر میں آپ سے منہ میٹھا کروانے کا مطالبہ کرتا۔'' وہ بے ساختہ ہنسا۔ انداز میں شرارت پوشیدہ تھی۔ ثمن نے جواباً اُسے دھپ لگائی۔

''اب بتائیں کچھ ملے گا یا نہیں...... رئیلی بہت تھک گیا ہوں۔ آپ ذرا سوچیں...... جس کی شادی ہو وہی ڈرائیونگ کرے سارا روٹس...... سسٹم ڈسٹرب ہو جاتا ہے۔ مگر کسی کو احساس ہی نہیں ہے میری تھکن کا۔'' وہ

سبھی کے درمیان قالین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ کیونکہ واقعی اُس کے لیے کھڑا ہونا دشوار ہو رہا تھا۔
''شکر کرو۔ تھوڑی سی تھکن کی بدولت بہت بڑی بچت ہو گئی ہے تمہاری...... نہ خرچہ...... نہ جھنجٹ...... بنا کوشش کے بیوی مل گئی۔ تمہارے تو عیش ہی عیش ہیں بچو! ورنہ ہم نے تو تمہاری شادی پر تمہاری جیب خالی کروانے کے بڑے بڑے پلان بنائے تھے۔'' سبرینہ نے بھی اُسے گھیرا۔
''وہ پلان تو ابھی بھی پورا ہوگا۔ میں تو اپنا 'حق' لیے بنا بھائی کو اُن کے روم میں جانے ہی نہیں دوں گی۔'' نیلم نے اپنے بابا جان کو کھانا سرو کرتے ہوئے معذرت کی۔
''کہ...... کیسا حق؟ تم نے کونسی تگ و دو کی ہے میرے لیے، اب تک مجھ غریب کو چائے کا ایک کپ تو پوچھا نہیں۔'' دونوں بہن بھائی کی نوک جھونک جاری تھی۔
''آپ غریب آتے ہی تو کہیں غائب ہو گئے تھے۔ ویل مائنڈاٹ...... میں نے آپ کو بخشا نہیں۔'' وہ بھی بھائی کے قریب آ بیٹھی۔
''بابا جان نے اٹھائی ہے یہ ذمہ داری وہی تمہاری ڈیمانڈ پوری کریں گے۔ کیوں بابا جان۔'' اُس نے چہرا گھما کر بابا جان سے تائید مانگی تو وہ مسکرا دیے۔
''تم اپنی ذمہ داری خود نبھاؤ گے۔ نیلی کی ڈیمانڈ تمہیں ہی پوری کرنا ہوگی۔ چاہے دو تین دن بعد پوری کر دینا۔ بس اتنی مہلت کافی ہے نا۔'' شرتج خان نے اُس کی حمایت لی تو وہ کھل اٹھی۔
''اوسویٹ بابا جان...... اب کریں بات۔''
''دیکھ لیں بی بی جان کتنی زیادتی ہو رہی یہ میرے ساتھ، آپ بھی چپ کر کے دیکھ رہی ہیں۔'' اُس نے بی بی جان کو دہائی دی۔
''کیسی زیادتی...... سستے میں چھوٹ رہے ہو بھائی۔ ابھی تو انعم کو علم ہوا تو پھر دیکھنا، کیا حشر کرتی ہے تمہارا۔'' ثمن بھابی نے اُسے احساس دلایا۔
واقعی انعم سے بچنا تو بے حد مشکل تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ چاروں طرف سے نشانہ مجھے ہی بنایا جائے گا۔ اتنا بڑا قصور تو نہیں ہے میرا...... پلیز کچھ رحم کریں مجھ پر۔'' اُس نے مصنوعی بے بسی سے اظہار کیا۔
''اپنے قصور کا تو تمہیں اپنے روم میں جا کر ہی پتہ چلے گا کہ چھوٹا ہے یا بڑا۔'' سبرینہ بھابی نے جھک کر شرارت سے سرگوشی کی تو وہ چوکنا ہو گیا۔
''کہ...... کیا مطلب...... کیا ہے میرے روم میں؟''
''زیادہ بنو نہیں اور اٹھو اپنے روم میں جاؤ۔ تمہارے لیے کھانا وہیں بھجوا رہے ہیں۔ جاؤ شاباش تمہاری دلہن تمہارا انتظار کر رہی ہے۔'' ثمن بھابی نے اُسے اُٹھ کر جانے کا اشارہ کیا۔
سبھی اُس کی جانب متوجہ تھے۔ اُسے سب کے درمیان سے اُٹھ کر جانا عجیب محسوس ہو رہا تھا۔ بی بی جان اُس کی کشمکش سمجھ گئی تھیں۔
''نیلی...... ثمن، جاؤ بچو! آرام کرو جا کر، صبح اٹھنا نہیں ہے کیا؟'' بی بی جان کا حکم ملتے ہی سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بھابیوں نے جاتے جاتے اُسے شرارت بھری نظروں سے چھیڑا۔ جبکہ بھائی اُس کا کندھا تھپتھپا کر چلے گئے۔ نیلی اُٹھ کر سیدھی اصم کے کمرے میں پہنچی۔

☆......☆......☆

اروی تکیے کو پشت پر رکھے کچھ آرام دہ حالت میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ذہن میں نئے ماحول اور انجان لوگوں کے حوالے سے بہت کچھ گردش کر رہا تھا۔ گو کہ وہ نئے دور کے تقاضوں سے ناآشنا نہیں تھی۔ تعلیم کے علاوہ میڈیا نے بھی کافی زیادہ معلومات سبھی کو فراہم کر رکھی تھیں۔ اُسے نئے ماحول میں اپنی جگہ بنانے کا مسئلہ درپیش نہیں تھا۔

اصل مسئلہ اُسے انجان لوگوں کے مزاجوں کے مطابق خود کو ڈھالنے کا تھا۔ خصوصاً شریکِ سفر بننے والے شخص کے مزاج سے وہ کچھ خوفزدہ تھی۔

وہ اپنے خوف میں ہی رہتی اگر نیلم اُسے آ کر چونکا نہ دیتی۔

''بھائی کے تصور میں گم ہیں؟ ابھی تو آپ نے انہیں دیکھا بھی نہیں...... دیکھیں گی تو دنیا ہی بھلا دیں گی۔'' اٹھارہ سالہ نیلم کی شوخی اروی کو نہ صرف چونکا گئی بلکہ حیران بھی کر گئی۔ اپنے سے بڑے یا ہم عمر سے بھی وہ اس طرح بات کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھی۔

''بھابی...... آپ کو میری فیور کرنی پڑے گی۔ بھائی سے نیگ لیے بنا میں یہاں سے جاؤں گی نہیں۔ پلیز آپ مائنڈ مت کرنا۔'' وہ بے تکلفی سے بولتی بیڈ پر چڑھ کر اُس کے پاس بیٹھ گئی۔ اروی نے ہولے سے سر ہلایا۔

''اروی بھابی...... ویسے تو آپ میک اَپ کے بغیر بھی بہت خوبصورت لگ رہی ہیں۔ لیکن اگر آپ میک اَپ کر لیں تو آپ غضب ڈھائیں گی۔ ہے کہاں آپ کے میک اَپ کا سامان۔''

نیلم نے اُس کے چہرے پر نگاہ ٹکا کر اُس کی تعریف کی پھر اُس کے سامان پر نظر دوڑائی۔ اُس کے سامان کے طور پر آئے دو بڑے اٹیچی کیس کمرے میں ایک طرف پڑے ہوئے تھے۔ انہی میں اروی کے میک اَپ کی ضروری چیزیں بند تھیں۔

''آئی تھنک اِن دو سوٹ کیس میں سے کسی ایک میں ہوگا۔ اچھا...... میں اپنا میک اَپ بکس لے کر آتی ہوں۔'' نیلم بستر سے اترنے لگی پھر یاد آنے پر رُک گئی۔ میں اگر نیچے چلی گئی تو اصم بھائی آ جائیں گے اور پھر مجھے اندر نہیں آنے دیں گے۔''

''ڈونٹ وری...... میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔'' اروی نے ہلکی سی مسکراہٹ سے کہا تو نیلم بھی اُس کے گال کے ڈمپل پر مر ہی مٹی۔

''واؤ...... بھابی یو آر لکنگ ویری پریٹی...... بھائی تو......'' نیلم اپنی کہے جا رہی تھی اور اروی حیرت سے سن رہی تھی۔

وہ اُس کی تعریفوں کے بعد اپنی دلچسپیاں بتا رہی تھی۔ میوزک، کپڑے، دوستیاں، گھر والوں کی عادتیں بتا رہی تھی مگر اروی کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

☆......☆......☆

اصم سب لوگوں کے جاتے ہی بی بی جان کے قدموں میں آ بیٹھا۔

''ارے...... تم بھی چلو اب اپنے روم میں جاؤ۔ وہاں تمہارا کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہوگا۔'' بی بی جان نے

بڑے محبت سے اُس کی پیشانی پر بکھرے بال پیچھے کیے۔
''بی بی...... جان...... آپ ناراض تو نہیں ہیں مجھ سے۔'' اُس نے اُن کا ہاتھ تھام کر ڈرتے ڈرتے پوچھا۔
''کیوں...... میں کیوں ناراض ہوں گی۔'' انہوں نے مصنوعی سنجیدگی سے جواب دیا۔
''وہ...... میر...... ی...... شا...... دی......'' وہ گڑبڑایا۔
''نہیں...... میں بالکل بھی ناراض نہیں ہوں۔ تمہارے بابا جان نے بہت اچھا اور مناسب فیصلہ کیا۔ اگر میں اُن کی جگہ پر ہوتی تو میں بھی یہی کرتی۔''
''ہم بے حس بن کر اگر اپنے اپنے خول میں بند ہو کر آنکھیں بند کر کے بیٹھ جائیں گے تو پھر کون ظلم کا شکار بننے والی بچیوں کو موت کے منہ سے بچائے گا۔ بار بار تو زر بخت نہیں مر سکتی تھی۔ کسی کو تو آگے بڑھ کر انہیں بچانا ہی تھا نا۔''
مجھے تم پر فخر ہے بیٹا کہ تم نے اپنی خواہش اپنی ذات اپنی حیثیت کا زعم بھلا کر ایک معصوم لڑکی کے سر پر اپنے نام کا آنچل ڈالا ہے۔ یقیناً تم جیسے بیٹے ہی والدین کا فخر بنتے ہیں۔''
بی بی جان آبدیدہ ہوگئیں۔ اصم نے عقیدت و احترام سے اُن کے ہاتھ پر بوسہ لیا۔ شریح خان نے بھی کھانے سے ہاتھ روک کر دونوں کو دیکھا۔
اُن کے دل میں چبھی ہلکی سی پھانس بھی نکل گئی تھی۔ زبدہ خان نے پورے دل سے اُن کا فیصلہ مان لیا تھا۔ یہ اطمینان اُن کے لیے کافی تھا۔
''سنو اصم!'' کچھ توقف سے بی بی جان نے اُسے مخاطب کیا۔
''اُسے اپنایا ہے تو خلوص و وفا سے دل میں بھی جگہ دینا۔ اُسے ہمسفر بنایا ہے تو اتنی مہلت ضرور دینا کہ تمہارے قدم سے قدم ملا کر چل سکے۔'' اُس نے نا سمجھی سے بی بی جان کو دیکھا۔
''میں تمہیں اس لیے سمجھا رہی ہوں کہ ہو سکتا ہے کہ تم وقتی جذبوں کی لپیٹ میں آگئے ہو۔ یا پھر تم اُس پر رحم کھا کر اُسے یہاں تک باندھ لائے ہو۔ ایک خاص مدت کے بعد کہیں یہ رحم، ہمدردی، یہ جذبے، بیزاری کا شکار نہ ہو جائیں۔ تمہیں اپنا فیصلہ جذباتی نہ محسوس ہونے لگے۔ اس لیے تم پہلے خود کو اچھی طرح ٹٹول کر آگے قدم بڑھانا۔''
''یہ...... کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ بی بی جان...... میرے اس عمل میں میری خلوصِ نیت شامل ہے اور......''
''مجھے تمہاری نیت اور خلوص پر شک نہیں ہے میرے بچے! مگر حقیقت سے نظریں چرانا بھی عقلمندی نہیں...... یہ عمل بنا کسی منصوبے کے تعمیر ہوا ہے اس کی تشکیل اب تم پر منحصر ہے۔''
''چاہو تو اس گھر میں اُسے نمایاں مقام دلوا سکتے ہو تم اچھی طرح سمجھ رہے ہو نا میں تمہیں کیا سمجھانا چاہتی ہوں۔ تمہارا دیا ہوا مان ہی اُسے اس گھر میں اور خاندان میں معتبر کرے گا...... اب جاؤ...... کافی دیر ہوگئی ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں شاد و آباد رکھے۔'' بی بی جان نے دعائیہ کلمات کے ساتھ اُسے وہاں سے رخصت کیا۔

(اس خوبصورت ناول کی اگلی قسط ماہ اکتوبر میں ملاحظہ فرمائیں)
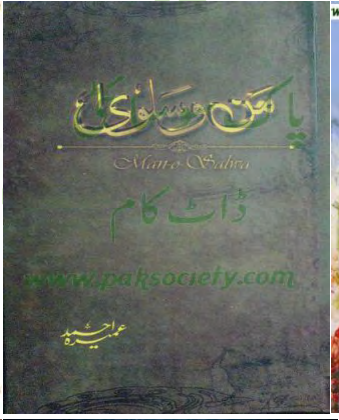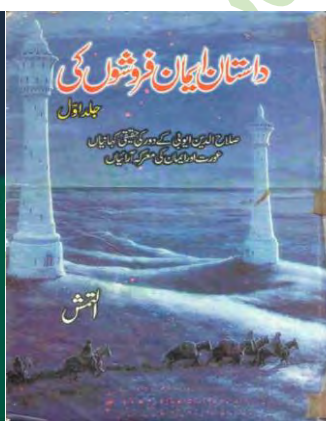
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ساجدہ... ایک آواز!

غربت نے جس کے اندر کی شاعرہ کو تخلیق کیا

ادارہ

اِک ایسی لڑکی، جس کی غربت اور ماں پر ہوئے ظلم وستم نے اُسے حساس بنادیا۔ جب اپنے، اپنے نہ رہیں، گھر کی چھاؤں بھی چھن جائے تو ایسے میں خدا کی قدرت سے کچھ ایسا ہو جاتا ہے کہ خود بخود اِس خاکی وجود سے جواہر باہر آنے لگتے ہیں۔ ساجدہ ایک ایسا نام، جو بے سہارا زندگی کے وجود سے ابھرا اور اپنے اندر جذبات اور احساسات کو لفظوں کے بے کراں سمندر میں حلول کر گیا۔

ساجدہ نامی اس لڑکی کو The Seed Pakistan (ٹرسٹ) کی سرگرم کارکن سلمانہ سجاد نے کھوجا۔

ساجدہ The Seed Pakistan (ٹرسٹ) کے تحت چلنے والے ایک ووکیشنل سینٹر میں سلائی، کڑھائی سیکھ کر اسٹچنگ کا کام کرتی ہے۔ یہ پروگرام ویمن اِم پاورمنٹ کے تحت کام کرتا ہے۔ سلمانہ صاحبہ کی چھٹی حس جان گئی تھی کہ یہ وہ نہیں جو بظاہر نظر آ رہی ہے...... انہوں نے دھیرے دھیرے اُس کا اعتماد بحال کیا اور پھر...... ایک بہت حساس شاعرہ ہم سب کے سامنے ہے۔ لیجیے ساتھیو! اور دیکھیے سلمانہ سجاد صاحبہ نے جس گوہر نایاب کو اُس پہلے اسٹول کے پاتال سے نکال کر دنیا کے آکاش پر ٹانک دیا۔ ساجدہ کی شاعری، آپ سب کے روبرو ہے۔

بیٹی

سب سے پیاری، سب سے دُلاری
بیٹی ہوتی ہے اپنے ماں باپ کو پیاری
ماں باپ کے سائے میں پلتی ہے
اُن کے دل کی رانی
دعا کرتے ہیں یارب آنچ نہ آئے
ہماری بیٹی پر
اتنی ہوتی ہے بیٹی اُن کو پیاری

مدد

مدد کرے کسی انساں کی
تو خدا خود ہوتا ہے اُس پر راضی
ہندو ہو یا ہو مسلماں
فرق نہ دیکھنا تُو کبھی
اعمال کے لیے یہی عبادت ہوتی ہے کافی

ایک عورت کی کہانی

لکھی ہے ساجدہ نے اک کہانی
جس کہانی میں ہے ایک عورت بیچاری

کرتی ہے پیدا ہر بار وہ بیٹی
جس سے ملتے ہیں سسرال میں اسے طعنے ہر قدم پہ
کرتی ہو پیدا ہمیشہ بوجھ کو
گھونٹ دو گلا یا دے دو کسی اور کو
کرو پیدا ایک بیٹا یا لوٹ جاؤ اپنے گھر کو
دیتی ہے وہ ایک خوبصورت سا جواب
دیکھ کر اپنے ماں باپ کو تکلیف میں
رہتی ہے ہمیشہ بیٹی ہی اُن کے ساتھ
بیٹی تو بن جاتی ہے اک بیٹا
اور دیتی ہے دکھی وقت میں بھی ساتھ
لیکن بیٹا دیکھ کر بھی دکھی وقت میں
نہیں رہتا کبھی ہم راز
سن کر اس کی ساس
کر دیتی ہے اسے گھر سے باہر
زندگی وہی کھیل کھیلتی ہے اس کے ساتھ
ہوتی ہے وہ جب بیمار
تو نکال دیتے ہیں بیٹے اُسے گھر سے باہر
آتی ہے جب اس کی اپنی بیٹی
لے جاتی ہے اُسے وہ اپنے سسرال
دیکھتی ہے وہ جب اپنی نواسیوں کو
کتنی ہیں وہ اپنی دادی کی لاڈلی
اور ملتا ہے انہیں گھر میں کتنا پیار
ہوتا ہے تب اسے یہ احساس
کہ بیٹی تو ہے اپنے ماں باپ کے سر کا تاج
جاتی ہے اپنی بہو کے پاس وہ اور کہتی ہے
کہاں ہے میرے گھر کی رونق، میرے سر کا تاج
ہوتا ہے اسے اپنی غلطی کا احساس
اور رکھتی ہے وہ ہمیشہ انہیں خوش حال

عید

خدا کرے بنے آج کا دن
تمہارے لیے اتنا خاص
کہ اس مسکراہٹ سے جیو
اور گزار و اپنی زندگی کے سب حالات

ہنر

ہنر کی اک مثال بنائیں گے ہم
سب کی سوچ سے خود کو آگے لے جائیں گے ہم
سیکھیں گے اتنا کہ ہوگا ہمارے لیے ہر کام آسان
آگے بڑھیں گے اتنا کہ ہوگا سب کو ہم پہ ناز
ذاتی کوششوں سے بڑھائیں گے اپنا ہر قدم
ہنر کی اک ایسی مثال بنائیں گے ہم

ہیپی برتھ ڈے

خوشی کی ہے کوئی آج بات
جانو تم کیا ہے خاص
ہے خاص وہ جسے جان کر بھی
بنتے ہو تم انجان
تمہیں تو سب کچھ ہی بھول جائے
میں تو کبھی نہ بھولوں اُسے
پوچھو جو بتا دوں وہ
جو دن ہے آج خاص
ہیپی برتھ ڈے ٹو یو

☆☆......☆☆

دوشیزہ گلستان

اسماء اعوان

نبیؐ نے فرمایا

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: ''ابنِ آدم کی سعادت ہے کہ وہ ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرے اور اس کے فیصلے پر راضی رہے اور ابنِ آدم کی بدنصیبی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرنا چھوڑ دے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر ناگواری کا اظہار کرے۔

تسلیم۔ لاہور

تعلقات کی اہمیت

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ ''آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے لہٰذا ہر ایک دیکھ لے کہ کس سے دوستی کرنا ہے۔''

راحیل احمد۔ ملتان

شیطان سے دوری

حضرت زبیر کی باندی حضرت زبیر کی بیٹی کو جس کے پاؤں میں گھنگھرو بندھے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ کی خدمت میں لائی۔ حضرت عمرؓ نے لڑکی کے پاؤں سے گھنگھرو اُتار وادیے اور فرمایا حضورؐ کا فرمان ہے کہ ہر گھنگھرو کے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے۔

طاہرہ۔ حیدر آباد

مدد

ایک صاحب ماہر نفسیات کی کلینک میں داخل ہوئے۔ کرسی پر بیٹھ کر تمبا کو کا تھیلا نکالا اور تمبا کو کو اپنے کان میں ٹھونسنے لگے۔

ماہر نفسیات نے کہا۔

''آپ کی اس حرکت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو میری ضرورت ہے۔''

اُن صاحب نے کہا۔

''جی ہاں کیا آپ کے پاس ماچس ہوگی؟''

فائزہ شکیل۔ سمندری

وہ اکیلا ہے

ایک مرتبہ دو چونٹیاں ایک ہاتھی سے ملیں، ایک نے کہا۔

''کیوں رے ہم سے کشتی لڑے گا؟''

اس سے پہلے ہاتھی کچھ بولتا کہ دوسری چیونٹی بولی۔

''ارے بے چارہ کیسے لڑے گا وہ اکیلا ہے اور ہم دو......''

ناصرہ۔ ناروے

گوتم بدھ

گوتم بدھ نے کہا تم ایک زرد پتے کی مانند ہو۔ موت کے کارندے تمہاری گھات میں لگے

ہوئے ہیں۔ تم ایک سفر کا آغاز کر رہے ہو کوئی اور تمہاری مدد نہیں کر سکتا کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تم جلد ایک شمع بن جاؤ جو تمہاری خامیوں کو جلائے اور خوبیوں کو روشن کرے تاکہ تمہیں وہ جوان زندگی میسر آئے اور بڑھاپے اور موت کے ڈر سے باہر ہو۔

پروین شروانی۔ کراچی

مُردے سنتے ہیں

ایک مرتبہ مولانا عطاء اللہ بخاری سے کسی نے سوال کیا۔

''شاہ جی مردے سنتے ہیں یا نہیں؟''

آپ نے برجستہ جواب دیا۔

''سنتے ہوں گے جن کی سنتے ہوں گے۔ ہماری تو زندہ بھی نہیں سنتے۔''

فائق رسول۔ گجرات

صاحب ثروت

لاہور ٹیلی ویژن کے فنکاروں کی ایک تقریب میں مزاحیہ شاعر سید ضمیر جعفری کا فنکاروں سے تعارف کروایا جا رہا تھا۔ میزبان نے تعارف کرواتے ہوئے کہا۔

''یہ ہیں مشہور فنکارہ ثروت عتیق کے شوہر جناب عتیق الرحمٰن صاحب......'' جعفری صاحب فوراً بولے۔

''یوں کہیے ناکہ اتنی بڑی محفل میں یہ واحد صاحب ثروت ہیں۔''

رضوان اللہ۔ پشاور

ایک شعر

گرج برس کے بھی طوفان انہیں مٹا نہ سکا
بلا کا عزم تھا ان ڈولتے سفینوں میں

تانیہ شجاعت۔ سکھر

وزن

اگر زمین پر آپ کا وزن 200 کلو ہے۔
تو مریخ پر آپ کا وزن 76 کلو اور چاند پر 34 کلو ہوگا مطلب آپ موٹے نہیں ہیں بلکہ بس غلط سیارے پر آ گئے ہیں۔

طالب حسین۔ ڈہرکی

جبرائیل امین

الاتقان میں علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ
حضرت آدمؑ پر جبرائیل 20 مرتبہ آئے۔
حضرت ادریسؑ پر جبرائیل 4 مرتبہ آئے۔
حضرت نوحؑ پر جبرائیل 50 مرتبہ آئے۔
حضرت ابراہیمؑ پر جبرائیل 42 مرتبہ آئے۔
حضرت موسیٰؑ پر جبرائیل 400 مرتبہ آئے۔
حضرت عیسیٰؑ کے پاس 13 مرتبہ آئے۔
حضرت محمد مصطفیٰؐ پر جبرائیل 24 ہزار مرتبہ آئے۔

سلمیٰ۔ بحرین

ماں

چھوٹے تھے تو لڑتے تھے
ماں میری ہے...... ماں میری ہے
بڑے ہو کر لڑتے ہیں
ماں تیری ہے...... ماں تیری ہے

ثمینہ روزی۔ ہالینڈ

شعر

میرا افسانہ عشق ایک عالم ہے تحیر کا
مجھے کہہ کر تعجب ہے انہیں سن کر تعجب ہے

سارہ۔ پنڈی

خاموش پیغام

ایک نوجوان نے اپنے دادا سے پوچھا۔

''دادا جان! آپ لوگ پہلے کیسے رہتے تھے؟ نہ کوئی ٹیکنالوجی' نہ جہاز' نہ کمپیوٹر' نہ گاڑیاں' نہ موبائل.....'' دادا نے جواب دیا۔
''جیسے تم لوگ آج رہتے ہو۔ نہ نماز، نہ دین، نہ روزہ، نہ تربیت، نہ اخلاق، نہ شرم، نہ حیا۔''
نوجوان نسل کے لیے خاموش پیغام
سلمٰی شکور۔ کھاریاں

زہر

پہلوان کی ٹانگ نیلی ہوگئی۔
حکیم صاحب نے کہا۔'' زہر پھیل گیا ہے کاٹنی پڑے گی۔'' مجبوراً کاٹ دی۔
تین دن بعد دوسری ٹانگ بھی نیلی ہوگئی۔
''یہ بھی کاٹنی پڑے گی زہر کافی پھیل گیا۔''
آٹھ دن بعد لکڑی کی ٹانگیں بھی نیلی ہوگئیں۔
حکیم صاحب:'' ارے اب سمجھ آئی تمہاری دھوتی کا رنگ اترتا ہے پریشانی کی کوئی بات نہیں۔''
گیان چند۔ میر پور خاص

غزل

دوستو! آج یہ تجدید وفا کا دن ہے
ہم کو بخشا ہوا یہ اپنے خدا کا دن ہے
جو مٹانے پہ تلے ہیں تیری عظمت کے نشان
ان کے ناپاک عزائم کی قضا کا دن ہے
میر صادق ہو یا پھر میر جعفر بنگال کوئی
اُن کی خاطر یہ بڑے شرم وحیا کا دن ہے
مادرِ پاک کے جانباز شہیدوں کے طفیل
ہم پہ اللہ کی رحمت کی ردا کا دن ہے
اُمِ فروا۔ فیصل آباد

اب کیا کروں

ایک شخص نے اپنے دوست کو بتایا۔
''میں نے شادی اس لیے کی تھی کہ شام کو جب میں کام سے گھر واپس جاتا تھا تو خالی گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔''
دوست نے پوچھا۔'' تو اب کیا حال ہے؟''
اس نے جواب دیا۔
''اب دونوں کاٹ کھانے کو دوڑتے ہیں۔''
رام گیتا۔ حب

شکاری

بیوی شوہر سے:'' تم تو شیر کا شکار کرنے جارہے تھے پلٹ کیوں آئے؟''
شوہر:'' کیسے جاتا ہمسائیوں کا کتا مجھے گھور گھور کر دیکھ رہا ہے۔
خالدہ۔ کراچی

میرے لیے کیا کیا

انتخابات کا زمانہ تھا ایک امیدوار نے اپنے ووٹر سے کہا۔'' تم لوگ میرے مخالف کو ووٹ دو گے تو کیا تمہارا ضمیر ملامت نہیں کرے گا۔ خود سوچو میں نے تمہارے والد کو نوکری دلوائی، تمہارے بھائی کو دکان الاٹ کروادی اور تمہارے دوست کو حوالات سے نکلوایا......''
''یہ سب تو ٹھیک ہے ووٹر نے کہا۔ مگر یہ بتائیں آپ نے میرے لیے کیا کیا؟''
فہیم شاہ۔ کوٹری

قول محمد علی جناح

میں ہمیشہ درست فیصلے نہیں کرتا میں فیصلے کرتا ہوں اور انہیں درست رکھوں یہ یقین رکھتا ہوں
ایمان قاسم۔ کوئٹہ

اس سادگی پہ

ایک مسافر دوسرے سے: ''جناب آپ ہر اسٹیشن پر اتر کر اگلے اسٹیشن کا ٹکٹ کیوں خریدتے ہیں؟''

دوسرا مسافر: ''اس لیے کہ مجھے ڈاکٹر نے لمبے سفر سے منع کیا ہے؟''

غزالہ رشید۔کراچی

اقوال زریں

وقت ضائع کرتے وقت خیال رکھو کہ وقت بھی تمہیں ضائع کر رہا ہے (ارسطو)

ہر شخص تو سچا دوست تلاش کرتا ہے مگر خود سچا بننے کی کوشش نہیں کرتا (حکیم لقمان)

تمہیں چاہیے کہ حقیقت کو سمجھو تو ہمیشہ مگر ظاہر کرو کبھی کبھی (خلیل جبران)

حقیقی کامیابی مسلسل محنت سے حاصل ہوتی ہے (رومی)

دانیال شمسی۔کراچی

فرق

دکھوں، مصیبتوں اور پریشانیوں سے کبھی نفرت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ انسان کو مضبوط بنانے کے لیے آتے ہیں اور اپنوں اور غیروں کا فرق بھی واضح کر دیتے ہیں

ذرمینہ خلجی۔کوٹ ادو

فاتح دنیا

سپاہیوں نے اپنے افسر سے شکایت کی کہ آج جو کھانا انہیں دیا گیا تھا وہ باسی تھا۔

افسر نے کہا: ''آج کا کھانا تو اتنا اچھا تھا کہ اگر نپولین کی فوج کو دیا جاتا تو وہ پوری دنیا فتح کر لیتی۔''

اس پر ایک سپاہی بولا۔

''جی جناب بالکل درست فرمایا کیونکہ یہ کھانا اس وقت تازہ تھا۔''

شاہدہ۔وزیر آباد

لطیفہ

باپ: ''میرے 4 بچے ہیں۔ ایک نے MBA کیا ہوا ہے۔ دوسرے نے PHD کیا ہوا ہے اور تیسرے نے MA کیا ہوا ہے اور چوتھا چور ہے۔''

دوست: ''تو چور کو گھر سے نکالتے کیوں نہیں ہو؟''

باپ: ''وہی تو کماتا ہے باقی سب بے روزگار ہیں۔''

افشاں۔U.K

سوچنے کی بات

چھوٹی Fish نے اپنی امی سے پوچھا۔

''ممی ہم لوگ ہمیشہ پانی میں کیوں رہتے ہیں۔ زمین پر کیوں نہیں رہتے؟''

ممی Fish نے ہنس کر بیٹی سے کہا۔

''اس لیے کہ ہم Fish ہیں زمین پر تو سب Selfish رہتے ہیں۔''

رازِ عدن۔بحرین

چار اشعار

یہ بادل جس جگہ سایہ کریں گے
وہاں ہم دھوپ لے جایا کریں گے
دیارِ روشن کریں گے طاقچے میں
ہوا سے عشق فرمایا کریں گے
خزاں کے خشک پتوں کی صدا سے
ہم اپنے دل کو بہلایا کریں گے
تمہارے ساتھ جو ہم نے گزارے
ہمیں وہ دن بھی یاد آیا کریں گے

شاعر: رمزی آثم

نئے لہجے نئی آوازیں

واپسی

ملال جتنے تھے زندگی کے
اب سامنے ہیں سوال بن کے
گزری ساعتیں، بیتی باتیں
ادھورے پن کی خلش سمیٹے
ذہن و دل سے لپٹی ہوئی ہیں
اداسیوں کے، صدی سے پل وہ
شبنمی پلکوں تلے چھپے ہیں
نیندیں آنکھوں سے اُڑ گئی ہیں
جگنوؤں کی تلاش میں پھر
نکل پڑی ہیں معصوم نیندیں
بے رنگ خوابوں میں رنگ بھرنے
کہ رتجگوں کی عادی نہیں ہیں آنکھیں
مگر مقدر ہیں رتجگے ہی
بے خواب آنکھیں!
تھکن سے بوجھل کب تک رہیں گی
بے حال آخر کب تک رہیں گی
کوئی تو سینہ، کوئی تو لوری
تھپک تھپک کر سلا ہی جائے
میری نیندیں لوٹا ہی جائے

شاعرہ: زمر نعیم اجر۔ لاہور

کبھی نہ جاتا

میں نے کب کہا تھا اس سے
کہ یوں چپ چاپ چلے جانا
کوئی تو سوال کرتا
مجھ سے جواب لیتا
اپنی محبت کا حساب لیتا تو شاید جان پاتا کہ...
رستے میں میرا اس سے ہاتھ چھڑا لینا
وہ میرے جذبات تھے یا حالات تھے
وہ میرے خواب تھے یا کوئی عذاب تھے
شاید وہ مجھے جان نہیں پایا
اگر جان پاتا تو...... کبھی نہ جاتا

شاعرہ: عائشہ نور عاشا۔ شادیوال، گجرات

دعا کی صورت

وہ میرے ساتھ ہمیشہ ہے ، دعا کی صورت
مانگتی ہوں جسے میں رب سے، وفا کی صورت
رت جگا ہجر کا آنکھوں کو دیے جاتا ہے
مانگتا کون ہے دن کوئی جزا کی صورت!
فاصلے اس نے سمیٹے نہ میں نے کوشش کی
پھر بھی ہے پاس وہ ہر لحہ صبا کی صورت!
زخم جو دے گیا شاید اسے معلوم نہیں
درد میں نام بھی اس کا ہے شفا کی صورت!
چاہتوں کے سفر میں ہوں تنہا یا وہ بھی
ہے میرے ساتھ کسی وہم و گماں کی صورت!
کاش اک بار تو اقرار میرا کرلیتا
اوڑھتی خود پہ جسے ہوں میں ردا کی صورت

شاعرہ: خولہ عرفان۔ کراچی

اُجڑا دیار

بے قرار تم بھی ہو بے قرار ہم بھی ہیں
منتظر تم بھی ہو سراپا انتظار ہم بھی ہیں
کیا سوچ کر تم نے کیا ترکِ تعلق ہم سے
مانتے ہیں جرم اپنے ، گنہگار ہم بھی ہیں

چلے آؤ کہ اپنی اپنی انا کے بت توڑیں
تمہیں بھی چاہیے محبت اور طلبگار ہم بھی ہیں
میں بے وفا نہیں ہوں ذرا جھانک اپنے دل میں
تجھے بھی چین نہیں اِک پل، سوگوار ہم بھی ہیں
جو ملے سرِ راہ تو یہ راز بھی کھلا
نم ہے تیری آنکھ، اشکبار ہم بھی ہیں
چہرے پہ تیرے درج ہیں قصے ہجر و فراق کے
چھپا سکا نہ تو بھی... دیکھ اجڑا دیار ہم بھی ہیں
شاعرہ: فصیحہ آصف خان۔ ملتان

جانے کدھر گیا

کڑی دھوپ میں کھڑی ہوں شجر بھی کوئی نہیں
سایہ وہ مہرباں سا جانے کدھر گیا
آنکھوں میں تیری وحشت کی ویرانیاں سی ہیں
لگتا ہے جیسے کوئی تیرا اپنا بچھڑ گیا
جانوں کی دھوپ میں جلتی ہے اب حیات
تم کیا گئے کہ اپنا مقدر بگڑ گیا
بھول کر بھی اُس کی تمنا نہ کر اے دل
آنکھوں میں کیا سمائے جو دل سے اُتر گیا
یوں چبھ رہی ہیں کنکریاں پلکوں پہ
جیسے کوئی خواب ٹوٹ کر بکھر گیا
بڑی چاہت سے سجایا تھا یہ چھوٹا سا گھروندہ
آندھی کے ایک وار سے کیسے اجڑ گیا
نوکِ قلم پہ اُس کی تھا میرے دل کا حال
کیا خوب لکھا ہے کہ دل میں اُتر گیا
مانگو نہ کبھی اُس سے چاہت کی بھیک صائمہ
برسوں کی زیارتوں سے جو پل میں مُکر گیا
شاعرہ: صائمہ بشیر۔ سرگودھا

بے وفائی

جو نہیں کرنا چاہتی تھی کر بیٹھی ہوں
میں تمہارے عشق میں شاعری کر بیٹھی ہوں
چاہ کر بھی جو، نہ پوری کر پائیں
میں اُن سے ایسی خواہش کر بیٹھی ہوں
محبت روگ ہے عمر بھر کا لیکن
میں پھر بھی یہ جرم کر بیٹھی ہوں
وہ جو کہتے تھے فرمانبردار ہے بچی
میں اُن کی شان میں گستاخی کر بیٹھی ہوں
تمہیں چاہیں گے کسی اور کو نہ چاہنے دیں گے
میں تم سے ایسی بے وفائی کر بیٹھی ہوں
شاعرہ: شمائلہ شہزاد۔ کوئٹہ

محبت

زندگی تباہ ہوگئی ہو جیسے
مجھ سے خفا ہوگئی ہو جیسے
یہ زندگی بھی میری نہ رہی
اُس پر فدا ہوگئی ہو جیسے
ہر وقت اُس کا خیال دل میں
وہ دل میں دھڑکن ہوگئی ہو جیسے
ہر لمحہ اس کا چہرہ آنکھوں میں
آنکھوں کی روشنی ہوگئی ہو جیسے
اب گزرتا نہیں وقت اس کے بغیر
اس سے محبت ہوگئی ہو جیسے
شاعر: داؤد احمد جان۔ بُورے والا

آس

آنکھیں مری ہر پل اک سپنا سہانا دیکھے ہیں
اُس سپنے میں سجنا میرے، تجھ کو اپنا دیکھے ہیں
آنکھ کھلے تو سہہ نہ پاؤں دوری تیری او سجنا
نسبت ٹھہرے برسوں بیتے اب تو لے جا او سجنا
بالوں میں اب چاندی اُترے اور من میں وسواس
سجنا مرے کب ہوگا اب ملن ہمارا ساتھ
یا مری آنکھیں مرتے دم تک جئیں گی تری آس
شاعرہ: شازلی سعید مغل۔ کراچی

منی اسکرین

اے آر وائی کے خوبصورت پروگرام

م ش خ

ناظرین قارئین گرامی گزشتہ دنوں ARY ڈیجیٹل سے آن ایئر ہونے والی سیریل آپ کے لیے، گھائل، نعمت، تیری چاہ میں اور سیریل تم ملے کو آپ لوگوں نے پسند کر کے ہمیں جو ہمت اور حوصلہ افزائی دی ہم آپ کے تہہ دل سے مشکور ہیں اور ہمیں اس بات کا احساس ہے کہ آپ لوگوں کی جانب سے دیے گئے حوصلے ہمیں کام کرنے کا ایک نیا جذبہ اُجاگر کرتے ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ ARY ڈیجیٹل نیٹ ورک سے آن ایئر ہونے والے چینلز دی میوزک، نیوز، کیو ٹی وی، H.B.O، زندگی اور بچوں کا چینل نک کے بڑے شوق و ذوق سے دیکھے جاتے ہیں۔

قارئین گرامی اب چلتے ہیں پروگراموں کی طرف 'سوپ میں مہرو ہوں' مہر النساء کی کہانی پر مبنی ہے جو ایک خوبصورت شوخ ہنس مکھ بے حد پیاری اور چلبلی معصوم سی لڑکی ہے جسے سجنے سنورنے فیشن کرنے، نئے نئے ڈریسز اور عمدہ جیولری کا بہت شوق ہے اُس کی بڑی بہن زیب النساء کی شادی چھوٹی عمر میں اپنے کزن خلیل سے ہوگئی تھی اُس کا شوہر سخت مزاج حاکمانہ فطرت رعب جھاڑنے والا شوہر ہے اپنی سسرال پر ہر وقت رعب جماتا رہتا ہے داماد ہوں میں اُس کا تکیہ کلام ہے۔ مہر النساء کی ماں ایک تہذیب دار عورت ہے۔ خلیل کا بھائی شکیل مہرو کو پسند کرتا ہے وہ نرم طبیعت کا سلجھا ہوا انسان ہے مگر مہرو النساء کی والدہ اس رشتے سے بہت ڈری ہوئی ہیں مہرو النساء کی والدہ شکیلہ خلیل اور اُس کی والدہ جمیلہ کے مزاج کو سمجھتی ہیں شکیلہ سوچ میں ہے کہ اس رشتے کو قبول کرے یا نہ کرے جبکہ جمیلہ اُن کی بہن اور خلیل اُن کا بھانجا ہے شکیلہ کی دوست ناہید اپنے بیٹے کا رشتہ مہرو سے کرنا چاہتی ہے اِدھر جب شکیلہ خلیل سے مشورہ کرتی ہے اس رشتے کے سلسلے میں تو خلیل بھڑک اٹھتا ہے اور غصے میں کہتا ہے کہ اگر آپ نے مہرو کی شادی میرے بھائی شکیل سے نہ کی تو میں آپ کی بیٹی زیب النساء کو طلاق دے دوں گا اِدھر ناہید کا بیٹا اظہر جو بہت خوبصورت اور پڑھا لکھا مگر سنجیدہ مزاج لڑکا ہے وہ جویریہ عالم نامی لڑکی کو پسند کرتا ہے مگر اظہر کی والدہ ناہید جویریہ کو پسند نہیں کرتی ہیں۔ شکیلہ اپنی بہن جمیلہ اور داماد خلیل کی وجہ سے بہت پریشان ہیں کہ وہ خلیل سے خوش نہیں ہیں اور شکیل کے رشتے پر راضی نہیں ہیں وہ چاہتی ہیں کہ مہرو کی شادی ناہید کے بیٹے اظہر سے ہو جائے مگر خوف زدہ بھی ہیں کہ اگر مہرو کی شادی شکیل سے نہ کی تو ایسا نہ ہو کہ وہ ان کی بیٹی زیب النساء جو ان کی لاڈلی بھی ہے کو خلیل طلاق نہ دے دے کیا مہرو کی

شادی اظہر سے ہوتی ہے یا شکیل سے یہ تو سوپ دیں مہروہوں دیکھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا اس سوپ کے فنکاروں میں سدرہ بتول' عمران اسلم' سلمہ حسن' احمد حسن اور پٹیو شریف قابل ذکر ہیں۔ یہ سوپ پیر سے جمعرات تک رات 10 بجے ARY ڈیجیٹل سے دیکھایا جائے گا اس کے ہدایت کار نعیم قریشی جبکہ اسے تحریر کیا ہے ساحرہ عارف نے سوپ 'بندھن' ایک بیوہ خاتون اور اُن کی اولاد کی کہانی ہے۔ صبیحہ بیگم ایک غریب سرکاری ملازم کی بیوی ہیں ان کی تین بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔ بڑی بیٹی صوبی کی شادی انہوں نے بہت دھوم دھام کی مگر وہ شادی ٹوٹ گئی اور صوبی کو بیوہ ماں کے گھر آنا پڑا۔ صبیحہ بیگم نے اپنے بیٹے حماد کو انجینئرنگ کی اعلیٰ تعلیم دلوائی ہے مگر صبیحہ بیگم کی خواہش ہے کہ حماد سے پہلے وہ اپنی بیٹی زیبا کی شادی کردیں حماد علیشبا نامی لڑکی کو بہت پسند کرتا ہے۔ پورے گھرانے میں حماد کی بہن صبا

ARY ڈیجیٹل کے سوپ 'سہیلیاں' میں سندس طارق

حماد کی رازدار ہے وہ اکثر یہ سوچتے ہیں کہ اس مسئلے کو کیسے حل کیا جائے ادھر مسز رضوان جو علیشبا کی ماں ہیں وہ اس کے لیے رشتے ڈھونڈنے نکلتی ہیں اس بات سے پریشان ہوکر علیشبا ساری بات حماد کو بتاتی ہے کہ تم اپنی ماں کو راضی کرلو ایسا نہ ہو کہ میری شادی والدہ کہیں اور کردیں۔ صبیحہ بیگم کی بیٹی صوبی کو طلاق کیوں ہوئی کیا علیشبا کی شادی حماد سے ہوجائے گی

ARY ڈیجیٹل کے سوپ 'بندھن' میں عالیہ علی

ان تمام باتوں کا جواب آپ کو سوپ 'بندھن' دیکھ کر ہی ملے گا کیونکہ کہانی کا موڈ اُس وقت نیا رنگ اختیار کرلیتا ہے جب صبیحہ بیگم کے پڑوس میں حمزہ اور اس کی فیملی آکر رہنے لگتی ہے۔ حمزہ شادی شدہ اور دو بچوں کا باپ ہے حمزہ اور ثناء کی شادی لو میرج ہے دونوں کالج کے زمانے میں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے مگر ثنا کے خواب بہت اونچے تھے اور اس بات پر ان کے چھوٹے چھوٹے اختلاف پروان چڑھتے ہیں اور ثنا علیحدگی کا مطالبہ کردیتی ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حمزہ کیا ثنا کو طلاق دے دیتا ہے یہ بھی کہانی کا ایک نیا موڑ ہے ثنا اس سوچ میں

ہے کہ وہ علیحدگی کے بعد اس کے دو بچے علی اور بیٹی اریج ہے وہ فیصلہ نہیں کر پاتی کہ اپنے ساتھ علی کو لے کر جائے یا اریج کو اس کا فیصلہ بھی سوپ 'بندھن' دیکھنے کے بعد ہی ہوگا۔ اس سوپ کو تحریر کیا ہے نزہت سمن نے اس سے قبل نزہت سمن بے شمار سوپ اور سیریل تحریر کر چکیں ہیں اور تقریباً سب نے شاندار کامیابیاں حاصل کیں۔ نزہت سمن عرصہ دراز سے خوبصورت تحریریں لکھتی رہی ہیں اور یقیناً نزہت سمن نے سوپ 'بندھن' پر بھی بہت محنت کی ہوگی اس کے نمایاں فنکاروں میں ایمنا کنفر، مدیحہ رضوی، پلوشے شاہ ابرار، جویریہ اجمل، علی حسن، عالیہ علی اور حماد قابل ذکر ہیں سوپ کے ہدایت کار جنید خان ہیں۔ سوپ 'بندھن' پیر سے لے کر جمعرات تک شام 7 بجے ARY ڈیجیٹل سے دکھایا جا رہا ہے۔ سوپ 'سہیلیاں' اپنی مثال آپ ہے مہر جس کا تعلق ایک مڈل فیملی سے ہے۔ اس کے والد کا انتقال ہو چکا ہے وہ اپنے دادا حاجی ابا بڑی بہن خوش بخش اور والدہ کے ساتھ رہتی ہے۔ حاجی ابا سخت طبیعت کے انسان ہیں ان کے گھر میں ٹی وی پر صرف خبریں اور فہد مصطفیٰ کا پروگرام 'جیتو پاکستان' دیکھا جاتا ہے اور اس بات پر کہ وہ ٹی وی کیوں دیکھتی ہے اپنے دادا حاجی ابا سے پیٹ بھی چکی ہے۔ خوش بخت کی شادی کا چرچا مشتاق سے ہو رہا ہے۔ وہ بھی حاجی ابا کی طرح سخت طبیعت کا انسان ہے۔

ARY ڈیجیٹل کے سوپ
'میں مہرو ہوں' میں سدرہ بتول

مہر جس بس میں جاتی ہے اُس کا کنڈیکٹر مہر کو بہت پسند کرتا ہے اور اُس کی خواہش ہے کہ وہ مہر سے شادی کرے خوش بخت کی شادی مشتاق سے ہوجائے گی جو سخت طبیعت کا انسان ہے۔ کیا مہرو کی شادی اُس بس کنڈیکٹر سے ہوجائے گی۔ جو اُس سے اکثر کرایہ نہیں لیتا اور اُسے بہت پسند کرتا ہے ان باتوں کا جواب سوپ 'سہیلیاں' دیکھنے کے بعد ہی ملے گا۔ سوپ 'سہیلیاں' پیر سے لے کر جمعرات تک روزانہ رات 7:30 بجے ARY ڈیجیٹل سے دکھایا جا رہا ہے اس کے اداکاروں میں قوی خان، عصمت اقبال، کومل عزیز، عدیلہ خان، سندس طارق، ناہید رضا، ایان سومرا اور ماریہ خان قابل ذکر ہیں۔ ہدایت علی حسن تحریر ثمینہ اعجاز کی ہیں۔

☆☆......☆☆

ڈی خان

وہ خبریں جو آپ کا موڈ بدل ڈالیں......

مار کھاتے کھاتے بچے

گوہر رشید جو من مائل میں میکائیل کا رول ادا کر رہے ہیں وہ کچھ دن قبل اپنے دوستوں کے ساتھ فلم دیکھنے گئے۔ وہاں کچھ خواتین کھڑی تھیں ان میں سے ایک نے گوہر کے پاس آ کر پوچھا اب میکائیل ہیں اور ہاں سننے کے بعد دوسری خاتون نے آگے بڑھ کر کہا کہ آپ بہت ہی برے انسان ہیں۔ فوراً یہاں سے چلے جائیں ورنہ میں آپ کو چھپڑ مار دوں گی اور یونو واٹ گوہر کو وہاں سے بھاگتے ہی بنی۔ گوہر آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ آپ کی ایکٹنگ کتنی حقیقت سے قریب تر ہے۔

ہمیں فخر ہے

بلبلے فیم عائشہ عمر کو انڈیا سے میگا ڈرامہ سیریل کی آفر تھی۔ جس کو انھوں نے رد کر دیا وہ کہتی ہیں کہ مجھے

پاکستانی ہونے پر فخر ہے پاکستانیوں نے مجھے عزت دی میں کبھی بھی انڈیا کے کسی پراجیکٹ میں کام نہیں کروں گی۔ شاباش عائشہ ایسا بہت کم دیکھنے میں آتا ہے کہ پاکستانی اداکار انڈیا کی آفر کو رد کردیں۔ آپ قابل تعریف ہیں اور ہم سب پاکستانیوں کو آپ پر فخر ہے۔

شرم تم کو مگر

خبر گرم ہے کہ شرمیلا فاروقی 21 سال تک اب سیاست میں حصہ نہ لے سکیں گی۔ نیب نے اُن کی خصوصی معاون برائے چیف منسٹر کی حیثیت کو چیلنج کردیا ہے۔ 2001ء میں شرمیلا فاروقی نے اپنے والدین کے ہمراہ نیب سے پلی بارگین کے تحت معافی لی تھی ان پر کرپشن کے سنگین الزامات تھے۔ لیکن اس کے باوجود بھی وہ 6 سال سے مستقل سرکاری عہدہ رکھے ہوئے ہیں اور تمام مراعات بھی لے رہی ہیں۔ اب ان حالات میں شرمیلا بی بی کو شرم آئے نہ آئے نیب کو تو آنی چاہیے۔

EYE TO EYE

Angel فیم طاہر شاہ آج کل بہت ناراض ہیں۔ انہیں ورون دھون سے یہ امید نہیں تھی کہ وہ ان کے گانے Angel کا کپل شرما کے شو میں مذاق

اڑائیں گے۔ پچھلے دنوں ورون اپنی آنے والی فلم کی پروموشن کے لیے کامیڈی نائٹ میں آئے تھے اور وہاں انہوں نے پر لگا کر طاہر شاہ کے گانے کا بہت مذاق اڑایا...... طاہر شاہ کا کہنا ہے کہ آرٹسٹ حساس ہوتا ہے اور اس کی تخلیق اُس کی اولاد جیسی ہوتی ہے اب اولاد اچھی ہو یا بری والدین کو بہت عزیز ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ جب جب لوگ اُن کے گانے کا مذاق اڑاتے ہیں۔ انہیں بہت اذیت پہنچتی ہے..... اور یہ سب باتیں وہ تنقید کرنے والوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بول سکتے ہیں۔

پاکستان زندہ باد

بہت بڑی خبر، بہت خوشی کی خبر مدتوں بعد پاکستان کرکٹ ٹیم ٹیسٹ رینکنگ میں دنیا کی سب

سے بہترین ٹیم قرار پائی اور یوں پہلے نمبر پر پہنچ گئی۔ ہم پاکستانیوں کے پاس خوشی کی خبریں ویسے ہی برائے نام ہوتی ہیں ایسے میں اتنی بڑی خوشی دے کر یقیناً مصباح الحق نے کپتانی کا بھی حق ادا کیا اور پاکستانیوں کا بھی...... پاکستان زندہ باد

بہت یاد آؤ گے

امجد صابری مرحوم کے فینز بڑی شدت سے اُن

کی قوالی کا انتظار کررہے ہیں جو انہوں نے کوک اسٹوڈیو میں اپنی شہادت سے قبل ریکارڈ کروائی تھی۔ امجد صابری ایک ایسی آواز جو برسوں میں پیدا ہوتی ہے جن کے جانے کے بعد ان کے کروڑوں مداح جو دنیا کے ہر کونے میں موجود ہیں اس آخری قوالی کے منتظر ہیں جو اُن کے محبوب قوال نے گائی تھی۔

LUX AWARDS 2016

لکس ایوارڈز 2016ء کی شاندار تقریب 29 جولائی کو کراچی میں ہوئی۔ اس رنگا رنگ محفل میں شوبز سے وابستہ تمام ہی چہرے موجود تھے۔ بہترین

آرٹسٹ اداکار کا تاج ہمایوں سعید کے اور فیصل قریشی کے سر پر سجا اور بہترین اداکارہ کا ایوارڈ ماہرہ خان کو اُن کی جاندار اداکاری پر دیا گیا۔ بہترین فلم 'مور' قرار پائی اور بہترین ڈرامہ دیار دل ...... معاون اداکار کا ایوارڈ جاوید شیخ صاحب کو ملا۔

☆☆......☆☆

دوشیزہ قارئین کی فرمائش پر اب سے انتہائی سہل کھانے کی تراکیب پیش کی جارہی ہیں وہ تراکیب جو عام زندگی میں سہولت کے ساتھ استعمال کی جاسکیں۔

مٹن گوشت

اجزاء

بکرے کا گوشت	ایک کلو
دہی	آدھا پاؤ
بادام	بیس گرام
پستے	دس گرام
تازہ کریم	سو گرام
گرم مسالا پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
جائفل، جاوتری پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
لال مرچ پاؤڈر	دو کھانے کے چمچے
لہسن ادرک پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
تیل	ایک چوتھائی پیالی
ہرا دھنیا	ایک چوتھائی گٹھی (چوپ کریں)
ادرک اور ہرا دھنیا	سجاوٹ کے لیے

ترکیب:
پتیلی میں تیل گرم کر کے لہسن ادرک سنہری کریں اور اس میں گوشت ڈال کر رنگ تبدیل ہونے تک پکائیں۔ پھر اس میں ہرا دھنیا، گرم مسالہ، ہلدی، جائفل، جاوتری، لال مرچ، نمک، دہی اور ایک پیالی پانی شامل کر کے ڈھکن ڈھانپ دیں اور پکنے کے لیے رکھ دیں۔ بادام اور پستے ابالیں اور چھلکا اُتار کر باریک کاٹ لیں۔ جب گوشت گل جائے تو اسے بھون لیں۔ اب اس میں بادام، پستے اور کریم شامل کر کے بھونیں۔ پانی خشک ہوجائے اور تیل علیحدہ نظر آنے لگے تو ڈش میں نکالیں، ادرک کی قاشوں اور ہرے دھنیے سے سجا کر پیش کریں۔

گائے کے پائے

اجزاء

پائے	دو عدد (صاف کر کے ٹکڑے کروالیں)
دہی	ایک پیالی
لال مرچ پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
ہلدی	ایک چائے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر	دو کھانے کے چمچے
ادرک، لہسن پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
گرم مسالا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
پیاز	دو عدد (باریک کٹی ہوئی)
ہری مرچ	چار عدد (باریک کٹی ہوئی)

ہرا دھنیا	ایک گٹھی (باریک کٹا ہوا)
ادرک	ایک کھانے کا چمچہ
لیموں	تین عدد
تیل	دو پیالی

ترکیب:

پائے صاف کرنے کے لیے: آٹے کی بھوسی دو کھانے کے چمچے لیں۔ اب تیل میں دہی، نمک، لال مرچ پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، ہلدی پاؤڈر، لہسن ادرک پیسٹ اور گرم مسالا شامل کر کے بھونیں۔ اس کے بعد پائے ڈال کر ہلکا سا بھونیں اور پھر یخنی کا پانی شامل کر دیں۔ ہلکی آنچ پر پکنے کے لیے رکھ دیں۔ آنچ جتنی ہلکی ہوگی پائے اسی قدر مزے دار بنیں گے۔ پندرہ سے بیس منٹ بعد دم پر رکھ دیں۔ جب آئل اوپر آجائے تو اُتار لیں اور اوپر سے گرم مسالا پاؤڈر، ہری مرچیں، ہرا دھنیا، کٹی ہوئی ادرک اور لیموں کا رس شامل کر کے نان کے ساتھ پیش کریں۔

مٹن چانپ

اجزاء

مٹن چانپ	آدھا کلو
ہلدی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
دہی	تین کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
پیاز	چار عدد (کاٹ لیں)
لال مرچ پاؤڈر	دو چائے کے چمچے
لیموں کا رس	ایک کھانے کا چمچہ
گرم مسالہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ

مسالہ بنانے کے لیے:

تیل	ایک کھانے کا چمچہ
پیاز	ایک عدد (کاٹ لیں)
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا
لہسن	بارہ جوے
ہری مرچیں	پانچ عدد
ہرا دھنیا	ایک چوتھائی کپ

ترکیب:

چانپوں کو اچھی طرح دھو لیں۔ اس کے بعد کچن ٹاول سے چانپوں کو خشک کریں اور چھری سے دبا کر قدرے چپٹا کر لیں۔ اب اس میں دہی نمک اور ہلدی ملا کر میری نیٹ ہونے کے لیے ایک گھنٹے تک فریج میں رکھ دیں۔ اس کے بعد مسالا بنانے کے لیے ایک چھوٹے پین میں ایک کھانے کا چمچہ آئل گرم کر کے اس میں مسالے کے تمام اجزا کو دو تین منٹ تک ہلکا فرائی کریں اور پھر انہیں گرائینڈ کر کے پیسٹ تیار کر لیں۔ اب ایک پریشر ککر میں دو کھانے کے چمچے آئل گرم کریں اور اس میں پیاز شامل کر کے فرائی کریں۔ یہاں تک کہ یہ ہلکی گلابی ہو جائے۔ پھر اس میں گرائینڈ کیا ہوا مسالا شامل کریں اور دو تین منٹ تک بھونیں۔ پھر چانپیں شامل کریں اور لال مرچ پاؤڈر شامل کر کے مزید بھونیں۔ یہاں تک کہ مسالہ سمٹ کر چانپوں کے اوپر لگ جائے اور تیل علیحدہ نظر آنے لگے۔ اب اس میں ایک کپ پانی ڈال کر نمک ملائیں اور ڈھکن ڈھانپ کر درمیانی آنچ پر پکائیں، یہاں تک کہ پریشر ککر کی پانچ بار وسل ہو جائے۔ اب چولہے سے اُتار لیں اور پریشر نکل جانے دیں۔ اس کے بعد ڈھکن کھولیں اور چولہے پر رکھ کر گریوی کا پانی خشک ہونے تک بھون لیں۔ مٹن چوپس تیار ہیں، اوپر سے گرم مسالہ اور لیموں کا رس ڈالیں اور گرم گرم پیش کریں۔

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماےراحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،
حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ،
سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،

جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

بیف تکہ

اجزاء

گائے کا گوشت	ایک کلو
ہری الائچی	تین عدد
کالی مرچیں	چھ عدد
دار چینی	ایک انچ کا ٹکڑا
لونگیں	چھ عدد
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا
خشک میتھی	ایک چائے کا چمچہ
دہی	100 گرام
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچے
ترش کریم	60 ملی لیٹر
نمک	حسب ذائقہ
ٹماٹو پیوری	500 گرام
مکھن	200 گرام

ترکیب:

تکے بنانے کے لیے بغیر چربی والے صاف گوشت کا ایک ایک کلو کا ٹکڑا لیں اور اس کی چھوٹی بوٹیاں بنا لیں۔ اس کے بعد اوون کو 200 ڈگری سینٹی گریڈ پر گرم کریں اور اس میں الائچی، کالی مرچیں، دار چینی اور لونگیں، بیکنگ شیٹ کے اوپر رکھ کر دس منٹ تک روسٹ کر لیں۔ اب یہ تمام چیزیں بلینڈر میں ڈالیں اس میں لہسن، ادرک بھی شامل کریں، پھر تھوڑا سا پانی ڈال کر خوب باریک پیسٹ بنا لیں۔ اب گوشت کی بوٹیاں ایک پیالے میں ڈالیں اور ان پر یہ پیسٹ لگائیں۔ ساتھ ہی لیموں کا رس اور دہی بھی ملائیں اور دو گھنٹے کے لیے رکھ کر دس سے پندرہ منٹ تک بیک کر لیں۔ اس کے بعد ایک بڑے پین میں ٹماٹو پیوری ڈال کر اسے درمیانی آنچ پر گرم کریں۔ پھر اس میں فریش کریم اور مکھن بھی شامل کر دیں۔ جب مکھن اچھی طرح پگھل جائے تو اس مکسچر میں روسٹ کی ہوئی بوٹیاں شامل کر دیں۔ پھر خشک میتھی کو گرم پانی سے نکال کر اس میں ملائیں اور سادہ چاولوں کے ہمراہ فوری گرم گرم پیش کریں۔

جھٹ پٹ کلیجی

اجزاء

کلیجی	ایک کلو
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
لیموں	دو عدد
لہسن ادرک پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
آئل	حسب ضرورت

ترکیب

کلیجی کی بساند دور کرنے کے لیے سب سے پہلے کلیجی دھوئے بغیر اس کے اوپر لہسن کی ایک پوتھی چھلکوں سمیت کچل کر لگائیں اور بیس منٹ کے لیے چھلنی میں رکھ دیں۔ اس کے بعد ٹھنڈے پانی سے اچھی طرح کلیجی دھوئیں اور مزید بیس منٹ تک چھلنی میں رکھا رہنے دیں۔ اس ترکیب سے کلیجی کی مخصوص بساند بالکل دور ہو جائے گی۔ اس کے بعد زیرے کو توے پر ہلکا سا بھون کر پیس لیں۔ درمیانی آنچ پر کڑاہی رکھ کر اس میں کلیجی ڈالیں۔ پھر اس میں لہسن ادرک پیسٹ شامل کریں۔ کلیجی کو فرائی کریں، جب اس کا پانی خشک ہو جائے تو اس میں لال مرچ پاؤڈر اور زیرے کا پاؤڈر شامل کریں۔ اس کے بعد آئل شامل کریں اور چمچہ چلائیں۔ اب آنچ قدرے ہلکی کریں۔ پھر اس میں کٹی ہوئی ہری مرچیں، نمک اور لیموں کا رس شامل کریں۔ ہلکا سا آئل اوپر نظر آنے لگے تو سمجھ لیں کہ کلیجی تیار ہے۔ گرم گرم سرو کریں۔

☆☆......☆☆